جميع الحقوق محفوظة بحقّ المؤلّف

اسم الكتاب : ....
توحید باری تعالیٰ سے متعلقہ شکوک وشبہات کا ازالہ ....
تأليف : ....
فضيلة الشيخ رضآء الله الباجوري

الطبع :...........................
....

الثانى سنة ١۴۴٦هـ

النّاشر : ..... مدرسة ترتيل القرآن شانرے باجور باكستان

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی خاتم الأنبیاء والمرسلین نبینا محمد و علی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد!

یہ نفع بخش انتخاب؛ جامع مسائل اور چنیدہ فوائد ہیں، جنہیں توحید کے باب میں جمع کیا گیا ہے، جس توحید کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی بھی عمل قبول نہیں کرتے اور نہ ہی توحید کے بغیر اپنے بندے پر راضی ہوتے ہیں۔

اس مختصر سے رسالہ میں، میں نے وہ قواعد وضوابط اور تقسیمات بھی شامل کی ہیں جو کہ قارئین کے لیے متفرق چیزوں کو ایک جگہ پر جمع کر دیتی ہیں اور مختلف الجھے ہوئے مسائل کا حل پیش کرتی ہیں اور اس کے ذہن میں ترتیب کے ساتھ جگہ پاتی ہیں۔ کسی چیز کا علم اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے متعلق دو باتیں معلوم نہ ہو جائیں:

پہلی بات:... اس چیز کی حقیقت دوسری بات:... اس کی ضد (الٹ) کی وضاحت۔

میں نے "حقیقت توحید" اور اس کے اصول واقسام کی وضاحت کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ پھر فوراً ہی اس کے بعد توحید کی ضد یعنی شرک کا بیان کیا ہے۔ شرک کے معانی، اس کی مختلف صورتیں اور اقسام، اور ان کے احکام بیان کیے ہیں۔ اس لیے کہ: "کسی چیز کی خوبی اس کی ضد سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اضداد کی وجہ سے چیزیں باہم امتیازی حیثیت پاتی ہیں۔" توحید کا جمال وجلال اس وقت تک صحیح معنوں میں ظاہر نہیں ہو سکتا جب تک شرک کی قباحت اور خطرے کو اچھی طرح سے نہ سمجھ لیا جائے

۔ اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے؛ اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو وہ میری اور شیطان کی کوتاہی ہے۔

میں نے یہ انتخاب محقق اہل توحید... علمائے کرام کی کتابوں سے جمع کیا ہے۔۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ قادر مطلق ذات اس کتابچہ کو نفع بخش بنادے۔ اور اپنی ملاقات کے دن اسے میرے اور میرے والدین اوراساتذہ کرام اوراقرباء کی میزان حسنات میں شامل کر دے۔ آمین؛ یارب العالمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ و سلّم۔

راجی الدعاء العبد ابو عطاء المنعم رضاء اللہ بن الحاج خان بادشاہ حفظہ اللہ

18۔ شوال المکرم 1446۔ بمطابق 2025۔16۔ اپریل یوم الاربعاء

توحید کی تعریف

توحید کا لغوی معنیٰ:

توحید وَحَّدَ یُوَحِّدُ کا مصدر ہے۔ جب کسی چیز کو ایک ہی شمار کیا [گردانا] جائے۔ اس کی مثال:

☆ جب آپ یہ کہیں کہ گھر سے کوئی ایک بھی نہ نکلے سوائے ایک محمد کے۔ تو گویا کہ گھر سے نکلنے کے لیے آپ نے اکیلے محمد کو بطور خاص ذکر کیا ہے۔
☆ اور جب یوں کہیں کہ مجلس سے کوئی ایک بھی نہ اٹھے سوائے خالد کے۔

تو گویا کہ آپ نے مجلس سے اٹھنے کے لیے اکیلے خالد کو خاص کیا ہے۔

توحید کا شرعی معنیٰ:

شرعی معنیٰ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کو اس کی:

۱۔ ربوبیت میں

۲۔ الوہیت میں

۳۔ اور اسماء وصفات میں

منفرد، یکتا اور اکیلا مانا جائے۔

توحید کی اقسام

توحید کی تین اقسام ہیں:

۱۔ توحید ربوبیت

۲۔ توحید الوہیت

۳۔ اور توحید اسماء وصفات

توحید کی ہر قسم کا معنی اور اس کی دلیل

توحید کی قسم:

توحید ربوبیت

اس کا معنی:

اللہ تعالیٰ کو یکتا ماننا۔(۱) پیدا کرنے میں۔(۲) بادشاہی میں۔(۳) اور تدبیر میں۔ یا بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال میں اکیلا ماننا۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کی مثالیں: پیدا کرنا، روزی دینا، زندگی اور موت دینا، بارش برسانا، اور درخت اگانا۔ **اس کی دلیل:**

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ﴾ ، ﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ ، ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾

توحید الوہیت:

اسے توحید عبادت بھی کہا جاتا ہے۔

اس کا معنی:

بندوں کے افعال میں اللہ تعالیٰ کو یکتا ماننا۔ جیسا کہ نماز وروزہ، حج اور توکل، نذر کہا جاتا ہے۔ اور خوف ومحبت اور امید اور دیگر امور۔

اس کی دلیل:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ ، ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ ، ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ ،

توحید اسماء وصفات

اس کا معنی:

یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ اوصاف بیان کیے جائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے بیان کیے ہیں۔ یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جو صفات کمال وجمال بیان کی ہیں انہیں بغیر کسی مثال اور کیفیت کے بیان کرنا۔

اس کی دلیل:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾، ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

اہم ترین فوائد

پہلا فائدہ:... توحید کی تینوں اقسام آپس میں ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک قسم بھی دوسری سے جدا نہیں کی جاسکتی۔ جو کوئی توحید کی کوئی ایک قسم بجالائے اور دوسری کو چھوڑ دے تو وہ موحد نہیں ہو سکتا۔

دوسرا فائدہ:... یہ بات جان لینی چاہیے کہ جن کفار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا تھا؛ وہ توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ وہ اس بات کا اعتراف کرتے تھے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی خالق ومالک ہے، وہی روزی دینے والا ہے؛ وہی زندگی اور موت دینے والا ہے۔ نفع اور نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی تمام نظام کی تدبیر کرتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ﴾

''آپ پوچھیں: وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے، یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام امور کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے: اللہ۔ تو ان سے پوچھیں: پھر کیوں نہیں ڈرتے۔''

تیسرا فائدہ:... توحید الوہیت ہی انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا موضوع رہا ہے۔ کیونکہ یہی وہ بنیاد ہے جس پر تمام اعمال قائم ہوتے ہیں۔ توحید الوہیت کی حقیقت بجالائے بغیر تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ جب توحید نہ پائی جائے تو اس کی جگہ شرک آجاتا ہے۔ مرسلین اور منکرین کے درمیان جھگڑے کا بنیادی محور ومرکز یہی نکتہ تھا۔ پس انسان پر واجب ہوتا ہے کہ اس پر بھرپور دھیان دے، ان مسائل کو اچھی طرح سے پڑھے اور اس کے اصولوں کو سمجھے۔

اہمیت توحید وفضائل

۱۔ توحید اسلام کا سب سے بڑا رکن:

اسلام کا سب سے بڑا ستون اور رکن توحید ہے۔ کسی انسان کے لیے اس وقت تک اسلام میں داخل ہونا ممکن نہیں جب تک وہ توحید کی گواہی نہ دے۔ اور جب تک توحید کا اقرار اور اس کے علاوہ باقی تمام چیزوں کی نفی نہ کرلے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے:

((شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلَ اللّٰهِ، وَاِقَامِ الصَّلَاةِ، وَاِيْتَاءِ الزَّكَاةِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ، وَحَجُّ الْبَيْتِ۔))

'' اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، اور بیت اللہ کا حج کرنا۔'' (متفق علیہ)

۲۔ توحید سب سے اہم اور پہلا واجب:

توحید سب سے اہم اور پہلا واجب ہے۔ اسے باقی تمام اعمال پر اولیت حاصل ہے۔ اور اپنی عظیم الشان منزلت اور انتہائی اہمیت کی وجہ سے تمام اہم امور پر سبقت رکھتی ہے۔ توحید کی دعوت سب سے پہلی دعوت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا تو آپ نے فرمایا:

''تم اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس جارہے ہو۔ سب سے پہلے انہیں لا اِلہ اِلا اللہ کے اقرار کی دعوت دینا۔'' ایک روایت میں ہے: ''سب سے پہلے اس بات کی گواہی دینا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید بجالائیں۔'' (متفق علیہ)

۳۔ توحید اور قبولیت اعمال:

توحید کے بغیر عبادات قبول نہیں ہوتیں۔ عبادات کے صحیح ہونے کے لیے توحید اہم ترین شرط ہے۔ عبادت کو اس وقت تک عبادت نہیں کہا جاسکتا جب تک اس میں توحید نہ ہو۔ جیسے نماز کو اس وقت تک نماز نہیں کہا جاسکتا جب تک اسے پاکیزگی کے ساتھ ادا نہ کیا جائے۔ جب اس میں شرک داخل ہو جاتا ہے تو عبادت تباہ وبرباد ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اگر طہارت کی حالت میں کوئی حدث پیش آجائے تو طہارت باقی نہیں رہتی۔ توحید کے بغیر عبادت شرک بن جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے عمل تباہ وبرباد ہو جاتا ہے۔ اور اس عمل کے کرنے والا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار پاتا ہے۔

۴۔ توحید دنیا و آخرت میں امن وہدایت کا سبب:

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ﴾[الأنعام:۸۲]

''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے۔ ایسوں ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔'' یہاں پر ظلم سے مراد شرک ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا ہے۔[1] امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

[1] بخاری ۲/۴۸۴؛عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ آیت میں یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، جیسا کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ظلم کا عام مطلب(کوتاہی، غلطی، گناہ اور زیادتی وغیرہ) کو سمجھا، جس سے وہ پریشان ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے کون شخص ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اس ظلم سے مراد وہ ظلم نہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اس سے مراد شرک ہے جس طرح حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کہا: ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾(لقمان: ۱۳) یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔']

''یہی وہ لوگ ہیں جو صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت بجالاتے رہے۔ اوراللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ یہ لوگ قیامت کے دن امن میں ہوں گے اور دنیا و آخرت میں راہ ہدایت پر ہوں گے۔'' چنانچہ جو کوئی توحید کو پوری طرح سے بجالائے گا؛ اس کے لیے پورا پورا امن اور بھرپور ہدایت ہوگی اور بغیر کسی عذاب کے جنت میں داخل ہو جائے گا۔ شرک سب سے بڑا ظلم ہے جب کہ توحید سب سے بڑا عدل ہے۔

۵۔ توحید جنت میں داخلے کا سبب:

جنت میں داخل ہونے اور جہنم کے عذاب سے نجات پانے کا بنیادی سبب توحید ہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَالَ: اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاَنَّ عِیْسٰی عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلَہٗ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقَاھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِنْہُ وَاَنَّ الْجَنَّۃَ حَقٌّ وَاَنَّ النَّارَ حَقٌّ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ عَلٰی مَا کَانَ مِنَ الْعَمَلِ۔))[متفق علیہ]

''جو اس بات کا قائل ہو جائے کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور کلمہ ہیں جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا تھا اور روح اللہ ہیں اور یہ کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے؛ تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کریں گے، خواہ اس کے اعمال کیسے بھی ہوں۔''

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

''بیشک جو انسان اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کرے اللہ تعالیٰ نے اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا ہے۔''[متفق علیہ]

۶۔توحید دنیاو آخرت کی تکالیف سے نجات کا سبب:

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' توحید اس کے دوستوں اور دشمنوں کو خوف سے نجات دلانے والی ہے۔'' الف: دشمنوں کے متعلق: پس توحید اللہ کے دشمنوں کو بھی دنیا کی تکالیف اور سختیوں سے نجات دلانے کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاِذَا رَکِبُوْا فِی الْفُلْکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ فَلَمَّا نَجّٰھُمْ اِلَی الْبَرِّ اِذَا ھُمْ یُشْرِکُوْنَ﴾[العنکبوت:۶۵]

''پس جب وہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے ؛ پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔'' ب: جہاں تک دوستوں کا تعلق ہے: تو انہیں دنیاو آخرت کی تکالیف اور سختیوں سے نجات دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کی سنت ہے۔ پس توحید جیسی کوئی چیز نہیں جس سے سختیوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ مصائب کی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کی توحید پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ یونس علیہ السلام کی دعا؛ جب کوئی بھی پریشان حال اس دعا کے ساتھ اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس توحید کے سبب اس کی پریشانیوں کا ازالہ کرتے ہیں۔

انسان کو پریشانیوں اور مشکلات سے دوچار کرنے والی سب سے بڑی مصیبت شرک کی بیماری ہے۔ اس سے نجات صرف توحید کی بدولت ہی ممکن ہے۔ توحید ہی تمام مخلوق کے لیے حقیقی پناہ گاہ اوران کے لیے مضبوط قلعہ اوران کی حقیقی مدد ہے۔

۷۔جنات اور انسانوں کے پیدا کرنے کی حکمت توحید:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾[الذاریات: ۵۶]

''اور میں نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

عبادت کے لئے:... یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید بجالانے کے لیے۔

پس جتنے بھی رسول بھیجے گئے، اور جتنی بھی کتابیں نازل کی گئیں اور جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریعتیں آئیں اور جتنی بھی مخلوقات پیدا کی گئیں ان سب کا مقصد یہ تھا کہ تمام مخلوقات کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ تعالیٰ کی توحید بجالائی جائے۔

[نوٹ]:...توحید کے جملہ فضائل وفوائد میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کے سامنے اسے نجات عطا کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:" قیامت کے دن پوری کائنات کے سامنے ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کے سامنے اُس کے ۹۹ دفتر[رجسٹر]برائیوں کے رکھ دیئے جائیں گے۔ ہر دفتر اتنا لمبا چوڑا ہو گا کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے... مگر اسے کہا جائے گا...: "تمہاری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے تم پر آج ظلم نہیں کیا جائے گا، اس کا ایک کاغذ کا پرزہ نکالا جائے گا جس پر لکھا ہو گا: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ''گناہ گار بندہ عرض کرے گا کہ یا اللہ اتنے بڑے بڑے دفتروں کے مقابلے میں ایک کاغذ کے پرزے کی کیا حیثیت ہے؟ جواب ملے گا کہ آج تجھ پر ذرہ بھر ظلم نہ ہو گا۔ چنانچہ وہ بڑے بڑے دفتر ترازو کے ایک پلڑے میں اور کاغذ کا وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں رکھ کر جب وزن کیا جائے گا تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کاغذ والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔"(ترمذی)۔

☆سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:(قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَابْنَ اٰدَمَ لَوْ اَتَيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْاَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَاَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً) " اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے ابن آدم! اگر تو میرے پاس گناہوں سے پوری زمین بھر کر لے آئے، پھر اس میں شرک نہ ہو تو میں اسی مقدار میں بخششیں تیرے پاس لے آؤں گا۔"(ترمذی)

☆سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے میرے رب! مجھے ایسی چیز بتا جس سے میں تیری یاد کروں اور تجھ سے دُعا کیا کروں۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا کر۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب: اسے تو تیرے سب بندے پڑھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! سوائے میرے اگر ساتوں آسمان اور ان کے باشندے اور ساتوں زمینیں، ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں صرف لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رکھ کر وزن کیا جائے تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ والا پلڑا بھاری ہو گا۔ اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

☆بخاری ومسلم میں سیدنا عِتبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''فَاِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ ''...'' جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کے عذاب کو حرام کر دیتا ہے۔"

لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا معنی ومفہوم

☆اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾[آل عمران:۱۸]

”اللہ تعالیٰ، فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عدل کو قائم رکھنے والا ہے، اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ [محمد:۱۹]

”سو (اے نبی) آپ یقین کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

☆اس کا معنی: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی معبود برحق نہیں۔

☆چند دوسرے باطل معانی:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ یہ معنی باطل ہے، اس لیے کے جس کی بھی بندگی کی جائے خواہ وہ حق ہو یا باطل؛ وہ معبود اور الہ ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خالق نہیں۔ یہ اس کے معنی کا ایک جزء ہے۔ لیکن مقصود یہ نہیں، اگر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا یہی معنی ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے مابین اختلاف نہ ہوتا، اس لیے کہ وہ تو اس چیز کا اقرار کرتے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی حاکمیت نہیں۔ یہ بھی اس کے معانی کا ایک جزء ہے، لیکن یہ کافی نہیں، اس سے مقصود حاصل نہیں ہو رہا، اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اکیلا حاکم مانا جائے اور اس کے ساتھ غیر کی بندگی بھی کی جائے تو توحید حاصل نہیں ہوتی۔

☆کلمہ کے ارکان: اس کے دو ارکان ہیں:

۱۔ تمام معبودوں کی نفی (لَآ اِلٰهَ) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے بھی معبودوں کی بندگی کی جاتی ہے ان سب کا انکار کیا جائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے لیے بندگی کا اثبات: (اِلَّا اللّٰهُ) عبادت کو صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ثابت کیا جائے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾

”جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا۔“[1][البقرہ: ۲۵۶]

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ﴾ یہ نفی ہے۔ ﴿وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ﴾ یہ اثبات ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰہِیۡمُ لِاَبِیۡہِ وَقَوۡمِہٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ۝ اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ فَاِنَّہٗ سَیَہۡدِیۡنِ﴾[الزخرف: ۲۶۔۲۷]

''اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں ان چیزوں سے بالکل بری ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا، پس بے شک وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا۔''

﴿اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ﴾ یہ نفی ہے۔ ﴿اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ﴾ یہ اثبات ہے۔* لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار انسان کو کب فائدہ دے گا:

۱۔ جب انسان اس کے معنی کو سمجھے۔

۲۔ جب اس کے مقتضی پر عمل کرے (غیر اللہ کی بندگی ترک کر کے صرف ایک اللہ کی بندگی کرے)

[1] کڑے سے مراد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی توحید ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من قال لا إله إلا الله وكفر بما يعبد من دون الله فقد حرم ماله ودمه وحسابه على الله عزو جل)) ''جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام معبودوں کا انکار کر لیا تو اس کا مال، اس کی جان، محفوظ ہے اور (قیامت میں) اس کا حساب اللہ کے ہاں ہوگا۔'' (مسلم)

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شروط

پہلی شرط:... ''علم، جو کہ جہالت کے منافی ہو۔''

دوسری شرط:... ''یقین، جو کہ شک کے منافی ہو۔''

تیسری شرط:... ''اخلاص، جو کہ شرک کے منافی ہو۔''

چوتھی شرط:... ''صدق، جو کہ جھوٹ کے منافی ہو۔''

پانچویں شرط:... '' محبت، جو کہ بغض کے منافی ہو۔''

چھٹی شرط:... ''سر تسلیم خم کرنا، جو کہ ترک کے منافی ہو۔''

ساتویں شرط:... ''قبول، جو کہ رد کے منافی ہو۔''

آٹھویں شرط:... ''غیر اللہ کا انکار۔''

ان شرائط کی تفصیل:

۱۔ علم:...اس کا معنی یہ ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے نفی واثبات کے معانی کا علم ہو۔[1]

[1]اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ علم اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور اکیلے ہی مستحق عبادت ہونے سے لاعلمی بندے کے قبول اسلام میں رکاوٹ ہے، اس لئے کسی بھی انسان پر اسلام قبول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور مستحق عبادت ہونے کا علم لازم ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:((مَنْ مَاتَ وَہُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔))جو اس حال میں مر گیا کہ وہ اس بات کا علم رکھتا تھا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے تو یہ آدمی جنت میں داخل ہوگا۔(مسلم) ابو مظفر وزیر کہتے ہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک گواہی ہے اور جو شخص کسی بات کی گواہی دے رہا ہو تو اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس بات سے واقف ہو جس بات کی گواہی دے رہا ہے، لہٰذا جو مسلمان لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار کر رہا ہے اسے اس شہادت اور گواہی کے بارے میں علم ہونا چاہیے اس لئے کہ اس کا حکم اللہ نے دیا ہے۔الوہیت صرف اسی کیلئے واجب ہے کوئی دوسرا اس کا حق نہیں رکھتا۔اس طرح اس کلمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ طاغوت کا انکار لازم ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان ضروری ہے جب کوئی انسان تمام مخلوق سے الوہیت کی نفی کر کے صرف اللہ کے لئے اسے ثابت کرتا ہے تو یہ کفر بالطاغوت اور ایمان باللہ ہے۔(الدار السنۃ۲؍۲۱۶) شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن ابابطین کہتے ہیں:اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿ہٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ[حاشیہ جاری ہے]

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہَ﴾[محمد:۱۹]

’’جان لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔‘‘[1]

۲۔ دوسری شرط یقین جو کہ شک کے منافی ہو:...اس کا معنی یہ ہے کہ: یہ کلمہ کہنے والے کو پختہ یقین ہو کہ معبود برحق صرف اور صرف ایک اللہ ہی ہے۔[2]اللہ تعالیٰ کا فرمان

---

[1]وَلِیُنْذَرُوْا بِہٖ وَلِیَعْلَمُوْا اَنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّکَّرَ اُوْلُوا الْاَلْبَابِ﴾(ابراہیم:۵۲)’’یہ لوگوں تک پہنچانا ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے(یہ انبیاء)لوگوں کو متنبہ کریں اور لوگ یہ جان لیں کہ وہ اکیلا معبود برحق ہے اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں۔‘‘ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے﴿وَلِیَعْلَمُوْا اَنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ﴾فرمایا ہے جس کا معنی ہے تاکہ وہ اللہ کی وحدانیت کا علم حاصل کریں، یہ نہیں فرمایا کہ﴿وَلِیَقُوْلُوْا اَنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ﴾وہ کہیں کہ وہ اللہ ہی اکیلا معبود ہے، یعنی صرف زبانی کہنا کافی نہیں ؛ بلکہ اس کا جاننا اور علم رکھنا ضروری ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا:﴿اِلَّا مَنْ شَہِدَ بِالْحَقِّ وَہُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾(الزخرف:۸۶)’’جس نے حق کی گواہی دی اور وہ اس کا علم بھی رکھتا ہو۔‘‘ علامہ ابن سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’علم میں دل کا اقرار ضروری ہے۔یعنی اس سے جس چیز کا مطالبہ کیا گیا ہے اسے کے معانی، مطالب جانتا ہو، اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل بھی کرتا ہو۔ اور یہ علم جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یعنی علم توحید؛ اس کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے۔ کوئی شخص اس سے مستثنیٰ نہیں۔‘‘ جب یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ ہر قسم کی عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، تو وہ عبادت کا کوئی کام کسی دوسرے کیلئے بجا نہ لائے۔ ارشاد ربانی ہے:﴿اِلَّا مَنْ شَہِدَ بِالْحَقِّ وَہُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾(الزخرف:۸۶)’’مگر جس نے حق بات کا اقرار کیا، اور اسے علم بھی ہو۔‘‘(شیخ بن سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’جس نے زبان سے گواہی دی؛ دل سے اقرار کیا ؛اور اس کے معنی و مفہوم کا علم حاصل کیا ؛ وہ شفاعت کا مستحق ہوگا۔‘‘یعنی جس بات کا زبان سے اقرار کر رہے ہیں اس کے بارے میں علم بھی ہو۔ علماء نے اس آیت اور اسی طرح کی دوسری آیات سے استدلال کیا ہے کہ انسان پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا واجب ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا علم حاصل کرنا بھی فرائض میں سے ہے اور اس کلمہ کے معنی سے لاعلمی سب سے

بڑی جہالت ہے۔ [2] یعنی توحید اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے معنی ومطلب کو سمجھنے کے بعد اس پر یقین رکھنا اس میں کسی قسم کا شک نہ کرنا اس بات پر دل سے یقین کرنا کہ اللہ ہی تمام قسم کی عبادات کا اکیلا مستحق ہے اس میں ذرا سا بھی شک یا تردد نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی یہی تعریف کی ہے اور انہیں اپنے دعویٰ ایمان میں سچا قرار دیا ہے۔ اس طرح ایک حدیث شریف میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں محمد اللہ کا رسول ہوں اور پھر اس گواہی میں شک نہیں کیا تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔'' (صحیح مسلم) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سچے ایمان کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ مومن کا ایمان ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہو۔ کیونکہ شک کرنا منافقین کی صفت ہے نہ کہ مومنین کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [حاشیہ جاری ہے]

ہے: [1] ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ [الحجرات:۱۵]

''بے شک مومن وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور پھر شک نہیں کیا اور اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہی لوگ سچے ہیں۔''

۳۔ تیسری شرط: ...اخلاص: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ

...] [1] بقیہ حاشیہ] ((أشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، لا يلقي الله بهما عبد غير شاكٍ فيهما دخل الجنة)) (مسلم) '' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں؛ اور میں (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کا رسول ہوں؛ یہ دو گواہیاں ایسی ہیں کہ جو انسان ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اسے ان کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہ ہو، تو وہ سیدھا جنت میں داخل ہوگا۔'' '' شک کے تین مراتب ہیں: ریب:...: دونوں متقابل چیزوں کے درمیان ایسے متردد ہونا کہ انسان اپنی مرضی سے ان میں سے کسی ایک کو دوسری پر ترجیح نہ دے سکے۔ تہمت:...: کسی پر اس کی براءت کا یقین ہو کر بھی ناحق الزام لگانے کو۔ مریہ:...: جب انسان دو متقابل چیزوں کے درمیان متردد ہو۔ لیکن کسی ایک کو اپنے نفس امارہ کی وجہ سے ترجیح بھی دے۔ عربی لغت میں ''ریب'' شک کے قریب تر معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں شک کے ساتھ بدگمانی یا وہم ہوتا ہے، اور پھر یہ وہم ختم بھی ہوجاتا ہے۔ اللباب فی علوم الکتاب ۱/ ۲۶۸؛ روح المعانی ۱/ ۱۰۶۔ علامہ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ریب'' کا معنی ہے: دل کی بے چینی اور اضطراب، قلق نفس۔ تفسیر نسفی ۱/ ۳۸۔ شک سے اتنی سختی کے ساتھ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ کھلم کھلا کفر اور اسلام دشمنی تک جتنے بھی گناہ ہیں ان کی اصل اور پیش خیمہ شک ہے۔ پہلے دل میں توحید اور دین حق کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، جو اسے راہِ حق سے بھٹکا دیتے ہیں۔ حقیقت میں گمراہی کے یہ چار درجے ہدایت کے چار درجوں کے مقابلہ میں آتے ہیں: ا:... شک: جس کا بیان گزر چکا؛ یہ انابت اور رجوع الی اللہ کے مقابلہ میں آتا ہے۔ ب:... ضلالت: جب توحید اور دین حق سے متعلق شکوک وشبہات کا ازالہ نہ کیا جائے تو پھر انسان گمراہی کا شکار ہوجاتا ہے، اور راہِ حق چھوڑ کر راہ باطل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ درجہ ہدایت کے مقابلہ میں ہے۔ ج:... جدال: گمراہ شخص اپنے باطل عقائد ونظریات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اہل حق سے جھگڑا ورمجادلہ کرتا ہے، اور حق بات کو جھٹلاتا اور رد کرتا ہے۔ یہ درجہ استقامت کے مقابلہ میں ہے۔ [حاشیہ جاری ہے]

[1] کے لئے خالص ہو اور کسی بھی قسم کی عبادت کو غیر اللہ کے لئے نہ بجالائے۔ [2]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ﴾ [البینہ:۵]

''انہیں صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے یکسو ہو کر۔'' ۴۔چوتھی شرط: صدق جو کذب کے منافی ہو:...یعنی کلمہ توحید کے اقرار میں انسان سچا ہو، اس کی زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق میں مطابقت ہونی چاہیے۔فرمان الٰہی ہے:

[1]گزشتہ حاشیہ]د:... مہر جباریت:(دل پہ مہر): یہ درجہ ربط قلب کے مقابلہ میں آتا ہے۔ جب آدمی حق کے مقابلہ میں جھگڑا کرتا ہے اور تمام عقلی ونقلی دلائل سے راہ حق واضح ہو جانے کے بعد اس کو نہیں مانتا؛ اور ضد وعناد پر ڈٹا رہتا ہے، تواس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے؛ پھر کفر ونفاق دل سے باہر نہیں نکل سکتا، اور حق بات دل میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اس انسان سے ہدایت کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور کو ایک آیت میں بیان کیا ہے ؛ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جَاءَ كُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَاءَ كُمْ بِهِ حَتَّى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُوْلًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ ٥ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ آيَاتِ اللهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللهُ عَلَى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾[غافر: ۳۴ ۳۵]'' اور اس سے پہلے یوسف علیہ السلام تمہارے پاس کھلے دلائل لے کر آئے، مگر تم پھر بھی ان کی لائی ہوئی دلیل میں شک وشبہ ہی کرتے رہے؛ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو کہنے لگے: ان کے بعد تو اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا ؛ ایسے ہی اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھ جانے والا اور شک و شبہ کرنے والا ہو۔ وہ لوگ جو بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں ؛ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ تو بہت بڑی بیزاری کی چیز ہے ؛ اللہ تعالیٰ ایسے ہی ہر ایک مغرور سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔'' یعنی ایسا یقین جس کیساتھ انسان کے دل میں کوئی بے چینی، اضطراب، قلق، اور وہم یا بد گمانی دین اسلام یا شریعت محمدیہ کے متعلق باقی نہ رہے؛ اس معاملہ میں زیادہ تفصیل بیان کرنے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ موجودہ دور میں ہر طرف سے دین اسلام پر انگلیاں اٹھائی جارہی ہیں، ان حالات میں ایک عام مسلم نوجوان شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور یہی شک ہر فتنہ کی اصل بنیاد اور کفر کے درجہ تک پہنچا دینے والی چیز ہے۔ [2] اس طرح اخلاص کا معنی یہ بھی ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کسی اور کی خاطر کسی اور کی خوشنودی کے لئے نہ ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:((فَإِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِيْ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ۔))''اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام کر دیا ہے اس شخص کو جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ صرف اللہ کی رضا مندی کے لئے کہتا ہے۔''(بخاری و مسلم)دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا:((أسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خالصا مخلصا من قلبه))۔''روز قیامت میری شفاعت[حاشیہ جاری ہے]

﴿الٓمّٓ ٥ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ٥ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ﴾[العنکبوت: ۱تا۳][1]

''الم۔ کیا لوگوں نے گمان کیا ہے کہ وہ اسی پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہہ دیں ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔ حالانکہ بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کی بھی آزمائش کی جو ان سے پہلے تھے، سو اللہ تعالیٰ ہر صورت ان لوگوں کو جان لے گا جنھوں نے سچ کہا اور ان لوگوں کو بھی ہر صورت جان لے گا جو جھوٹے ہیں۔''[2]

[[1]بقیہ حاشیہ]اس خوش نصیب کو حاصل ہوگی جس نے دل کے اخلاص کیساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہوگا۔''(بخاری) یعنی ایسا ایمان و عمل جس میں شرک کی آمیزش بلکہ شائبہ تک نہ ہو۔اور کلمہ کے تقاضوں کے مطابق عمل ہو۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کا اقرار کرتا ہے؛ اسی طرح غیر اللہ سے براءت کا اظہار بھی کرے۔ اور یہی حقیقی معنی اور روح ہے''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے اقرار کی ؛ اسی وجہ سے اس کلمہ کو کلمۂ اخلاص بھی کہتے ہیں۔ شرعی معنی کی رو سے ہر عبادت کے کام کو ہر قسم کے شرک اور ریاکاری سے بچاتے ہوئے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنا؛فرمان الٰہی ہے:﴿إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ ٥ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾(الزمر:۲،۳) ''(اے پیغمبر!) ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو(یعنی) اس کی عبادت کو(شرک سے) خالص کر کے۔دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے(زیبا ہے)۔'' حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: '' یعنی تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو جو اکیلا ہے، اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دو۔انہیں آگاہ کر دو کہ عبادت کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے ؛ نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی ہمسر؛ اس کے ہاں صرف اخلاص کی بنیاد پر کی جانے والی عبادت ہی قبول ہے۔''(تفسیر ابن کثیر:۴/۴۹) یہی تعلیم ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال میں ملتی ہے ؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: '' میں تمام شریکوں کے شرک سے بے نیاز ہوں اور جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس میں وہ میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔''(مسلم) [2] مطلب کو سمجھ کر یقین کے ساتھ تابعداری کرنے کیساتھ ساتھ ضروری ہے کہ ان امور میں انسان سچائی سے کام لے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((مَا مِنْ اَحَدٍ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَادِقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ۔)) ''جو شخص نے اللہ کی وحدانیت محمد کی رسالت و عبدیت کا اقرار دل کی سچائی سے کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جہنم پر حرام کر دیا ہے۔''(متفق علیہ)[حاشیہ جاری ہے]

[1]۵۔پانچویں شرط: محبت جو بغض کے منافی ہو:... اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ اس کلمہ کا اقرار کریں تو دل سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؛اس کلمہ اوراس کے معانی ومدلول سے محبت کرتے ہوں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ﴾(البقرة:١٦٥)

''کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ معبود بناتے ہیں ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنی چاہیے اور ایمان والے اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔''[2]

[[1]بقیہ حاشیہ]ایک اور مقام پر فرمایا ہے:((مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ صَادِقًا مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔))(مسند احمد) ''جس نے سچے دل سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔'' مگر جو شخص زبان سے اقرار کرتا ہے مگر دل سے کلمہ کے مطالب سے انکاری ہے تو فقط زبانی اقرار کا کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا ہے ؛ وہ کہتے ہیں:((نشهد انک لرسول الله)) ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ﴾(المنافقون:١) ''اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔''اسی طرح ایک اور آیت میں بھی اللہ نے ایسے لوگوں کی تکذیب کی ہے ؛فرمایا:﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾(البقرہ:٨) ''کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔'' [2] اس کلمہ کی[اور اس کی روشنی میں توحید الٰہی کی]محبت دل میں اتنی ہو جو ہر نفرت کو فنا کر دے اور انسان توحید ربانی کی خاطر اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو۔منافقین کی طرح نہ ہو جو زبان سے تو اس کا اقرار کرتے ہیں مگر دل میں یقین نہیں رکھتے۔ مشرکین مکہ کی طرح بھی نہ بنے کہ کلمہ کا معنی و مفہوم تو سمجھتے تھے مگر اس کلمہ کو قبول نہیں کرتے تھے۔ نیز اس کلمہ کے تقاضوں کی روشنی میں ایسی اطاعت کرے جو کہ صحیح اسلام کے لئے لازم و ضروری ہے۔ جو شخص ان باتوں پر یقین کرے اور ان پر عمل کر لے تو وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معانی و مطالب کو سمجھنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہیں کرے گا اور پھر وہ دین پر عمل علی وجہ البصیرت کرے گا دین پر ثابت قدم رہے گا اور کبھی سیدھی راہ سے بھٹکے گا نہیں۔(ان شاء اللہ)(الدرء السینة کتاب التوحید 255/2)۔ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ اس کلمہ کے معنی اور مطالب کی محبت دل میں پیوستہ ہو۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر ایک چیز پر غالب اور ہر ایک محبت سے زیادہ ہو۔ اوران لوگوں سے بھی محبت ہو جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر کاربند اور اس کے تقاضوں کو پورے کرنے والے ہوں۔ غرض کہ محبت اور نفرت، دوستی اور دشمنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے معیار پر قائم کی جائے۔

٦۔چھٹی شرط:...تابعداری:اس کا معنی یہ ہے کہ صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے اور اس کی شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے،اوراس شریعت کے برحق ہونے کا اعتقاد رکھا جائے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَاَنِيْبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ﴾(الزمر:٥٤)

''اور اپنے رب کی طرف پلٹ آؤاور اس کے مطیع ہو جاؤ۔''[1]

٧۔ساتویں شرط:... قبول جو انکار کے منافی ہو:یعنی توحید اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے معنی کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اسے ؛اور جن معانی پر یہ کلمہ دلالت کرتا ہے انہیں بھی قبول کرے۔اور عبادات کو صرف اللہ کے لیے خاص کرے اور غیر اللہ کی عبادت ترک کردے۔[2]

فرمان الٰہی ہے:

: [1] علامہ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف جلدی رجوع کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَأَنِيبُوْا إِلَى رَبِّكُمْ﴾ سے مراد اپنے دلوں کے ساتھ رجوع ہے۔ اور ﴿وَأَسْلِمُوْا لَهُ﴾: سے مراد اپنے باقی اعضاء سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے۔ کیونکہ جب انابت کے ساتھ اسلام کا ذکر بھی ہو تو اس سے مراد دل و اعضاء سے رجوع کرنا ہوتا ہے۔ یعنی ظاہری اور باطنی طور پر انسان کامل اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے احکام شریعت کی پیروی کرے۔ نیک اعمال میں جلدی کرنا انابت إلی اللہ کا حصہ اور اس کا مظہر ہے۔ اور یہی انسان کے بہترین اور اچھے مسلمان ہونے کی نشانی ہے، جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِيْناً مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفاً﴾ ''اور اُس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکمِ الٰہی کو قبول کیا اور وہ نیکوکار بھی ہے اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو مسلمان تھے۔'' [2] یعنی جب مشرکین کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے اقرار اور باقی معبودوں کے انکار کی دعوت دی جاتی تو وہ کلمہ توحید اور اس کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں غرور اور تکبر سے کام لیتے، اور اس کی بات کو ماننے سے انکار کر دیتے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر الٹے سیدھے الزام لگاتے اور تکلیف دیتے۔ مشرکین کا یہ طرز عمل ان کی سب سے بڑی بد بختی تھی جس کی وجہ سے خود انہیں بھی حق بات قبول کرنے کی توفیق نہ ہوتی اور نہ ہی وہ اپنے ماتحت اور زیر اثر لوگوں کو اسلام قبول کرنے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام تر الزامات کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ﴿بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ ''بلکہ وہ حق لے کر آئے ہیں اور پہلے انبیاء کی تصدیق کی ہے۔'' اور نبی صفاتِ حمیدہ کے حامل درست منہج کے داعی سچے مخبر اور واجب الاتباع والایمان ہوتے ہیں۔ ان کی بات نہ ماننا بڑی بد بختی اور شقاوت ہی شقاوت ہے ؛ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾ (البقرہ: ۱۳۶) ''تم کہو: ہم االلہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اور اس چیز پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی ہے۔'' (یعنی قرآن) اور جو اس کے باوجود ایمان نہ لائے اور آپ کے لائے ہوئے منہج اور شریعت کو قبول نہ کرے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کوئی نقصان نہیں دے سکتا مگر اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کر کے اپنے آپ کو انتہائی سخت بدبختی اور شقاوت سے دو چار کر رہا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظَّالِمِيْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ [الانعام: ۳۳] '' سو وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے، لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔''

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ. وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ﴾ [الصافات: ۳۵]

''جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے تو یہ لوگ تکبر کرتے تھے (کہتے تھے) کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے قول پر اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں؟''

۸۔ آٹھویں شرط:... اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام معبودوں کا انکار: یعنی کہ غیر اللہ کی عبادت سے برأت کا اظہار کیا جائے اور اس کے باطل ہونے کا عقیدہ رکھا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: [1]

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾

''جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا۔''

[1] اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی پوجا کی جاتی ہو، (اور وہ اس پوجا پر راضی ہوں) وہ طاغوت ہیں ؛ ان سب کا انکار کرنا، اور ان سے بغض ونفرت رکھنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے سینے میں دو دل کبھی نہیں پیدا کیے ؛ ایسا نہیں ہو سکتا کہ غیر اللہ کی بھی عبادت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی بھی۔ غیر اللہ کی عبادت کے ساتھ جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگی وہ سب کی سب ضائع اور بے فائدہ ہے۔ اس شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان تمام اعمال کو اکارت کر دیں گے، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ أَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الانعام: ۸۸) '' یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس پر چلاتا ہے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔'' صحیح مسلم میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَكَفَرَ بِمَا يَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَرَّمَ مَالُهُ وَدَمُهُ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔)) ''جو شخص یہ کہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام معبودان باطلہ کا انکار کرے تو اس کا جان و مال سب حرام ہو گیا اور اس کا حساب اللہ عزوجل کے سپرد ہے۔''

شہادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾[التوبہ: ۱۲۸]

''تمہارے پاس ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہیں سے ہیں تمہارے نقصان کی بات ان پر نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہارے فائدے کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں ایمانداروں کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ﴾[المنافقون:۱]

'' اوراللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ بلاشبہ آپ یقینااس کے رسول ہیں۔''

اس کا معنی: ... صمیم قلب سے اعتقاداور پختہ تصدیق جس کے ساتھ زبان کا اقرار بھی شامل ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام ثقلین جن وانس کی طرف مبعوث کیا ہے۔

اس شہادت کے ارکان:... اس کے دو ارکان ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾[الفتح:۲۹]

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔''

۲۔ یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں: اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اشرف ترین مقامات پر آپ کی صفت بندگی بیان کی ہے۔ ان میں سے ایک مقام دعوت کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾[الجن:۱۹]

''اور جب اللہ کا بندہ اللہ [1] کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کو تیار ہوگئے۔'' پس آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، آپ کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، آپ کی بندگی نہیں کی جاسکتی۔

اس کی شرائط وتقاضے:

اس کی چار شرائط ہیں:

۱۔ جو بات آپ نے بتائی ہے اس کی تصدیق کرنا۔

۲۔ حکم میں آپ کی تعمیل کرنا۔

۳۔ آپ کے منع کردہ اُمور سے مکمل اجتناب کرنا۔

۴۔ آپ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اللہ کی بندگی کرنا۔

[1] اللہ کے بندہ [عبداللہ] سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ انس و جن مل کر چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے رجوع کرنا قرار دیا ہے۔ یعنی جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو قرآن سنانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو مسلمان بھی آپ کی طرف دوڑے آتے ہیں اور کافر بھی۔ اگرچہ دونوں کے آنے اور ہجوم کرنے کا مقصد الگ الگ اور ایک دوسرے کے برعکس ہوتا ہے۔ مسلمان ہدایت کے طالب ہیں اس لیے وہ فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑتے ہیں اور کافر یہ چاہتے ہیں کہ وہاں شور شرابا کرکے قرآن کی آواز لوگوں کے کانوں میں نہ پڑنے دیں یا اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظریں جما کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھور گھار کر اتنا مرعوب کر دیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سنانا بند کر دیں یا پھر اس لیے سننے آجاتے ہیں کہ کوئی ایسا نکتہ ہاتھ آجائے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کیا جاسکے یا مذاق اڑایا جاسکے۔

شرک کی تاریخ

بنی آدم میں اصل چیز توحید ہے؛ جب کہ شرک بعد میں داخل ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام تک دس صدیوں کا عرصہ تھا۔ یہ سب لوگ توحید پر تھے۔''

روئے زمین پر اولین شرک کا ظہور:

نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے صالحین کی شان میں غلو سے کام لیا؛ اوران کی تصاویر بنا کر رکھ لیں۔ پھر اللہ کو چھوڑ کر ان کی ہی عبادت کرنے لگ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی طرف نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو انہیں توحید کی دعوت دیا کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں شرک:

ان لوگوں میں اس وقت شرک پیدا ہوا جب انہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کی۔

عیسائیوں میں شرک:

ان میں عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد شرک اس وقت شروع ہوا جب پولس آیا، اوراس نے دھوکا بازی اور منافقت سے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان کا اظہار کیا اور عیسائیوں کے دین میں بگاڑ پیدا کرنے کے لیے عقیدہ تثلیث اور صلیب پرستی کے ساتھ ساتھ صنم پرستی بھی داخل کر دی۔

اہل عرب میں شرک:

ان لوگوں میں شرک اس وقت شروع ہوا جب عمرو بن لحی خزاعی نے ابراہیم علیہ السلام کے دین میں بگاڑ پیدا کیا۔ اور باہر سے بت لا کر ارض حجاز میں پہنچائے اور لوگوں کو ان کی عبادتکرنے کا حکم دیا۔

امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں شرک:

اس امت میں چوتھی صدی ہجری کے بعد فاطمی شیعہ کے ہاتھوں پر اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے قبروں پر درگاہیں بنالیں اور میلاد کی بدعت ایجاد کی اور صالحین کی شان میں غلو کیا۔

اور ایسے ہی اس شرکیہ کام میں بگڑی ہوئی صوفیت [صوفیا] کا بھی بڑا دخل ہے، جو تصوف کے مختلف سلسلوں کی طرف منسوب ہیں۔ [اور اولیاء کی شان میں غلو کرتے ہیں]

شرک کا معنی اور اس کی اقسام

شرک کا معنی:

لغت میں:... اشتراک اور برابری کرنے (اور ساتھ ملانے) کو کہتے ہیں۔

شریعت میں:... اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں غیر اللہ کو اس کے ساتھ برابر کرنا۔

شرک کی اقسام:

۱۔ شرک اکبر:... ہر وہ امر جسے شارع نے شرک کہا ہو، اور جس سے انسان کا دین سے خروج لازم آتا ہو۔

۲۔ شرک اصغر:... ہر وہ قولی یا فعلی عمل جس پر شرک یا کفر کا اطلاق شریعت میں ثابت ہو، لیکن دلائل کی روشنی میں ثابت ہوتا ہو کہ ایسا انسان دین سے خارج نہیں ہوتا۔

شرک اکبر اور شرک اصغر میں فرق:

شرک اکبر اور شرک اصغر کی وضاحت اس نقشہ کی مدد سے کی جاتی ہے:

شرک اکبر شرک اصغر

انسان کو دین اسلام سے خارج کر دیتا ہے دین سے خارج نہیں کرتا۔

شرک اکبر کرنے والا دائمی جہنمی ہے۔ اگر جہنم میں چلا گیا تو ہمیشہ نہیں رہے گا۔

اس سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ تمام اعمال ضائع نہیں ہوتے؛ صرف وہی عمل ضائع ہوتا ہے جس میں شرک کی آمیزش ہوئی ہو اس کی وجہ سے خون اور مال مباح ہو جاتا ہے۔ خون ومال مباح نہیں ہوتا۔

شرک اکبر کی اقسام:

شرک اکبر کی چار اقسام ہیں:

پہلی قسم:... دعاء میں شرک: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿فَإِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ﴾ [العنکبوت:٦٥]

''پس جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں، اس کے لئے عبادت کو خالص کر کے؛ پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔''

دوسری قسم:... نیت وارادہ اور قصد میں شرک: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ٥ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥﴾ [ھود١٥۔١٦]

"جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہے تو ہم ایسے لوگوں کو دنیا میں ہی ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے دیتے ہیں اور وہ دنیا میں گھاٹے میں نہیں رہتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا آخرت میں آگ کے سوا کچھ حصہ نہیں۔ جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا وہ برباد ہو جائے گا اور جو عمل کرتے رہے وہ بھی بے سود ہونگے"۔

تیسری قسم:... اطاعت میں شرک: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَہُمْ وَرُہْبَانَہُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰـہًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ سُبْحٰنَہٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ﴾ [التوبۃ:۳۱]

"ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا اور مریم کے بیٹے مسیح کو؛ حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔" اس آیت کی وہ تفسیر جس میں کوئی اشکال نہیں، وہ یہ ہے کہ:

"گناہ کے کاموں میں علماء وعباد کی اطاعت۔ نہ یہ کہ انہیں پکارا جانا[اور ان سے حاجات طلب کرنا]۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر سیّدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے سامنے فرمائی؛ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ گناہ کے کاموں میں ان کی اطاعت کرنا ہی ان کی عبادت تھی۔" [1]

چوتھی قسم:... محبت میں شرک: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَہُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ﴾[التوبۃ:۳۱]

"بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں، جیسی محبت اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیے۔"

[1]شرک کی اقسام بیان ہو چکیں۔ شرک اکبر کی وجہ سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ؛غیر اللہ کو سجدہ کرنا؛غیر اللہ کو اپنا خالق ومالک جاننا. یہ سب شرک اکبر ہے۔ ایسے ہی غیر اللہ سے دعا مانگنا ؛ انہیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا. ان کے نام کے چڑھاوے چڑھانا ؛ نذر نیازیں دینا سب امور شرک میں سے ہیں۔ بعض علماء نے شرک اکبر کی بذیل مزید اقسام بیان کی ہیں۔ ا:...شرک فی العلم :یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ظاہری چیزوں کی حقیقت دریافت کرنا بندوں کے اختیار میں دیا ہے.یعنی جب کسی انسان کا دل چاہتا ہے کہ کسی چیز کا ذائقہ دریافت کرے، وہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح جب چاہیں غیب کی کوئی بات دریافت کر لیں ؛تو ایسا نہیں کر سکتا؛اس لیے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے۔[حاشیہ جاری ہے]

[بقیہ حاشیہ]اللہ تعالیٰ نے کسی نبی ولی، کسی جن اور فرشتہ اور کسی امام اور بڑے کو یہ طاقت نہیں بخشی کہ وہ جب چاہیں غیب کی خبر معلوم کر لیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ سے جب اور جس کو جتنا چاہتا ہے اسے اتنا بتا دیتا ہے۔ اس پر کسی اور کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَعِنْدَہٗ مَفَاتِیْحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُہَآ اِلَّا ہُوَ﴾ [الانعام :۵]" اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں؛ اس کے علاوہ اسے کوئی نہیں جانتا۔" اور فرمایا: ﴿اِنَّ

اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَداً وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ [لقمان: ۳۴] '' بے شک اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کی خبر، اور وہی بارش برساتا ہے، اور جانتا ہے جو کچھ مادہ کے پیٹ میں ہے۔ کوئی جی یہ نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا، اور نہ ہی کوئی جی یہ بات جانتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والے اور خبر دار ہیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ((مَنْ اَخْبَرَکَ اَنَّ مُحَمَّدًا يَعْلَمُ الْخَمْسَ الَّتِيْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ، فَقَدْ اَعْظَمَ الْفِرْيَةَ۔)) (بخاری) ''جس نے تجھے یہ خبر دی کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ پانچ باتیں جانتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی کے پاس ہے قیامت کا علم، سو اس نے بہت بڑا بہتان گھڑا۔'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ غیب جاننے اور کشف کا دعویٰ کرتے ہیں، اور کوئی فال وغیرہ نکال کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اس طرح کسی کی جگہ کے جھوٹے اور خلاف شرع استخارے اپنے بنائے ہوئے طریقہ کے مطابق کرنا، یہ سب دھوکہ بازی اور سادہ لوح اور مخلص عوام کے ایمان پر ڈاکہ زنی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ ایسے ایمان کے ڈاکوؤں سے بچ کر رہیں۔ ان لوگوں کے پاس شیطان ہوتے ہیں جو ان کو آسمانی خبریں چرا کر بتاتے ہیں؛ اور پھر یہ ایک سچ میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں کو بتاتے اور گمراہ کرتے ہیں۔ اور سادہ عوام جب ایک سچ بات سنتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ باقی بھی سچ ہوگا؛ اور یہ پیر بڑا ہی غیب جاننے والا ہے۔ حالانکہ اس شیطان نے یہ سب کچھ شیطان سے سیکھ کر بتایا ہوتا ہے۔ علماء نے غیب کی تعریف میں لکھا ہے کہ: '' غیب وہ ہے جو حواس خمسہ سے براہ راست یا کسی مدد کے ذریعے معلوم نہ ہوسکے۔'' مثلاً رحم کے اندر الٹراسون کے ذریعہ دیکھ لینا کہ یہ بچہ ہے یا بچی، یہ غیب نہیں، کیونکہ حواس خمسہ سے اس کا علم حاصل ہو رہا ہے۔ غیب یہ ہے کہ اس بات کا پتہ چلایا جائے کہ یہ ہونے والا بچہ یا بچی بدبخت ہیں، یا نیک بخت۔ ان کی عمر کتنی ہوگی، اور ان کو روزی کہاں سے ملے گی؟'' یہ غیب ہے اور اس کی خبر کوئی نہیں لگا سکتا۔ ب:... تصرف میں شرک: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ o سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَأَنّٰى تُسْحَرُوْنَ﴾ [المومنون: ۸۸، ۸۹] '' آپ ان سے پوچھئے: وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی بادشاہی ہے، اور وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اسے پناہ نہیں دے سکتا اگر تم یہ چیز جانتے ہو؟ وہ ضرور کہیں گے اللہ، پھر آپ پوچھیں: تم کہاں سحر زدہ ہوئے بھٹکتے ہو۔'' کائنات میں تصرف واختیار کرنا، حکم چلانا، اپنی مرضی سے مارنا اور زندہ کرنا۔ فراخی اور تنگی اور بیماری وصحت، فتح وشکست، اقبال وادبار، مرادیں پوری کرنا بلائیں ٹالنا، اور مشکل اوقات میں مدد کرنا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ ج:... عبادت میں شرک: وہ کام جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں جن کے کرنے سے اللہ تعالیٰ [حاشیہ جاری ہے]

[بقیہ حاشیہ] راضی ہوتے ہیں اور ان افعال کے کیے جانے کو پسند کرتے ہیں؛ ان کو عبادات کہتے ہے۔ جیسے سجدہ کرنا، رکوع کرنا اور ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کھڑا ہونا اس کے نام کا روزہ رکھنا، مشکل میں پکارنا اس کے گھر کی طرف چل کر جانا یہ سب امور عبادت اور اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں؛ ان کا کسی اور کے لیے کرنا شرک ہے۔ توحید الوہیت کی دعوت تمام انبیاء نے دی ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ [النحل: ۳۶] '' اور تحقیق ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچ کر رہو۔'' اور ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ [الانبیاء: ۲۵] '' اور ہم نے آپ سے پہلے

کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف وحی کرتے تھے کہ بے شک میرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے پس میری ہی بندگی کرو۔" د:...روزمرہ کے کاموں میں شرک: جیسا کہ مصیبت کے وقت غیر اللہ کی نذر ماننا، کام شروع کرتے وقت کسی غیر اللہ کا نام لینا اور اس سے مدد چاہنا، اس کے نام کے جانور ذبح کرنا، اپنے بچوں کے نام غیر اللہ کے نام پر رکھنا، جیسے غوث بخش، پیر بخش؛ حسین بخش؛ عنایت بخش؛ عنایت حسین اور عنایت علی وغیرہ۔ اور ایسے ہی غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھانا جیسے یہ کہنا کہ: تمہارے سر کی قسم، یا تمہارے باپ کی قسم وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ اَوْ اَشْرَكَ۔))[صحیح/حاکم] " جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے کفر کیا، بلکہ شرک کیا۔" ایسے ہی مختلف پیروں کے نام کے کھانے پکانا مختلف قبروں اور مزاروں پر جھنڈے چڑھانا۔ نجومی، جادوگر اور فال نکالنے والوں کے پاس جانا اور ان کی باتوں پر یقین کرنا، اللہ تعالیٰ کے ہاں نام نہاد پیروں کو سفارشی بنانا یہ سب امور شرک میں سے ہیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے: یعنی یہ اعتقاد اور شعور کہ ہمارے حالات جاننے، اور ان میں بااختیار خود تصرف کرنے میں ہمارے معبود (اللہ جل شانہ) کا مافوق الاسباب غیبی قبضہ ہے۔ اور اسی اعتقاد کے تحت اپنے معبود کو پکارا جائے، اور اس کی حمد وثنا کی جائے، نذر ونیاز اور رکوع اور سجود سے اس کی تعظیم بجالائی جائے، تو یہ سب کچھ عبادت ہے۔"(مدارج السالکین ۱۴۰)اور عبادت کا کوئی بھی کام غیر اللہ کے لیے کرنا شرک ہے۔

شرک اکبر اور شرک اصغر کی مثالیں

شرک اکبر کی مثالیں:

ا: شرک اکبر جلی:... غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا، غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا، اور غیر للہ سے مدد مانگنا۔

ب: شرک اکبر خفی:... جیسے منافقین کا شرک اور ریاکاری، مثلاً: دل میں غیر اللہ کا خوف یعنی ایسی بات پر خوف رکھنا جس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی قادر نہیں۔

شرک اصغر کی مثالیں:

ا: شرک اصغر جلی:... غیر اللہ کی قسم اٹھانا، اور یہ کہنا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور تم چاہو۔ اور یہ کہنا: اگر اللہ تعالیٰ اور تم نہ ہوتے۔"

ب: شرک اصغر خفی: ... جیسے معمولی قسم کی ریاکاری۔ اور پرندوں سے فال نکالنا۔

شرک سے بچنے کی مفید دعا:

سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اے لوگو! شرک سے بچ کر رہو، بے شک یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ مخفی ہوتا ہے۔" پھر ایک انسان نے آپ سے عرض کیا: " یارسول اللہ! جب یہ چیونٹی کی چال سے زیادہ مخفی ہے تو ہم اس سے کیسے بچ سکتے ہیں

؟۔تو آپ نے فرمایا: " تم یوں کہا کرو: ((اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِکَ مِنْ أَنْ أُشْرِکُ بِکَ شَیْئًا نَعْلَمُہٗ وَنَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا نَعْلَمُہٗ۔))[رواہ أحمد]

"اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں کہ ہم جانتے ہوئے تیرے ساتھ شرک کا ارتکاب کریں، اور اس جس چیز کو ہم نہیں جانتے اس پر تیری مغفرت کے طلب گار ہیں۔"

شرک کا خطرہ اور سزا

۱:... اگر شرک کا مرتکب توبہ کے بغیر مر جائے تو اس کی مغفرت نہیں ہو گی۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ [النساء:۱۱۶]

"یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔"

۲:... مشرک انسان ملت اسلام سے خارج اور مباح الدم والمال ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ وَخُذُوْھُمْ وَ احْصُرُوْھُمْ وَ اقْعُدُوْا لَھُمْ کُلَّ مَرْصَدٍ﴾[التوبۃ:۵]

"پھر حرمت والے مہینوں کے گزرتے ہی مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، انہیں گرفتار کرو، ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھاٹی میں جا بیٹھو۔"

۳:... اللہ تعالیٰ مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں کرتے اور اس کے سابقہ نیک اعمال بھی برباد کر دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ہَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾[الفرقان:۲۳]

"اور انہوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا۔"

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ اُوحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ﴾[الزمر:۶۵]

"یقیناً آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے انبیاء کی طرف بھی وحی کی گئی کہ اگر آپ نے بھی شرک کیا تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا اور یقیناً آپ زیاں کاروں میں سے ہو جائیں گے۔"

۴:... مشرک انسان پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا ہے، اور اس کا ٹھکانا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں ہو گا [اور اسے کسی کی کوئی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آئے گی؛ کیونکہ حصول شفاعت کے لیے توحید بنیادی شرط ہے]۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّہٗ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ الۡجَنَّۃَ وَ مَاۡوٰىہُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ﴾ [المائدۃ:۷۲]

''یقین مانو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور گناہ گاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔''

نواقض اسلام

نواقض [ناقض کی جمع ہے؛ ناقض] کہتے ہیں کسی عمل کو خراب، فاسد، باطل کرنے والے قول اور عمل کو۔ یہ امور بہت زیادہ ہیں۔ لیکن ان میں سے زیادہ خطرناک اور کثیر الوقوع دس چیزیں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ کیساتھ شرک کرنا: شرک میں سے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا بھی ہے، جیسے کسی قبر پر ذبح کرنا یا پھر جنات [یا شیاطین] کے لیے ذبح کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ﴾

''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس سے کم گناہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔'' [النساء: ۱۱۶]

۲۔ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے بنانا ان کو سفارشی بنانا ان پر بھروسا کرنا۔ [1]

[1] اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہُمۡ وَلَا یَنۡفَعُہُمۡ وَ یَقُوۡلُوۡنَ ہٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ﴾ [یونس:۱۸] ''یہ لوگ اللہ کے علاوہ ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کو نقصان دے سکتے ہیں نہ فائدہ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں''۔ یہی حال و حکم ان لوگوں کا بھی ہے جو قبروں اور مزارات پر حاضریاں دیتے ہیں، وہاں وہ عبادات بجالاتے ہیں جو صرف اللہ کے لئے لائق ہیں جیسے دعا، نذر، ذبح و فریاد کرنا، قبروں کے گرد طواف کرنا؛ یہ سب کام وہ اس امید پر کرتے ہیں کہ یہ قبروں اور مزاروں والے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ موجودہ دور میں سب سے زیادہ واقع ہونے والا اور سب سے زیادہ خطرناک اسلام کا مخالف اور ناقض فعل یہی ہے۔ کیونکہ اسلام کے بہت سے نام لیواؤں نے جو اسلام کی اصل حقیقت سے واقف نہیں ہیں اپنے اور اپنے رب کے درمیان بہت سے وسیلے اور ذریعے بنا رکھے ہیں۔ یہ لوگ اپنے فاسد خیالات و نظریات کی وجہ سے براہ راست اللہ تعالیٰ کو نہیں پکارتے بلکہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے کوئی وسیلہ اور زینہ بنانا بہت ضروری ہے، جیسا کہ دنیا کے کسی بادشاہ کے پاس جا کر براہ راست سوال نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ تو ان بادشاہوں سے بڑھ کر ہے اس کو براہِ راست کیسے پکارا جائے؟ جب کہ وہ یہ کہہ کر اللہ کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔ کیونکہ نعوذ باللہ اس طرح کہہ کر انہوں نے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کمزور و ناتواں مخلوق سے مشابہ و مثل کر دیا ہے۔ ان کے متعلق ارشادِ الٰہی ہے: [جاری ہے]

[1] .... ———————] [1] بقیہ حاشیہ] ﴿قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ۚ لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَمَا لَہُمۡ فِیۡہِمَا مِنۡ شِرۡکٍ وَّمَا لَہٗ مِنۡہُمۡ مِّنۡ ظَہِیۡرٍ ٥ وَلَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَۃُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَہٗ﴾ [سبا: ۲۲-۲۳] ''فرما دیجئے کہ اللہ کے سوا جن کا

تمھیں گمان ہے سب کو پکار لو نہ ان میں سے کسی کو آسمانوں اور زمینوں میں سے ایک ذرہ کا اختیار ہے اور نہ ہی اس میں ان کا کوئی حصہ ہے۔نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ کسی کی شفاعت اس کے پاس کچھ فائدہ نہیں دے گی۔سوائے اس کے جسے وہ اجازت دے۔'' مشرکین قدیم ہوں یا جدید؛ شفاعت قھری کے عقیدہ سے وابستہ ہوکر شرک اکبر میں مبتلا ہوچکے ہیں. حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر قیامت کے دن ایسی کسی بھی قسم کی شفاعت کی نفی کی ہے۔ جس کا یہ مشرکین عقیدہ اور گمان رکھتے ہیں۔فرمانِ الٰھی ہے:﴿یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ ہُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾[البقرۃ: ۲۵۴]''اے ایمان والو!جومال ہم نے تمھیں دیا ہے اس میں سے خرچ(اللہ کی راہ میں)کرتے رہواس سے پہلے کہ وہ دن آئے. جس میں نہ کوئی تجارت کام آئے گی نہ دوستی اورنہ شفاعت اور کافر ہی ظالم ہیں۔''نیزفرمان الٰھی ہے:﴿وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰی رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴾[الانعام:۵۱] ''اور تم قرآن کے ذریعہ سے ان لوگوں کو ڈراؤجو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف اٹھائے جائیں گے(اور) اس کے سوا ان کا کوئی کار ساز اور سفارش کرنے والا نہیں ہے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں ''۔ ان مذکورہ بالاآیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ شفاعت قھری ہے۔یعنی مشرکین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمارے اولیاء وصالحین کا اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا مقام ہے کہ وہ جس کو چاہیں اللہ کے عذاب سے چھڑا لیں۔جیسا کہ ہمارے دور کے لوگ بھی کھتے ہیں: ''خدا کا پکڑا چھڑائے محمد ... محمد کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا۔'' اور کھتے ہیں: ان کی جاہ سے طلب کی جانے والی سفارش قابل قبول ہوگی۔مگر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾[البقرۃ: ۲۵۵]''(اللہ)کی اجازت کے بغیر کون ہے جو اس کے پاس سفارش کرے۔'' ایک اورمقام پر فرمایا:﴿وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَہُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾[الانبیاء: ۲۸] ''یہ(فرشتے)کسی کی سفارش نہیں کرتے۔علاوہ ان کے جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہو۔وہ تو خود ہیبتِ الٰھی سے لرزاں و ترساں ہیں۔'' فرمان الٰھی ہے:﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾[الزمر: ۴۴]''فرما دیجیے کہ: سب شفاعت اللہ ہی کے اختیار میں ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے لئے ہے پھر تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤگے''۔ ارشادِ الٰھی ہے:﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَرْضٰی﴾[النجم: ۲۶]''بہت سے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ بھی نفع نہیں دے سکتی. مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد اور اس کے لئے صرف جس کو اللہ تعالیٰ چاہے.اور پسند فرمائے۔'' شفاعت کے باب میں دوباتوں کا خیال کرنا بہت ضروری ہے: ۱۔سفارش کرنے والا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہی کوئی سفارش کر سکے گا۔جیسا کھفرمان الٰھی ہے:[جاری ہے]

[1]۳۔جو شخص مشرکوں کو کافر نہ سمجھتا ہو یا ان کے کفر میں شک کرتا ہے یا ان کے مذہب کو صحیح سمجھتا ہے تو یہ شخص کافر ہے۔[2]

۴۔ اسلام پر ترجیح:اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے ہٹ کر کسی کا طریق کار زیادہ کامل اور اچھا ہے، اور اس میں کامیابی ہے۔یا یہ کہ غیر کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم برابر ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں۔یا پھر جو کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر کسی دوسرے طاغوت کے حکم کو ترجیح دیتا ہو؛ تو ایسا انسان کافر ہے۔[3]

] [1]بقیہ حاشیہ]﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾[البقرۃ: ۲۵۵]''کون شخص ہے جو اللہ کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں شفاعت کرے گا۔'' ۲۔سفارش کی اجازت اللہ صرف انھی لوگوں کے لئے دے گا جن سے اللہ راضی ہوگا اور پسند فرمائے گا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی﴾[الانبیاء: ۲۸] ''یہ(فرشتے)کسی کی سفارش نہیں کرتے۔علاوہ ان کے جن کے لئے اللہ تعالیٰ پسند فرمائے۔'' جبکہ مشرکوں کے اعمال کوڑا کرکٹ کی مانند ضائع ہوجائیں گے ان کے لئے کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ ان کی خواہشات کے برعکس کوئی سفارشی ان کو میسر نہ آئے گا. کیونکہ جو شخص توحید پر عمل کیے بغیر اپنی شفاعت چاہتا ہے تو اس کا انجام محرومی کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ [2] مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اس شخص کے کافر ہونے میں شک کرے جسے امت محمدیہ نے بالاتفاق کافر قرار دیا ہو جیسے عیسائی اور مشرک وغیرہ۔شرک چند مخصوص چیزوں کا نام نہیں بلکہ شرک یہ ہے کہ اللہ کے لئے جو اعمال و صفات خاص ہیں وہ کسی اور کے لئے ماننا۔(الدرء النضیہ ص:۱۸)۔علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' اس لیے ہم ہر اس شخص کو بھی کافر کھتے ہیں جو اسلام کے علاوہ کسی بھی(دوسرے) مذہب کے ماننے والے کو کافر نہ کھے ؛ یا ان کو کافر کھنے میں تردد کرے؛ یا ان کے کفر میں شک وشبہ کرے؛ یا ان کے مذہب کو درست کھے۔ اگرچہ یہ شخص اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہو. اور اسلام کے علاوہ ہر مذہب کو باطل بھی کھتا ہو؛ تب بھی یہ غیر مذہب والوں کو کافر نہ کھنے والا خود کافر ہے۔اس لیے کہ یہ شخص ایک مسلّمہ کافر کو کافر کھنے کی مخالفت کرکے اسلام کی

مخالفت کرتا ہے ؛ اور یہ دین پر کھلا ہوا طعن اور اس کی تکذیب ہے۔''[إکفار الملحدین:۲۲۱] کفار سے بیزاری، ان کے ساتھ اختلاط سے پرہیز، اور ان کے احکام جاننا ضروری ہیں، تاکہ کفر کی حقیقت کا پتہ چل سکے، اور مسلمان کے حقوق ضائع نہ ہوں ؛ جیسے حقوق وراثت،حقوق ولایت، کفالت وتربیت وغیرہ۔کیونکہ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ دوستی کرنی ہے، کافروں کیساتھ نہیں۔ایسے ہی وہ شخص بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے جو کسی کافر اور مرتد کو تاویل کرکے مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' جو شخص یمامہ والوں کے حق میں تاویل(کرکے ان کو مسلمان ثابت)کرے وہ کافر ہے، اور جو شخص کسی قطعی اور یقینی کافر کو کافر نہ کہے، وہ بھی کافر ہے۔''[منہاج السنة ۲۳۳/۴] [حاشیہ جاری ہے] [3] اگلے صفحہ پہ

۵[1]۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی طریقہ سے نفرت اور بغض رکھنا۔اگر اس کے مطابق عمل بھی کرے گا تو کفر کا مرتکب ہو گا۔[2]

[[1]سابقہ صفحہ سے]اس میں بذیل امور شامل ہیں:۱۔ یہ اعتقاد رکھنا کہ لوگوں کے تیار کردہ نظام اور قوانین اللہ کی شریعت سے افضل ہیں۔فرمان الٰھی ہے:﴿أَمۡ لَهُمۡ شُرَكَاۤىٕ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّینِ مَا لَمۡ یَأۡذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ﴾[الشوریٰ:۲۰]''کیا ان کے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین ایجاد کیا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔'' ...چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم اور امام مقرر کیا ہے، لھٰذا آپ کے حکم کو بے چون وچراں تسلیم کیا جائے، ارشاد الٰھی ہے:﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤۡمِنُونَ حَتَّىٰ یُحَكِّمُوكَ فِیمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوا۟ فِیۤ أَنفُسِهِمۡ حَرَجࣰا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَیُسَلِّمُوا۟ تَسۡلِیمࣰا﴾[النساء:۶۵]'' آپ کے رب کی قسم ! یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے، جب تک اپنے آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کرلیں،اور پھر اپنے نفوس میں آپ کے فیصلہ کے خلاف کوئی تنگی بھی نہ پائیں اور اسے صحیح طور پر مان لیں۔'' ۲۔یہ اعتقاد رکھنا کہ '' دین اسلام کی تطبیق اور نفاذ ممکن نہیں۔اوریہ دین اس دور کے مسلمانوں کے پیچھے رہ جانے کی وجہ ہے۔'' ۳۔یا یہ اعتقاد رکھنا کہ دین انسان کے اپنے رب سے تعلق کا نام ہے، اور اسے باقی امور زندگی میں کوئی دخل نہیں۔ ۴۔یا یہ اعتقاد کہ شرعی حدود جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا، اورشادی شدہ زانی کو سنگسار کرنا، اس زمانے کے ساتھ مناسب نہیں ہیں ؛ حالانکہ اسلام قیامت تک آنے والے لوگوں کا دین ہے۔جو کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی عین مصلحت کے مطابق نازل کیا ہے۔اور ایسا ہر گز ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیں، اور اس کا ہونا ناممکن ہو؛ یہ سراسر الزام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿لَا یُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفۡسًا إِلَّا وُسۡعَهَاۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَعَلَیۡهَا مَا ٱكۡتَسَبَتۡ﴾[البقرہ: ۲۸۶]'' اللہ تعالیٰ کسی جی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کسی چیز کا مکلف نہیں ٹھہراتے، ہر نفس کےلئے وہی ہے جو اس نے کمایا، اور اس پر اسی کا بوجھ ہے جو اس نے کیاہو۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وَمَن لَّمۡ یَحۡكُم بِمَاۤ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَـٰۤىِٕكَ هُمُ ٱلۡكَـٰفِرُونَ﴾[المائدة:۴۴] '' اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے، پس وہی لوگ کافر ہیں۔'' امام طاؤس(رحمہ اللہ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:''اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بغیر فیصلہ کرنے والا کافر ہے۔'' [2] دلیل: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿ذَ ٰلِكَ بِأَنَّهُمۡ كَرِهُوا۟ مَاۤ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأَحۡبَطَ أَعۡمَـٰلَهُمۡ﴾[محمد:۹]'' یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چیز کو ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال بیکار کردیے۔'' اور فرمایا:﴿فَلۡیَحۡذَرِ ٱلَّذِینَ یُخَالِفُونَ عَنۡ أَمۡرِهِۦۤ أَن تُصِیبَهُمۡ فِتۡنَةٌ أَوۡ یُصِیبَهُمۡ عَذَابٌ أَلِیمٌ﴾[نور:۶۳]''سو چاہیے کہ وہ لوگ ڈر جائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں کہ انہیں کوئی آزمائش پہنچے، یا دردناک عذاب میں مبتلا کردیے جائیں۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسكتم بِهَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهِ)) ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں تم ہر گز کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے جب تک ان کو مضبوطی سے تھام رکھوگے، وہ ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔''نیز اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنا۔[جاری ہے]

٦۔جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے کسی چیز کا یا ثواب یا عذاب کا مذاق اڑایا۔[1]

فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلۡ أَبِٱللَّهِ وَءَایَـٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُونَ لَا تَعۡتَذِرُوا۟ قَدۡ كَفَرۡتُم بَعۡدَ إِیمَـٰنِكُمۡ﴾[التوبہ:۶۶]

"(اے محمد!) ان سے کہہ دیجئے کیا اللہ یا اس کی آیات اور اس کے رسول کا تم مذاق اڑاتے ہو؟ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔"

۷۔ جادو:...اس میں نفرت یا محبت پیدا کرنے کے اعمال کروانا بھی شامل ہیں[2] اور یہ حکم ان لوگوں کو بھی شامل ہے جو جادو کرتے ہوں یا پھر جادو پر راضی رہتے ہوں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَـلَا تَـكْفُرْ﴾ [البقرہ:۱۰۲]

"وہ کسی کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم فتنہ ہیں

[[1] بقیہ حاشیہ]آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنا، سب و شتم کرکے ایذا رسانی کرنا بھی شامل ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانا یا انھیں تکلیف دینا بھی عین کفر کے کاموں میں سے ہے۔ [2] اس میں وہ سارے اعمال، تعویذات شامل ہیں جو دو افراد یعنی میاں بیوی میں نفرت یا جدائی پیدا کرتے ہوں۔ یا ایسے تعویذ گنڈے جو دو افراد میں محبت پیدا کرنے کےلئے کیے جاتے ہیں ؛ یہ سب اعمال جادو میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ شرکیہ اعمال ہیں ؛کیونکہ ان کو نفع و نقصان کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور اللہ کے علاوہ کسی اور سے نفع یا نقصان کی توقع رکھنا شرک وکفر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حَدَّ السَّاحِرِ ضَرْبٌ بِالسَّيْفِ'' ''جادو گر کی سزا تلوار سے اس کا سر قلم کرنا ہے۔''اور فرمایا: ''اِجْتَنِبُوْا سَبْعَ الْمُوْبِقَاتِ ... وَالسَّحْرُ'' '' سات ہلاکت خیز گناہوں سے بچو... اور ان میں سے ایک کے متعلق فرمایا: ''اور جادو سے بچو۔''[بخاری] جادو سے مراد وہ اعمال اور حیلے بھی ہیں جن سے دل، آنکھوں اور جسم میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ اور اسکے نتیجہ میں میاں بیوی میں جدائی، کسی کے دل میں کسی کی طرف رغبت ڈالنا، انسان کو بیمار اور پریشان کرنا اور قتل کرنا بھی ممکن ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام احمد اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم نے جادو سیکھنے، سکھانے، اور کرنے پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ ابن قدامہ مقدسی نے اجماع امت نقل کیا ہے کہ: جادو سیکھنا اور سکھانا اور جادو کرنا کفر ہے۔(افصاح:2/226(

تم کفر مت کرو۔"

۸۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین کا ساتھ دینا اور ان کی مدد کرنا: اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

"جس نے تم میں سے ان کافروں سے دوستی کی وہ انہی میں سے ہو گا۔ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔"[1][المائدہ:۵۱](مجموعۃ التوحید)

۹۔ اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ بعض پیروں اور ولیوں، یا کسی اور کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف کام کرنے کی اجازت ہے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے برعکس کام کرنے کی اجازت تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَن يَّبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾[آل عمران:۸۵]

[1]ایمان کے منافی امور میں سے یہ بھی ہے کہ مومنوں کے مقابلہ میں کافروں سے دوستی رکھی جائے،اس لئے کہ مسلمانوں پر کافروں، یہود و نصاریٰ، نیز تمام مشرکوں سے دشمنی رکھنی واجب ہے اور ان سے محبت رکھنے سے احتیاط و پرہیز ضروری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّىْ وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُوْنَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ﴾[الممتحنہ:۱]'' اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو اپنا

دوست مت بناؤ تم ان کو محبت کی نظر سے دیکھتے ہو، اور وہ اس چیز کا کفر کرتے ہیں جو تمہارے پاس سچ آپہنچا ہے۔'' یہاں تک کہ اگر باپ داداکافر ہوں توان سے محبت رکھناحرام ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایاہے: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾(المجادلۃ: ۲۲) ''اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اوراس کے رسول سے دشمنی کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے اگرچہ وہ ان کے باپ یاان کے بیٹے یاان کے بھائی یاان کے کنبہ(قبیلہ) کے(عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔'' اسلام اورمسلمانوں کے تعلق سے یہود ونصاریٰ کامکروفریب، ان کی ریشہ دوانیاں، اہل اسلام کے ساتھ ان کی جنگیں، اوردین کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا، اسلام کو نقصان پہنچانے کےلئے بھاری مال خرچ کرنا، ان کے یہ تمام معاملات بالکل واضح ہیں۔موجودہ دور میں کفارومشرکین کے ساتھ بعض مسلمانوں کی دوستی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کے ساتھ بغیر کسی دعوتی مقصد کے رہائش اختیار کی جائے، یابلاضرورت ان کے شہروں کاسفر کیاجائے اوران کالباس، ان کی عادات واطوار اور عام طرززندگی میں ان کی مشابہت اختیار کی جائے، ان کی زبان وتہذیب اپنائی جائے۔

''جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ انسان آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہو گا۔''

۱۰۔ اللہ تعالیٰ کے دین سے روگردانی کرنا۔ نہ اس کی تعلیم حاصل کرے، اور نہ ہی اس کے مطابق عمل کرے۔[1] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ﴾[السجدہ:۲۲]

'' اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا؟ جس کو اس کے پروردگار کی آیات سے یاد دہانی کرائی گئی، مگر اس نے منہ موڑا، بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔''

دواہم نوٹ:

☆ **پہلی بات:...** ان نواقض کا ارتکاب کرنے والے تمام لوگوں کے لیے ایک ہی حکم ہے اس میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا کہ کوئی مذاق میں ایسی بات کہہ رہاہے یا سنجیدگی میں، یا پھر خوف کے مارے ایسی بات کہہ رہاہے۔ سوائے اس انسان کے جس پر زبردستی کرتے ہوئے یہ کلمات کہلوائے جائیں۔
☆ **دوسری بات:...** ان تمام نواقض کے خطرات سب سے زیادہ ہیں۔ اور اکثر طور پر پیش آنے والی باتیں ہیں۔ مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ ان باتوں سے بچ کر رہے اور اپنے نفس پر ان کلمات کے صادر ہونے کاخوف محسوس کرتا رہے۔

[1]اس سے مراد اتنی تعلیم کا حصول ہے جس سے انسان اپنی روز مرہ کی عبادت کو بطریق احسن ادا کرسکے؛ اور توحید وشرک کی پہچان حاصل ہو۔

طاغوت کا انکار کفر بالطاغوت کا مطلب؟ لغوی مطلب:... یہ لفظ طغیان سے نکلاہے، حد سے تجاوز کر جانے کو ''طغیان'' کہتے ہیں۔[1] شرعی مطلب:... انسان کا اپنے معبود، مطاع یا متبوع کے متعلق حد سے تجاوز کر جانا۔[2] **طاغوت کے انکار کا وجوب:** اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلی جو چیز انسان پر فرض کی ہے وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور

[1]لغت میں طاغوت طغیان سے مشتق ہے جس کا معنی ہے حد سے گزرنا، جیسا کہ قرآن میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے: ﴿إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾(الحاقہ:۱۱) ''جب پانی حد سے گزر گیا تو ہم نے تمہیں چلتی کشتی میں سوار کرایا۔'' [2] شریعت میں طاغوت ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو سرکشی کرے؛ حدود فراموش بنے؛ اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کسی حق کو اپنے لئے ثابت مانے یا اپنی طرف اس کی نسبت کرے اور خود کو اللہ کے برابر قرار دے۔ یعنی اگر کوئی انسان تین امور میں سے کسی ایک کو اپنے لئے ثابت مانے وہ طاغوت ہے: ا:... کوئی مخلوق اپنے لئے کوئی ایسا فعل ثابت مانے یا اپنی طرف منسوب کرے جو کہ خاص اللہ کے افعال

ہیں جیسے پیدا کرنا، رزق دینا، شریعت بنانا وغیرہ جو ان میں سے کسی کام کا دعویٰ کرے تو وہ طاغوت ہے۔ ۲:...اللہ کی صفات میں سے کوئی صفت اپنے اندر موجود مانے جیسے علم غیب جاننا، یا حاجت روائی کرنا وغیرہ۔ ۳:...کسی مخلوق کے لئے عبادات میں سے کوئی عبادت جیسے دعا، نذر، ذبح، قربانی، فیصلے، وغیرہ میں سے کوئی ایک قسم مانے تو یہ بھی طاغوت ہے؛ یا ایسے کسی عمل پر خاموشی اختیار کرے اس سے بیزاری و براءت کا اظہار نہ کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے طاغوت کی تعریف اس طرح کی ہے: ''والطاغوت هو كل ما يعبد من دون الله عزوجل۔'' (ابن کثیر) ''طاغوت ہر وہ چیز ہے جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جائے۔'' سب سے عمدہ تعریف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے؛ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز کی بھی عبادت کی جائے وہ شامل ہے ہر باطل معبود طاغوت ہے؛ جیسے بت، قبر، مزار، پوجے جانے والے پتھر، درخت، اور وہ احکام جو اللہ کے حکم کے مقابلہ پر بنائے جائیں اور ان کے مطابق لوگوں میں فیصلے کریں۔ اس طرح وہ قاضی بھی طاغوت ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مخالف احکام کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ شیطان اور جادوگر، کاہن و نجومی جو غیب کا دعویٰ کرتے ہیں سب طاغوت ہیں۔ اس طرح جو لوگ خود کو شریعت ساز سمجھتے ہیں حرام و حلال قرار دینے کا خود کو مجاز سمجھتے ہیں سب طاغوت ہیں۔ ان کا انکار اور ان سے بیزاری و براءت کا اعلان ضروری ہے یہی کفر بالطاغوت ہے۔

طاغوت کا انکار ہے۔ [یعنی طاغوت کی عبادت چھوڑ دینا اور اس سے اجتناب اور براءت کا اظہار کرنا] فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ [النحل:٣٦]

''بیشک ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (وہ انہیں دعوت دے کہ صرف) اللہ کی عبادت کرو طاغوت سے اجتناب کرو۔'' [1]

طاغوت سے انکار کا طریقہ:

۱۔ یہ کہ آپ غیر اللہ کی عبادت کے باطل ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس سے بغض رکھیں اور نفرت کریں۔ [2]

۲۔ یہ کہ اہل طاغوت کا انکار کیا جائے اور ان سے عداوت رکھی جائے۔ [3]

[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ [البقرة: ٢٥٦] ''جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جس کو ٹوٹنا نہیں ہے۔'' جس نے زبان سے شہادتین کا اقرار کیا مگر طاغوت کو نہیں چھوڑا تو اس کا یہ اقرار شرعی معنی کے لحاظ سے کسی بھی طرح فائدہ مند نہیں ہے اور یہ شخص اسلام میں داخل بھی نہیں ہے۔ [2] طاغوت کی عبادت باطل ہونے کا عقیدہ رکھنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ [حج: ٦٢] ''اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں وہ باطل ہیں اللہ تعالیٰ ہی سب سے بلند اور بڑا ہے''۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ [الحج: ٣٠] ''بتوں کی ناپاکی سے اجتناب کرو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔'' طاغوت کی عبادت اور بتوں کی پرستش یہی ہے کہ انہیں طاقت کا مالک مانا جائے اور ان سے مدد مانگی جائے ان کی خوشنودی کے لئے نذر و نیاز دیئے جائیں۔ [3] طاغوت کے انکار کی دلیل: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَاَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ [الممتحنه: ٤] ''تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کی سیرت بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہیں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ پکارتے ہو ہم تمہارے ان عقائد کا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور نفرت ظاہر ہو چکی جب تک کہ تم ایک اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لے آؤ۔'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا قول بطور حکایت کے بیان کرکے فرمایا ہے: ﴿قَالَ اَفَرَاَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [الشعراء: ٧٥ تا ٧٨] ''(ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے) کہا کہ مجھے بتاؤ (ان کی حقیقت) جن کی تم عبادت کرتے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی یہ (تمہارے معبود) میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔''

طاغوت کے سرغنے :

طاغوت بہت زیادہ ہیں لیکن ان کے سرغنہ پانچ ہیں: ا۔ ابلیس لعنتی ومردود۔[1]

۲۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی بندگی کی جائے اور وہ اس پر راضی ہو۔[2]

۳۔ جو کوئی اپنی ذات کی عبادت کی طرف بلائے۔

۴۔ وہ جو کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت چھوڑ کر اپنی مرضی کے حکم چلائے۔[3]

۵۔ جو کوئی علم غیب میں سے کسی چیز کا دعویٰ کرے۔[4]

[1] شیطان جو غیر اللہ کی عبادت کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔فرمان الٰہی ہے:﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾[یٰس:۶۰] ''اے اولادِ آدم! کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ شیطانِ کی عبادت مت کرو یہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' [2] اللہ تعالیٰ کے علاوہ جس کی پرستش کی جائے اور وہ اس پر راضی ہو۔فرمانِ الٰہی ہے:﴿وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ﴾(انبیاء: ۲۹۔ مجموعۃ التوحید: ۱/۱۵) ''ان میں سے جس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود ہوں تو ایسے شخص کو ہم جہنم کی سزا دیں گے ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔'' [3] وہ ظالم جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدلتا ہے فیصلے اپنی مرضی کے قوانین کے مطابق کرتا ہے۔فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾[النساء:۶۰] ''کیا آپ(صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو بزعم خویش آپ پر نازل کردہ(شریعت) اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی شریعتوں پر ایمان لائے ہیں(مگر ان کا حال یہ ہے کہ) وہ چاہتے ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جائیں حالانکہ ان کو حکم کیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔'' مراد وہ قاضی اور جج ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدل کر اپنے احکام نافذ کرنے والوں کی مرضی کے فیصلے کرتے ہیں۔ [4] جو علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو یا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے علم غیب کا قائل ہو۔فرمان الٰہی ہے:﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ۔اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا﴾[الجن:۲۶، ۲۷] ''(اللہ) عالم الغیب ہے کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس رسول کے[بقیہ حاشیہ] جسے اس نے(غیب کی خبر دینے کے لئے) پسند کرلیا ہو تو اس کے آگے پیچھے وہ محافظ لگادیتا ہے۔'' نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾[الانعام:۵۹] ''اسی کے پاس غیب کی کنجیاں جنھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔بحروبر میں جو کچھ ہے سب سے واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جسے اس کا علم نہ ہو۔خشک وتر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

تین اصول

ا۔ انسان کا اپنے رب کی معرفت حاصل کرنا۔

۲۔ انسان کا اپنے دین کی معرفت حاصل کرنا۔

۳۔ انسان کا اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کرنا۔

یہی تین سوال قبر میں پوچھے جانے والے ہیں۔ اس میں بذیل مسائل ہیں:

ا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہمارا معبود برحق ہے جو اپنی نعمتوں سے ہماری پرورش اور تمام عالم کی پرورش کرتا ہے۔

۲۔ بے شک اکیلا اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔

۳۔ ہمیں اپنے رب کی معرفت اس کی نشانیوں سے اور عظیم مخلوقات سے ہوتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے: دن اور رات، سورج اور چاند ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے: سات زمینیں اور سات آسمان اور ان کے مابین کی ہر ایک چیز ہے۔

دوسرا اصول:... انسان کا اپنے دین کی معرفت حاصل کرنا۔ اس میں یہ مسائل ہیں:

ا۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس کے علاوہ کوئی دین اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ کرے گا۔

۲۔ اسلام کا معنی ہے ظاہری و باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید بجالاتے ہوئے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے شرک اور مشرکین سے براءت کا اظہار واعلان کرنا۔

☆ دین کے تین مراتب کا بیان:

ا۔ اسلام ۲۔ ایمان ۳۔ احسان۔

☆ تیسرا اصول: انسان کا اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کرنا۔ اس میں بذیل مسائل ہیں:

ا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور نسب:... محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم۔ ہاشم کا تعلق قریش سے تھا۔ قریش عرب میں سے تھے اور عرب حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک:... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ سال کی عمر پائی۔ ان میں سے چالیس سال نبوت سے پہلے کے ہیں۔ اور تیئس سال نبوت ورسالت ملنے کے بعد کے ہیں۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت:... سورۂ علق کے نزول سے نبوت ملی اور سورۂ مدثر کے نزول سے رسالت ملی۔

۴۔ آپ کا شہر اور دار ہجرت:... آپ کا شہر مکہ تھا۔ پھر وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے گئے۔

۵۔ آپ کی دعوت کا موضوع:... اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرک کی قباحت سے ڈرانے اور توحید کی طرف بلانے کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔[1]

[1]تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا اہم ترین مرکزی نقطہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک سے اجتناب ہوا کرتا تھا۔ اور اسی دعوت کو ہمیشہ اولین اہمیت حاصل رہی ہے۔داعی کو بھی چاہیے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی راہوں پر گامزن رہتے ہوئے سب سے پہلے دعوت توحید کا کام کرے ؛ اس کے بعد دیگر مسائل بیان کیے جائیں۔ اس کی برکت یہ ہوتی ہے کہ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید پر کاربند ہوجاتے ہیں تو باقی احکام شریعت کا ماننا آسان ہوجاتا ہے۔

اہل السنۃ کون ہیں؟

أما بعد : فهذا اعتقاد الفرقة الناجية المنصورة الى قيام الساعة ـ أهل السنة والجماعة

ترجمہ: یہ اس گروہ کے عقائد ہیں جو نجات پانے والا ہے جسے قیامت قائم ہونے تک اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید حاصل ہے، یہ اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔

عبارت کی تشریح

... شرح ...

'' اما بعد '' یہ ایک کلمہ ہے جسے سیاقِ کلام میں ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف منتقل ہوتے ہوئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا معنی ہے :'' مهما يكن من شيء ''، خطبوں اور خطوط میں اما بعد کا استعمال مستحب ہے؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع باعثِ برکت و موجبِ رحمت ہے۔

'' ھذا '' اسمِ اشارہ ہے، مشار الیہ اس رسالہ کے تمام محتویات و مضامین ہیں جن کا عقائدِ ایمانیہ سے تعلق ہے اور وہ مؤلف کے قول '' وهو الايمان بالله ... ''سے شروع ہو رہے ہیں۔'' الاعتقاد '' باب اعتقد ، يعتقد سے مصدر ہے، اعتقاد کا معنی: کسی چیز کو عقیدہ بنانا...اور عقیدہ ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جس پر بندہ اپنے دل کو گرہ لگادے ... ''اعتقدت كذا'' کا جملہ بولا جاتا ہے جس کا مطلب ہے میں نے فلاں چیز کو اپنا عقیدہ بنالیا، یعنی اپنے دل و ضمیر کو اس پر گرہ لگا کر مضبوطی سے باندھ لیا۔

عقیدہ کا اصل ''عقد الحبل ''سے ماخوذ ہے جس کا معنی رسی کو باندھنا ہے، پھر اس کا استعمال دل کے عقیدے اور جزمِ صمیمہ پر ہونے لگا۔

" الفرقۃ" سے طائفہ اور جماعت مراد ہے۔ " الناجیۃ" یعنی نجات پانے والا گروہ یا جماعت، یعنی ایسا گروہ جو دنیا اور آخرت کی ہر قسم کی ہلاکت اور شر سے سلامتی اور عافیت میں رہے گا اور ہر طرح کی سعادت سے ہمکنار ہوگا... جماعتِ حقہ کو "ناجیہ" کا جو وصف دیا گیا ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ماخوذ ہے: [لاتزال طائفة من أمتي على الحق منصورة لايضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله]

ترجمہ: [میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور تائید کیا ہوا، ان کی تذلیل وتوہین کرنے والا انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، حتی کہ اللہ کا امر یعنی قیامت آجائے...] (متفق علیہ)

" المنصورة الى قيام الساعة" یعنی ایک ایسی جماعت جن کی اللہ تعالیٰ ان کے مخالفین کے خلاف قیامت تک مدد کرتا رہے گا۔ قیامت قائم ہونے سے مراد قیامت سے قبل ان کی موت ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت سے قبل ایک ہوا چلے گی جو ہر مومن کی روح قبض کرلے گی، اس طرح مؤمنوں کی قیامت قائم ہوجائے گی؛ کیونکہ وہ قیامت جس سے یہ دنیا ختم ہوجائے گی وہ بدترین قسم کے لوگوں پر قائم ہوگی، چنانچہ صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: [لاتقوم الساعة حتى لايقال في الارض الله الله]

ترجمہ: [اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین پر اللہ اللہ کہنا ختم نہ ہوجائے] مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما کی حدیث ہے، جس میں اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے:

[ويبعث الله ريحا ريحها ريح المسك ومسها مس الحرير فلا تترک أحدا في قلبه مثقال ذرة من ايمان الا قبضته ثم يبقى شرار الناس فعليهم تقوم الساعة]

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جس کی ہوا مشک سے معطر ہوگی اور جس کا لمس ریشم کا سا ہوگا، وہ ایسے کسی شخص کو نہیں چھوڑے گی جس کے دل میں ایک ذرہ برابر ایمان ہو۔ اس کی روح قبض کرلے گی... پھر بدبخت قسم کے لوگ رہ جائیں گے، ان پر قیامت قائم ہوگی۔]

" أهل السنة والجماعة" اھل کی لام مکسور ہے، الفرقۃ سے بدل واقع ہورہا ہے، رفع پڑھنا بھی جائز ہے، اس صورت میں مبتدأ محذوف "هم" کی خبر ہوگا۔ " السنۃ" سے مراد وہ طریقہ جس پر محمد رسول اللہ قائم رہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات پر مشتمل ہے... جماعتِ حقہ اور فرقۂ ناجیہ کو اھل السنۃ کا لقب اس لیئے دیا گیا کہ یہی لوگ در حقیقت سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں، ان کے علاوہ کوئی نہیں، نہ کوئی مقالہ اور نہ کوئی مذہب۔ اہلِ بدعت سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق ونسبت سے محروم ہیں، وہ کبھی تو اپنی بدعت وضلالت کی نسبت سے موسوم ہوتے ہیں: جیسے القدریہ اور المرجئة ... کبھی اپنے امام کی طرف منسوب ہوتے ہیں، جیسے جہمیہ (جہم بن صفوان کے مقلد) اور کبھی اپنے قبیح افعال پر اپنے فرقہ کا نام رکھ لیتے ہیں جیسے روافض اور خوارج۔

" الجماعة" لغت میں لوگوں کے گروہ یا جتھے کو بولتے ہیں۔

اھل السنۃ والجماعۃ کے مبارک نام میں الجماعۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق پر مجتمع ہوگئے، وہ جو کتاب وسنت سے ثابت ہے...اس سے مراد صحابہ کرام اور ان کے منہج کے پیروکاروں کی جماعت ہے، خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: "الجماعۃ وہ ہے جو حق پر ہو، خواہ تم اکیلے ہی کیوں نہ ہو اس وقت (اگر حق تمہارے پاس ہے تو) تم اکیلے ہی جماعت ہو"

اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان

ومن الایمان باللہ الایمان بماوصف بہ نفسہ فی کتابہ ووصفہ بہ رسولہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم من غیر تحریف ولاتعطیل ومن غیر تکییف ولاتمثیل۔

ایمان باللہ میں انتہائی ضروری یہ بات داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ذات کی جو صفات بیان کی ہیں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان فرمائی ہیں ان پر اس طرح ایمان لانا کہ اس میں کوئی تحریف نہ ہو... کوئی تعطیل کوئی تکییف نہ ہو اور کوئی تمثیل نہ ہو۔

عبارت کی تشریح

...شرح...

مصنف رحمہ اللہ نے اصولِ ایمان کے اجمالی تذکرہ کے بعد اب ان کا تفصیلی بیان شروع کیا ہے... چنانچہ اصلِ اول ایمان باللہ ہے، جس کیلئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لایا جائے اللہ تعالیٰ کی صفات کتاب وسنت میں موجود اور ثابت ہیں، ایمان لانے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صفات جن الفاظ کے ساتھ قرآن وحدیث میں ثابت ہیں انہی الفاظ کے ساتھ مان لیں، اور ان صفات کا جو ظاہری معنی ہے اس معنی کے ساتھ ایمان لے آئیں۔

نہ تو ان الفاظ میں تحریف کا ارتکاب کریں، نہ ان کی تعطیل کے مرتکب ہوں اور نہ ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات کے مخلوق کی صفات کے ساتھ تشبیہ کا عقیدہ رکھیں اور ایک ضروری امر یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات کے سلسلہ میں صرف کتاب وسنت پر اعتماد کریں، قرآن وحدیث سے ہرگز تجاوز نہ کریں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات توقیفی ہیں...

اللہ تعالیٰ کی صفات پر بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکییف اور بلا تمثیل ایمان لانا فرض ہے۔

تحریف: کا معنی تبدیل کرنا، اور کسی شئی کو اس کی اصل صورت سے پھیر دینا... اس کی دو قسمیں ہیں (۱) تحریفِ لفظی (۲)

تحریف معنوی

تحریف لفظی یہ ہے کہ کلام کے اصل معنی مراد کو پھیرنے کی خاطر اس کے الفاظ میں ردوبدل کر دیا جائے... چنانچہ کوئی لفظ یا حرف بڑھا دیا جائے یا کم کر دیا جائے، یا پھر حرکتِ اعرابی (زبر، زیر، پیش) کی تبدیلی کر دی جائے۔ اضافۂ حرف کی مثال: بعض اہل ضلال نے قولہ تعالیٰ "الرحمن علی العرش استوی" کے بارہ میں أی: استولیٰ کہا ہے، اس طرح آیت میں انہوں نے ایک حرف یعنی لام کا اضافہ کر دیا۔ لفظ کے اضافے کی مثال: بعض اہل ضلال نے قولہ تعالیٰ "وجاء ربک" میں کہا ہے: أي جاء أمر ربک" گویا انہوں نے لفظ "أمر" کا اضافہ کر دیا۔

تبدیلی اعراب کی مثال: قولہ تعالیٰ: "وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا" چنانچہ آیتِ کریمہ میں لفظ جلالہ "اللہ" پیش کے ساتھ ہے، لیکن اہل ضلال نے پیش کو نصب سے تبدیل کر دیا تاکہ اپنے الحاد کو اس حرکتِ اعرابی کی تحریف کے ذریعہ ثابت کر سکیں۔ تحریفِ معنوی یہ ہے کہ کسی بھی کلام کو اس کی حقیقت سے اسطرح پھیرنا کہ اس لفظ کو اصل معنی کی بجائے دوسرا معنی دے دیا جائے جیسا کہ مبتدعہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا معنی ارادۂ انعام کرتے ہیں (جو باطل ہے)

تعطیل کا لغوی معنی کسی چیز کو خالی کرنا، یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اسکی صفات کی نفی کرنا۔

تحریف اور تعطیل میں فرق یہ ہے کہ تحریف سے مراد یہ ہے کہ معنیٔ صحیح کہ جس پر نصوص دلالت کر رہے ہیں کی نفی کر کے اسے معنیٔ غیر صحیح سے بدل ڈالنا۔ جبکہ تعطیل سے مراد معنیٔ صحیحہ کی نفی کرنا ہے (معنیٔ غیر صحیح سے بدلنا نہیں) جیسا کہ فرقۂ مفوضہ کا عمل ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ تعطیل کا عمل عام ہے اور تحریف کا عمل خاص ہے چنانچہ ہر محرف معطلہ میں سے ہے لیکن ہر معطل محرف نہیں ہو سکتا۔

تکییف سے مراد صفت کی کیفیت کو معین کرنا، اس کا فعل "کَیَّفَ" ہے جس کا معنی ہے کہ کسی شئ کی کیفیتِ معلومہ مقرر کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کی تکییف کا معنی ہو گا ان کی کیفیت وھیئت کا تعین... یہ کام بشر کی طاقت سے ماوراء ہے؛ کیونکہ کیفیت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور ایک انسان کی اس تک کوئی رسائی نہیں، کیونکہ صفت، ذات کے تابع ہے تو جس طرح ایک انسان کیلئے اللہ تعالیٰ کی ذات کی کیفیت کی معرفت ممکن نہیں ہے، اسی طرح اس کی صفات کی کیفیت کی معرفت بھی ممکن نہیں ہے، اسی لیئے جب امام مالک سے پوچھا گیا: کہ { اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى } اللہ تعالیٰ عرش پر کس طرح مستوی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا استواء علی العرش معلوم ہے، لیکن کیفیت مجہول ہے، استواء پر ایمان واجب ہے اور استواء کی کیفیت کا سوال بدعت ہے۔

تمام صفاتِ باری تعالیٰ کے بارہ میں اسی طرح کہنا چاہئے۔

تمثیل کا معنی تشبیہ ہے۔ یعنی یوں کہنا: اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے مثل ہیں... جیسے کوئی شخص کہے: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کی طرح ہے اور اللہ کا سمع ہمارے سمع کے مثل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے عقیدے سے بلند وبالا اور پاک ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ الشوریٰ آیت (۱۱) میں فرمایا ہے: { لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ } (الشوریٰ:۱۱) ترجمہ: "اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے"

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارہ میں یہ عقیدہ نہ رکھا جائے کہ وہ ہماری صفات کی مثل یا مشابہ ہیں جیسا کہ یہ عقیدہ باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری ذات کے مثل یا مشابہ ہے۔

ایک حقیقی اور سچا مؤمن اور موحد اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو اللہ تعالیٰ کیلئے اس طرح ثابت کرتا ہے جیسا اس کی عظمت و کبریائی کے لائق ہے۔ چنانچہ اہل تعطیل اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی نفی کرتے ہیں (بعض معطلہ تمام صفات کی تو نہیں البتہ بعض صفات کی نفی کرتے ہیں) اور مشبہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو ثابت کرتے ہیں لیکن اس صورت نہیں جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہے بلکہ اس صورت جو مخلوق کے لائق ہے (کیونکہ وہ خالق کی صفات کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں)

۳۔ احاطة علمه بجميع مخلوقاته

اللہ تعالیٰ کا علم تمام مخلوقات پر محیط ہے

وقوله: { يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا } (سبأ:۲) وقوله: { وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ } (الانعام:۵۹)

آیات کی تشریح

... شرح...

{ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا } (سبأ:۲)

ترجمہ "جو زمین میں جائے اور جو اس سے نکلے جو آسمان سے اترے اور جو چڑھ کر اس میں جائے وہ سب سے باخبر ہے"

"يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ" سے مراد یہ ہے کہ زمین میں داخل ہونے والی ہر شئ مثلاً بارش، بیج، خزانے اور مُردے سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ "وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا" سے مراد یہ ہے کہ زمین سے نکلنے والی ہر شئ مثلاً پودے اور معدنیات وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

'' وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ '' سے مراد یہ ہے کہ آسمان سے اُترنے والی ہر شئ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے مثلاً: بارش اور فرشتے وغیرہ۔

'' وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا '' سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں کی طرف چڑھ جانے والی ہر شئ مثلاً: فرشتے اور بندوں کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اس آیتِ کریمہ کو پیش کرنے کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے علم کا مالک ہے جو کائنات کی ہر ہر شئ کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔

{ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَايَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَاتَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلاَّ يَعْلَمُهَا وَلَاحَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَارَطْبٍ وَّلَايَابِسٍ إِلاَّ فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ } (الانعام:۵۹)

ترجمہ:''اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں،(خزانے) ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کا جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں ہیں اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور نہ خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں''

... شرح...

اللہ تعالیٰ کے فرمان:'' وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ '' سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کے خزانے ہیں،''مَفَاتِحُ الْغَيْبِ'' سے مراد وہ چیزیں بھی ہوسکتی ہیں جن کے ذریعے، امورِ غیب کے علم وادراک تک پہنچا جاسکتا ہو۔'' لَايَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ '' کا معنی یہ ہے کہ ان مفاتح الغیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، امورِ غیب میں سے کسی شئ کے علم کا دعویٰ کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ مفاتح الغیب کی تفسیر ایک صحیح حدیث میں وارد ہے ،چنانچہ صحیحین میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[غیب کی چابیاں پانچ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی:

{ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَايَعْلَمُهَا إِلاَّ هُوَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَاتَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ إِلاَّ يَعْلَمُهَا وَلَاحَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَارَطْبٍ وَّلَايَابِسٍ إِلاَّ فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ } (الانعام:۵۹)

''وَيَعْلَمُ مَافِي الْبَرِّ'' میں ''البر'' سے مراد زمین کا خشکی والا حصہ ہے، خواہ وہ آباد ہو یا ایسا غیر آباد ہو کہ اس میں انسانوں، جانوروں یا پودوں وغیرہ کا کوئی وجود نہ ہو، چنانچہ خشکی کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، جبکہ '' الْبَحْرِ '' سے مراد سمندر کی ہر چیز ہے جیسے سمندر کے حیوانات یا جواہر وغیرہ، یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔''وَمَاتَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ '' سے مراد یہ ہے کہ بروبحر کے کسی بھی درخت کے کسی بھی پتے کا گرنا اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ تو یہ بھی جانتا ہے کہ وہ پتہ کب اور کہاں گرا۔

'' وَلَاحَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ '' سے مراد یہ ہے کہ تاریک زمین کے پیٹ میں موجود ہر دانہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔''وَلَارَطْبٍ وَّلَايَابِسٍ'' عموم بعد الخصوص ہے جس کا معنی یہ ہے کہ تمام موجودات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

''إِلاَّ فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ '' کا معنی یہ ہے کہ مذکورہ بالا اشیاء میں سے ہر شیٔ لوحِ محفوظ میں لکھی جاچکی ہے۔اس آیتِ مبارکہ کو پیش کرنے کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شی کا احاطہ کیئے ہوئے ہے،اس آیتِ کریمہ میں تقدیر کا اثبات بھی ہے، نیز یہ کہ ہر چیز لوحِ محفوظ میں لکھی جاچکی ہے۔

وقوله: { وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَاتَضَعُ إِلاَّ بِعِلْمِهٖ } (فاطر:١١)

وقوله: { لِتَعْلَمُوا أَنَّ الله عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ وَأَنَّ الله قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْئٍ عِلْمًا } (الطلاق:١٢)

وقوله: { إِنَّ الله هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوا الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ } (الذاريات:٥٨)

آیات کی تشریح

{ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَاتَضَعُ إِلاَّ بِعِلْمِهٖ } (فاطر:١١)

ترجمہ:''عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا تولد ہونا سب اس کے علم سے ہی ہے''

...شرح...

آیتِ کریمہ : '' وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَاتَضَعُ إِلاَّ بِعِلْمِهٖ '' سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ہر حمل اور وضعِ حمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے ، کوئی چیز اس کے علم وتدبیر سے خارج نہیں ، چنانچہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کوئی عورت کب حاملہ ہوئی اور کب اس حمل کو وضع کرے گی، نیز یہ کہ اس کا حمل لڑکا ہے یا لڑکی۔

{ لِتَعْلَمُوا أَنَّ الله عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ وَأَنَّ الله قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْئٍ عِلْمًا }

ترجمہ:'' تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہ اعتبار علم گھیر رکھا ہے۔

(الطلاق:١٢)

...شرح...

آیتِ کریمہ :'' لِتَعْلَمُوا أَنَّ الله عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ '' کی لام ، ماقبل آیت '' خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ '' سے متعلق ہے،اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اور سات زمینیں اس لئے پیدا فرمائیں تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا علم اور اندازہ ہوجائے۔ نیز تمہیں یہ بھی معلوم

ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شیٔ کو محیط ہے، اور کوئی چیز خواہ وہ کچھ بھی ہو اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں ہے، آیتِ کریمہ میں "عِلْماً" کا منصوب ہونا بر بنائے تمیز ہے یا پھر اگر احاط بمعنی علم ہو تو پھر بر بنائے مصدریت ہے۔

مذکورہ دونوں آیتوں کو پیش کر کے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے علم اور ایسی قدرت کا مالک ہے جو ہر شی کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔

{ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوا الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ } (الذاریات:۵۸)

ترجمہ: " اللہ تعالیٰ خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے" ...شرح... آیتِ کریمہ: "إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ "کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوقات کو روزی دینے والا اور ان کی مصلحتوں کا خیال رکھنے والا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے رزق کے خزانے بہت وسیع ہیں، لہذا ضروری ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی رازق نہیں ہو سکتا۔ " ذُوا الْقُوَّةِ "سے مراد ایسی قوت اور طاقت کا مالک جو ہر لحاظ سے مکمل ہے اور جسے کبھی بھی کسی قسم کا کوئی ضعف لاحق نہیں ہو سکتا۔ "الْمَتِيْنُ" وہ ذات ہے جو قوت اور قدرت کی انتہاء کو پہنچی ہوئی ہے، جس کو اپنے افعال میں کسی مشقت، کلفت اور تھکاوٹ لاحق نہیں ہوتی۔ لغوی اعتبار سے "متین" متانت سے ہے، جو شدت اور قوت کا معنی دیتا ہے۔

اس آیتِ کریمہ کو پیش کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کے اسمِ مبارک "الرزاق" کا اثبات ہے، نیز اللہ تعالیٰ ایک ایسی مکمل قوت کا مالک ہے جس میں کسی کمزوری یا تھکاوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ ان صفات سے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کے فرض ہونے کا استدلال بھی ہوتا ہے۔

۴۔اثبات السمع والبصر اللہ سبحانہ

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کیلئے صفتِ سمع اور صفتِ بصر کا اثبات

وقولہ: { لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ } (الشوریٰ:۱۱)

وقولہ: { إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا }

{ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ } (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ "اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سننے اور دیکھنے والا ہے"

...شرح...

پیش کردہ پہلی آیتِ مبارکہ '' لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ '' کا ابتدائی حصہ یوں ہے: '' فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ''

ترجمہ: ''وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے ان نے تمہارے لئے تمہاری جنس کے جوڑے بنادیئے ہیں اور چوپایوں کے جوڑے بنائے ہیں'' اس کی تفسیر میں امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر چیز کا جوڑا جوڑا بنانے والی اللہ تعالیٰ کی ذات جیسی کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا اور بے نیاز ہے جس کی کوئی مثال یا نظیر نہیں ہے ''وَهُوَ السَّمِيْعُ'' سے مراد تمام آوازیں سننے والا، ''الْبَصِيْرُ'' ہر چیز دیکھنے والا، جس پر زمین وآسمان کے کسی گوشہ کی کوئی چیز مخفی نہ ہو۔ امام شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

'' جو شخص اس آیتِ کریمہ پر کماحقہ تدبر کرکے اس کے صحیح معنی کے فہم کو حاصل کرلے تو وہ صفاتِ باری تعالیٰ میں اختلاف کرنے والوں کے اختلاف کے وقت انتہائی روشن اور واضح جادہ پر چلتا رہے گا، اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' کے صحیح معنی پر تأمل کے نتیجہ میں اس کی بصیرت میں مزید اضافہ ہوجائے گا؛ کیونکہ ''وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' نفیِ مماثل کے بعد اثباتِ صفات پر دلالت کو مشتمل ہے جس سے یقین کی قوت، سینوں کی شفاء اور دلوں کی ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے۔ تو طالبِ حق اس روشن حجت اور انتہائی قوی دلیل کی قدر کو پہچان لے، تو اس آیتِ کریمہ کے ذریعے بہت سی بدعات کی تفنید کرسکتا ہے، ضلالت کے بہت سے سروں کو کچل سکتا ہے اور متکلمین کے بہت سے گروہوں کی پیشانیوں کو خاک آلود کرسکتا ہے، خاص طور پہ اللہ تعالیٰ کے فرمان { وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا } کو بھی ساتھ ملائے رکھے (تو تیری حجت اہلِ باطل کے خلاف مزید قوی ہوجائے گی۔) ''

{ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا }

ترجمہ: ''یقیناوہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے بے شک اللہ تعالیٰ سنتا ہے، دیکھتا ہے'' (النساء:۵۸)

...شرح...

مؤلف رحمہ اللہ کی پیش کردہ دوسری آیت: '' إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ '' سے قبل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ''

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ! اور لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو!''

''نِعِمَّا'' دو الفاظ سے مرکب ہے، ایک ''نعم'' جو کلمہ مدح ہے، دوسرا ''ما'' جس کے بارہ میں دو قول ذکر کیئے گئے ہیں اور وہ دونوں صحیح ہیں، ایک یہ کہ ''ما'' نکرۂ موصوفہ ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا: '' جو اچھی چیزیں ہیں ان کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے''۔ دوسرا یہ کہ ''ما'' کو موصولہ قرار دیا جائے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: '' وہ چیزیں اچھی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے''۔ ''يَعِظُكُمْ'' ''بمعنی'' ''یأمرکم'' ہے، یعنی

اللہ تعالیٰ تمہیں امانتوں کو ادا کرنے اور لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔" إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا "یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ہر بات کو سننے والا اور ہر فعل کو دیکھنے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں کو پیش کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمع اور صفتِ بصر کا اثبات ہے، پہلی آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات سے مماثلت کی نفی بھی مذکور ہے، اس طرح یہ آیتِ کریمہ صفاتِ باری تعالیٰ میں نفی واثبات کو جمع کیئے ہوئے ہے (یعنی ہر صفتِ نقص کی نفی اور ہر صفتِ کمال کا اثبات۔

باب: ماجاء ان بعض ھذہ الامۃ یعبد الاوثان

باب: اس امت کے بعض افراد بت پرستی میں مبتلا ہوں گے

[اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض افراد بت پرستی میں مبتلا ہو جائیں گے] [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا﴾[النساء]

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کے علم کا کچھ حصہ دیا گیا؛ اور ان کا حال یہ ہے کہ جِبْت اور طاغُوت کو مانتے ہیں۔ اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ مؤمنوں سے تو یہی زیادہ صحیح راستے پر ہیں"[2]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ط مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ﴾[المائدۃ 60]

"آپ فرمادیں، کیا تمھیں بتادوں جن کا انجام اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر ہے؟ وہ جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر اللہ کا غضب ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور خنزیر بنادیا اور جنہوں نے طاغوت کی بندگی کی"[1]

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا﴾ [الکھف: 21]

''اور ان میں سے اپنی بات میں غالب آنے والے بولے: ہم تو ان کی غار پر ضرور مسجد (عبادت گاہ) بنائیں گے''[2] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْهُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْيَهُوْدُ وَ النَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ)) [3]

''تم پہلی امتوں کے راستوں پر چلو گے؛ اوریوں ان کی برابری کرو گے جیسے تیر کا ایک پر دوسرے پر کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ ضب (سانڈے) کے بل میں گھسے تو تم بھی جا گھسو گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی مراد یہود و نصاری ہیں؟ آپ نے فرمایا: اور کون؟۔'' حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا۔ وَ إِنَّ أُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِيْ مِنْهَا۔ وَ أُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ اَلْأَحْمَرَ وَ الْأَبْيَضَ۔ وَ إِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ لِأُمَّتِيْ أَنْ لَّا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ بِعَامَّةٍ۔ وَ أَنْ لَّا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحُ بَيْضَتَهُمْ۔ وَإِنَّ رَبِّيْ قَالَ: ((يَا مُحَمَّدُ إِذَا قَضَيْتُ قَضَآءً فَإِنَّهٗ لَا يُرَدُّ وَ إِنِّيْ أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَّاأُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَ أَنْ لَّا أُسَلِّطُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيْحُ بَيْضَتُهُمْ وَ لَوْ إِجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ بِأَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَ يُسْبِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔)) [4]

[1] بتوں کی پوجا، قبروں کی عبادت، اصحاب قبور/ درگاہ اورمزار والوں کو معبود سمجھنا /یعنی اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا یہ سب طاغوت کی عبادت ہے۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ امت محمدیہ کے بہت سے افراد قبروں، آستانوں، درختوں، پتھروں وغیرہ کی عبادت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ [2] جیسے ان لوگوں نے صالحین کی تعظیم میں غلو کیا اور ان کی غار پر اور قبروں پر مسجد بنالی، یہ امت بھی ضرور ایسے کام کریگی کیونکہ سابقہ امتوں نے جو بھی شرکیہ خصلت اختیار کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق یہ امت اس کو ضرور اختیار کریگی۔ [3] (صحیح البخاری، احادیث الانبیا، باب ماذکر عن بنی اسرائین، ح:3456 و صحیح مسلم، العلم، باب اتباع سنن الیھود و النصاری، ح:2669) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لتتبعن کا لفظ بول کر قسمیہ انداز میں انتھائی تاکید کے ساتھ یہ پیش گوئی فرمائی کہ یہ امت پھلی امتوں کے راستوں کی پیروی ضرور کریگی اور اس طرح ان سے برابری کرے گی جیسے تیر کا ایک پر دوسرے پر کے بالکل برابر ہوتا ہے۔ دونوں کے مابین کچھ فرق نھیں ہوتا۔ [4] (صحیح مسلم، الفتن، باب ھلاک ھذہ الامر بعضھم ببعض، ح:2889)

''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو اس حد تک سمیٹ دیا کہ میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لیے۔ میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین مجھے سمیٹ کر دکھائی گئی۔ اور مجھے سفید (چاندی) اور سرخ (سونا) دو خزانے عطا کیے گئے۔ اور میں نے اپنی امت کے لیے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ عام قحط سالی سے اسے ہلاک نہ کرے۔ اور ان پر کوئی ایسا بیرونی دشمن بھی مسلط نہ کرے جو نھیں تباہ کر کے رکھ دے۔ میرے رب نے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) جب میں کوئی فیصلہ کر دیتا ہوں تو اسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ میں آپ کی مت کے بارے میں آپ کی یہ دعا قبول کرتا ہوں کہ

میں انہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان پر کوئی ایسا بیرونی دشمن بھی مسلط نہیں کروں گا جو انھیں تباہ کر کے رکھ دے اگرچہ سارے دشمن ان کے خلاف متحد اور مجتمع کیوں نہ ہو جائیں۔ البتہ یہ خود آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بھی بنائیں گے۔"[1] اور اس حدیث کو امام حافظ البرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب الصحیح میں روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے:

((وَإِنَّمَا أَخَافُ عَلٰى أُمَّتِيْ الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ وَإِذَا وَقَعَ عَلَيْهِمُ السَّيْفُ لَمْ يُرْفَعْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَلْحَقَ حَيٌّ مِّنْ أُمَّتِيْ بِالْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى تَعْبُدَ فِئَامٌ مِّنْ أُمَّتِي الْاَوْثَانَ وَإِنَّهٗ سَيَكُوْنَ فِيْ أُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهٗ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ عَلَى الْحَقِّ مَنْصُوْرَةٌ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى۔))[2]

"مجھے اپنی امت کے بارے میں صرف گمراہ پیشواؤں کا خدشہ ہے۔ اور جب ان میں ایک دفعہ تلوار چل پڑی تو قیامت تک بند نہ ہو گی اور قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہو گی جب تک میری امت کی ایک بڑی جماعت مشرکین سے نہ جا ملے اور میری امت کے بہت سے گروہ بت پرستی نہ کرنے لگیں۔ اور میری امت میں تیس(30) دجال پیدا ہوں گے۔ وہ سب نبوت کا دعوی کریں گے، حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اور میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ (قیامت تک) حق پر رہے گا اور ان کی (اللہ تعالی کی طرف سے) مدد کی جائیگی۔ اور ان کا ساتھ چھوڑ جانے والے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے"[3]

اس باب کے مسائل

1۔ اس بحث سے سورہ نسا کی آیت (51) کی تفسیر واضح ہوئی۔

2۔ اور سورہ مائدہ کی آیت (60) کی تفسیر واضح ہوئی۔

[1] (صحیح مسلم، الفتن، باب ھلاک ھذہ الامۃ بعضھم ببعض، ح:2889) [2] (سنن ابی داود، الفتن والملاحم، باب ذکر الفتن و دلائلھا، ح:4252 و مسند احمد: 5/ 278، 284) [3] گمراہ پیشواؤں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں انسانوں نے دین یا سلطنت میں اپنے پیشوا بنا رکھا ہے جن کے ہاتھ میں انسانوں کی باگ ڈور ہے اور وہ بدعات و شرکیات کے ذریعے گمراہی پھیلاتے اور لوگوں کی نظروں میں اس قدر مستحسن کر کے دکھاتے ہیں کہ وہ انہیں حق ہی سمجھنے لگتے ہیں۔

3۔ اور سورہ کہف کی آیت (21) کی تفسیر معلوم ہوئی۔

4۔ جبت (بت) اور طاغوت (شیطان) پر ایمان لانے کا مفہوم اچھی طرح واضح ہوا کہ اس سے صرف قلبی اعتقاد مراد ہے یا ان سے نفرت اور ان کے بطلان کا عقیدہ رکھتے ہوئے بظاہر ان کی موافقت؟

5۔ یہود کی یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اپنے کفر سے واقف کفار، اہل ایمان سے زیادہ صحیح راہ پر ہیں۔

6۔ اس امت میں بھی وہی برائیاں پائی جاتی ہیں جو گزشتہ امتوں میں تھیں، جیسا کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہے۔

7۔ اس امت کے بہت سے لوگ بت پرستی میں مبتلا ہوں گے۔

8۔ تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ مختار ثقفی جیسا شخص نبوت کا دعوی کرنے لگا حالانکہ وہ توحید و رسالت کا معترف اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کا دعوی کرتا اور مانتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برحق اور قرآن کریم سچی کتاب ہے۔ اور اس قرآن میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ اس کی باتوں میں اس قدر واضح تضاد کے باوجود لوگ اس کی تصدیق کرتے رہے۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے آخری دور میں ظاہر ہوا اور بہت سے لوگوں نے اس کی پیروی کی۔

9۔ اس حدیث میں یہ بشارت بھی ہے کہ امت محمدیہ سے کلی طور پر حق مٹ نہیں جائے گا جیسا کہ سابقہ زمانوں میں متعدد مرتبہ ایسا ہوا؛ بلکہ اس کے برعکس اس امت میں ایک جماعت قیامت تک حق پر قائم رہے گی۔

10۔ اس میں ایک پیش گوئی اور اہل حق کی ایک علامت یہ بیان ہوئی ہے کہ اہل حق کی قلت کے باوجود ان کا ساتھ چھوڑ جانے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔

11۔ یہ پیش گوئی قیامت تک برقرار رہے گی۔

12۔ اس حدیث میں مندرجہ ذیل اہم باتیں بطور خاص بیان ہوئی ہیں:

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ دیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بیان فرمایا وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوا بخلاف شمال و جنوب کے (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر ہی نہیں فرمایا)

☆ آپ کا یہ فرمان کہ مجھے دو خزانے عطا کیے گئے ہیں۔ ایک سفید (چاندی) اور ایک سرخ (سونا) (گویا ساری دنیا کے خزانے یے گئے)

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ امت کی بابت آپ کی پہلی دو دعائیں قبول ہو گئیں۔ اور تیسری دعا قبول نہیں ہوئی۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش گوئی بھی فرمائی کہ جب اس امت میں تلوار چلی تو قیامت تک نہ رکے گی۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ میری امت کے لوگ ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قیدی بھی بنائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے بارے میں گمراہ پیشواؤں کا خدشہ بھی ظاہر کیا۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ اس امت میں نبوت کے جھوٹے دعوے دار (جھوٹے نبی) پیدا ہوں گے۔

☆ آپ کا خبر دینا کہ ایک طائفہ منصورہ (اللہ کی طرف سے مدد کی ہوئی) جماعت قیامت تک موجود رہے گی۔ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق یہ تمام باتیں حرف بحرف پوری ہوئی ہیں، حالانکہ عقلی طور پر ان تمام باتوں کا وقوع پذیر ہونا بڑا مشکل اور بہت بعید ہے۔ 13۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے صرف گمراہ پیشوا طبقہ سے ضلالت وگمراہی کا خطرہ محسوس کیا۔ (ہدایت یافتہ پیشواؤں سے نہیں) 14۔ عبادت اوثان یعنی بت پرستی کا صحیح معنی اور حقیقی مفہوم بھی اچھی طرح واضح ہوا۔

اس باب کی شرح:

باب: اس امت کے بعض افراد بت پرستی میں مبتلا ہوں گے

اس باب کا یہ عنوان قائم کرنے کا مقصد شرک کا خوف دلانے اور اس سے خبر دار کرنا ہے۔ اور یہ کام حقیقت میں اس امت میں ہو کر رہنے والا ہے۔ اس میں ان لوگوں پر بھی رد ہے جو کہتے ہیں: جس نے لا إلہ إلا اللہ کا اقرار کیا؛ اور وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے؛ تو وہ اسلام پر ہی باقی رہے گا؛ بھلے وہ ایسے کام کرے جو اسلام کے منافی ہوں؛ جیسے اہل قبور سے مشکل کشائی چاہنا؛ مشکلات میں انہیں پکارنا وغیرہ؛ اور پھر اسے عبادت نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے وسیلہ کا نام دیا جاتا ہے۔ بیشک ایسا کرنا باطل ہے۔ بیشک وثن "یعنی صنم" ایک جامع نام ہے؛ جو ہر اس چیز کو شامل ہے اللہ کے علاوہ جس کی پوجا کی جائے؛ اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ کوئی درخت ہو یا پتھر ہو یا کوئی عمارت۔ یا انبیاء میں سے کوئی نبی ہو یا اولیاء اللہ صالحین میں سے کوئی ولی ہو؛ یا کوئی دوسرا ہو۔ درحقیقت یہ چیز یعنی "عبادت" صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ پس جو کوئی غیر اللہ کو پکارتا ہے؛ اور یا اس کی عبادت کرتا ہے؛ تو وہ اس کو اپنا صنم اور معبود بناتا ہے؛ اور ایسا کرنے سے وہ دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اب اس کا اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنا کوئی کام نہیں آتا۔ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں؛ مگر حقیقت میں وہ کافر اور مشرک یا ملحد اور منافق ہیں۔ یہاں پر اعتبار دین کی اصل روح کی بنیاد پر ہے نہ کہ ان الفاظ اور اسماء کے اعتبار سے جن کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

بَابُ: مَا جَآءَ فِي السِّحر

باب: جادو کا بیان[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ (البقرۃ: ۱۰۲)

"یقیناً وہ جانتے تھے؛ جو اس چیز کا خریدار بنا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔" نیز اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی بابت فرمایا:

﴿يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ﴾ [النساء 51]

"وہ جادو اور شیطان پر ایمان رکھتے تھے۔"

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "الجبت جادو اور الطاغوت شیطان ہے"[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:" طاغوت وہ کاہن ہیں جن پر شیطان اترتا تھا۔ اور ہر قبیلے کا الگ الگ کاہن ہوتا تھا"[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اجتنِبوا السبع الموبِقاتِ، قالوا: یا رسول اللہِ صلی اللہُ علیہ وسلم! وما ہن؟ قال: الشِرکُ بِاللہِ، والسِحر، وقتل النفسِ التِی حرم اللہ إلا بِالحقِ، وأکل الرِبا، وأکل مالِ الیتِیمِ، والتولِی یوم الزحفِ، وقذف المحصناتِ المؤمِناتِ الغافِلاتِ۔))[4]

[1] جادو کی حقیقت: جادو میں کسی چیز کی تاثیر میں شیطان سے خدمت لی جاتی ہے۔ کوئی جادو گر جب تک شیطان کا دوست، مقرب اور محبوب نہ ہو، اس کا جادو کارگر نہیں ہوسکتا۔ جب وہ شیطان کا مقرب بن جاتا ہے تو شیاطین اس طرح اس کی خدمت کرتے ہیں کہ وہ مسحور (جس پر جادو کیا جائے اس) کے بدن پر اثر انداز ہوجاتے ہیں۔ لھذا کوئی جادو گر شیاطین کے تقرب کے بغیر جادو گر نہیں بن سکتا۔ اسی لیے جادو کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کہا گیا ہے۔ [2] جادو گر توحید کے عوض جادو خریدتا ہے۔ گویا وہ توحید کو اپنے اس سودے (جادو) کی قیمت کے طور پر ادا کر ڈالتا ہے۔ اسی لیے توحید سے محروم مشرک کی طرح جادو گر کے لیے بھی آخرت میں کچھ نہیں ہوگا۔ اہل کتاب کے جادو پر ایمان لانے کی بنا پر اس آیت میں ان کی مذمت کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر کے ان پر ناراضی کا اظہار کیا ہے۔ پس جادو حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔ چونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک کیا جاتا ہے۔ [3] (اخرجه الطبری فی التفسیر، برقم: 5834؛ (اخرجه ابن ابی حاتم فی التفسیر کما فی الدر المنثور: 2/ 22 ورواہ البخاری فی الصحیح معلقا، فتح الباری: 8/ 317)) [4] (صحیح البخاری، اوصایا، باب قوله تعالیٰ (إن الذِین یأکلون أموال الیتامی ظلما) ح: 2766، 5764 و صحیح مسلم، الایمان، باب الکبائر و اکبرھا، ح: 89)۔

"سات مہلک کاموں سے بچ کر رہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ سات کام کون کون سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: (1) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (2) جادو کرنا (3) اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق قتل کرنا (4) سود خوری (5) یتیموں کا مال کھانا (6) کفار سے مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا۔ (7) پاک دامن اور عفت مآب اہل ایمان عورتوں پر تہمت طرازی"[1] حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حدُّ السَّاحِرِ ضرب بِالسیفِ) [2]

"جادوگر کی حد (سزا) یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔" امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " صحیح بات یہ ہے کہ روایت موقوف (صحابی کا قول) ہے۔" صحیح بخاری میں حضرت بجالہ بن عبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

((کَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنِ اقْتُلُوْا کُلَّ سَاحِرٍ وَّ سَاحِرَۃٍ)) قَالَ: فَقَتَلْنَا ثَلَا ثَ سَوَاحِرَ۔))[3]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں لکھا کہ ہر جادوگر مرد اور عورت کو قتل کر دو۔ آگے بجالہ فرماتے ہیں سو ہم نے تین جادوگرنیوں کو قتل کیا۔" سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے:

((أَنَّهَا أَمَرَتْ بِقَتْلِ جَارِيَةٍ لَّهَا سَحَرَتْهَا فَقُتِلَتْ))(الموطا للامام مالک، ح:46)

"بیشک آپ نے اپنی ایک لونڈی کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس نے انہیں جادو کر دیا تھا۔" چنانچہ اسے قتل کر دیا گیا تھا۔" اسی قسم کا قول جندب رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " جادوگر کو قتل کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صحابہ (جندب، عمر اور حفصہ) رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے۔"

[1](صحیح البخاری، الوصایا، باب قوله تعالیٰ (إن الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما) ح:2766، 5764 و صحیح مسلم، الایمان، باب الکبائر و اکبرها، ح:89)۔ [2] (جامع الترمذی، الحدود، باب حد الساحر، ح:1460) [3] (صحیح البخاری، الجزیة والموادعة، باب الجزیة والموادعة مع اهل الذمة و الحرب، ح:3156 وسنن ابی داود، الخراج، باب فی اخذ الجزیة من المجوس، ح:3043 ومسند احمد:1/ 190، 191 واللفظ له) جادو گر کسی بھی نوعیت کا ہو اس کی سزا قتل ہی ہے۔ درحقیقت یہ مرتد کی سزا ہے۔ چونکہ جادو میں شرک لازی طور پر پایا جاتا ہے اور شرک کا ارتکاب کرنے ولا مرتد ہوتا ہے اور اس کا خون اور مال حلال ہو جاتے ہیں [اس کی عزت و عصمت اور حرمت و حفاظت باقی نہیں رہتی] اس لیے جادوگر کی یہ سزا اس کے مشرک اور مرتد ہونے کی بنا پر ہے۔

اس باب کے مسائل:

1۔ اس باب میں سورہ بقرہ کی آیت 102 کی تفسیر ہے [جس میں جادوگروں کا انجام بیان کیا گیا ہے]۔

2۔ سورہ نسا کی آیت 51 کی تفسیر بھی ہوئی۔ [جس میں بیان ہے کہ یہود، جادو اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں]۔

3۔ جبت اور طاغوت کے معانی اور ان کے مابین فرق بھی واضح ہوا۔

4۔ طاغوت، کبھی جن بھی ہوتے ہیں اور کبھی انسان بھی۔

5۔ مذکورہ حدیث سے ان سات کاموں کا بھی علم ہوا جو انتہائی مہلک اور خاص طور پر ممنوع ہیں۔

6۔ یہ کہ بیشک جادوگر کافر ہے۔

7۔ جادوگر کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اسے توبہ اور رجوع کی مہلت بھی نہ دی جائے۔

8۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی جادوگر موجود تھے تو اس سے بعد کے ادوار میں کیا حال ہو گا؟

باب: بیان شئ من انواع السحر

باب: جادو کی چند اقسام کا بیان[1]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سیدنا مخارق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((إِنَّ الْعِيَافَةَ وَالطَّرْقَ وَالطِّيَرَةَ مِنَ الْجِبْتِ۔))[2]

"بیشک پرندوں کو اڑانا، زمین پر خطوط کھینچنا اور کسی کو دیکھ کر فالِ بد لینا، سب جادو کی اقسام ہیں۔" پرندوں کو اڑا کر فال لینا، زمین پر لکیریں کھینچنا (علم رمل) اور کسی چیز کو دیکھ کر بدفالی بدشگونی لینا، یہ سب جادو کی اقسام ہیں۔ عوف فرماتے ہیں: العِیافہ: سے مراد ہے پرندے اڑا کر فال لینا۔ والطرق: سے زمین پر لکیریں کھینچنا مراد ہے۔ [یہ علم آج کل علم رمل کہلاتا ہے]۔

[1]لغوی طور پر جادو لفظ عام ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسی چیزوں کو بھی جادو ہی کہا ہے جو نہ حقیقی جادو ہیں اور نہ ہی ان پر جادو والے حکم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے درجات مختلف ہیں۔ جادو کی ان اقسام میں فرق جاننا انتہائی ضروری ہے۔اسی تفریق کے لیے مصنف نے یہ باب قائم کیا ہے۔ جادوگر جب کسی شخص کو نشانہ بنانا چاہے تو دھاگہ لے کر اسے گرہ دیتے جاتے ہیں اور ہر گرہ پر کچھ نہ کچھ پڑھ کر پھونک مارتے جاتے ہیں۔ جس سے وہ اپنے اس قبیح عمل میں کامیاب ہو جاتے ہیں ان کے اس گرہ دینے کی طرف قرآن کریم نے بھی اشارہ کیا ہے۔ چغلی کو جادو اس لئے کہا گیا ہے کہ چغل خور بھی جادوگر کی طرح اپنی باتوں اور عمل سے مکر وحیلہ کر کے دوسرے کو اسی طرح اذیت اور تکلیف پہنچانا چاہتا ہے اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ چغلی انتہائی اذیت رساں فعل ہے۔ بعض اوقات چغلی جادو سے بھی زیادہ سنگین اور اذیت رساں ثابت ہوتی ہے۔ البتہ جادوگر کو جادو کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ خاص فعل ہے۔لیکن چغل خور کو اس معنی میں جادوگر نہیں کہا جا سکتااور نہ ہی کافر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے لئے وہی حکم لگایا جائے گا جو کہ اس عمل یا اس کے اثر کے مطابق ہوگا۔ علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''غیبت اور چغلی کی حرمت پر علمائے اہل سنت کا اتفاق ہے البتہ خیر خواہی کے لئے غیبت جائز ہے۔ اور ان کے کبائر میں سے ہونے پر بھی حجت اور دلیل پائی گئی ہے۔'' فصاحت و بلاغت: صعصعہ بن صوحان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کیونکہ بعض اوقات مدعا علیہ اصل حق دار کی نسبت تیز کلام اور چرب زبان ہونے کی وجہ سے ، سامعین کو مسحور اور قائل کر کے دوسرے کا حق چھین لیتا ہے''۔ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' بعض اہل علم نے اس بنا پر فصاحت کی مذمت کی ہے کیونکہ یہ جادو کی ایک قسم ہے اور جادو بذات خود مذموم ہے۔'' اکثر اہل علم اور اہل ادب کی ایک جماعت نے فصاحت کی تاویل مدح سے کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بیان کی تعریف فرمائی ہے۔ ایک دفعہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک سائل آیا اور اس نے اپنے سوال کو انتہائی فصاحت و بلاغت سے پیش کیا ؛ تو آپ نے فرمایا: '' واللہ یہ جادو ہے۔ لیکن حلال ہے ''۔ بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فصاحت و بلاغت میں بھی جادو کا اثر ہوتا ہے۔ [2] (سنن أبي داود، الكهان والتطير، باب في الخط وزجر الطير، ح:3907)

الجبت: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شیطانی آہ و بکا اور چیخ پکار جبت ہے۔" حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ النُّجُوْمِ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ۔))[1]

"جس نے علم نجوم کا کچھ حصہ سیکھا، اس نے اسی قدر جادو سیکھا۔ جو جتنا زیادہ سیکھتا جائے، اس کی وجہ سے گناہ میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جائے گا۔" سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ فرماتے ہیں:

((مَنْ عَقَدَ عُقْدَۃً ثُمَّ نَفَثَ فِیْھَا فَقَدْ سَحَرَ وَمَنْ سَحَرَ فَقَدْ أَشْرَکَ وَمَنْ تَعَلَّقَ شَیْئًا وُکِلَ إِلَیْہِ۔))[2]

"جس نے گرہ باندھ کر اس پر پھونک ماری، تحقیق اس نے جادو کیا۔ اور جس نے جادو کیا وہ شرک کا مرتکب ہوا۔ اور جو کوئی (اپنے گلے، ہاتھ، بازو وغیرہ پر) کوئی چیز (باندھے یا) لٹکائے تو اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔" حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا ھَلْ أُنَبِّئُکُمْ مَا الْعَضْۃُ؟ ھِیَ النَّمِیْمَۃُ۔ اَلْقَالَۃُ بَیْنَ النَّاسِ۔))[3]

"کیا میں تمہیں نہ بتلاؤں کہ جادو کیا ہے؟ (پھر فرمایا): وہ چغلی ہے "یعنی لوگوں کے درمیان فتنہ کی باتیں کرنا۔" حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا)) [4]

"بیشک کسی کسی کے بیان کرنے میں بھی جادو کی سی تاثیر ہوتی ہے۔"

اس باب کے مسائل

1۔ اس باب سے معلوم ہوا کہ العِیافۃ، الطرق اور الطِیرۃ سب جادو کی اقسام ہیں۔

2۔ العِیافۃ، اور الطرق کا معنی ومفہوم بھی خوب واضح ہوا۔

3۔ علم نجوم جادو ہی کی ایک صورت ہے۔

4۔ گرہ لگانا اور پھونک مارنا بھی جادو کی ایک شکلیں ہیں۔

5۔ چغلی بھی جادو کی ایک صورت ہے۔

) [1]سنن ابی داود، الکھان و الطیر، باب فی النجوم، ح:3905) [2] [سنن النسائی، تحریم الدم، باب الحکم فی السحر، ح:3084)] [3] (صحیح مسلم، البر والصل ولادب، باب تحریم النمیم ح:2606 و مسند احمد، 1/437) [4] [صحیح البخاری، النکاح، باب الخطب، ح:5146، مسند احمد:2/16)

6۔ بعض لوگوں کا فصیح وبلیغ کلام، بسا اوقات جادو کی سی تاثیر رکھتا ہے۔

ان دوابواب کی شرح:

جادو کو توحید کے ابواب میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جادو کی بہت ساری اقسام کا شرک اور شیطانی ارواح کے توسل کے بغیر جادو کے مقاصد میں کارگر ہونا ممکن نہیں۔ پس انسان کے ہاں توحید اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک وہ جادو کو بالکل ہی ترک نہ کردے؛ خواہ وہ جادو تھوڑا ہو یا زیادہ۔ یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے جادو کو شرک کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔ اس میں جادو دو طرح سے داخل ہوتا ہے: اول: اس میں شیاطین سے کام لیا جاتا ہے؛ اور ان سے تعلق رکھا جاتا ہے۔ اور بیشتر اوقات ان شیاطین کے پسندیدہ کام کرنے پڑتے ہیں تاکہ وہ اس کا مطلب پورا کرنے میں اس کی خدمت کریں۔ دوم: اس میں علم غیب جاننے کا دعوی کیا جاتا ہے؛ جو کہ در حقیقت علم میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشارکت کا دعوی ہے؛ اور پھر اس علم تک رسائی کے لیے ایسے راستے اپنائے جاتے ہیں۔ اور ایسا کرنا کفر و شرک کی ایک شاخ ہے۔ نیز جادو میں کئی حرام کام کئے جاتے ہیں۔ اور نازیبا و ناشائستہ حرکتیں کی جاتی ہیں؛ جیسے منتر وغیرہ کرکے دو محبت کرنے والوں میں جدائی ڈالنا؛ دلوں پر اثر انداز ہونا؛ محبت اور میلان پیدا کرنا؛ اور عقول و سمجھ میں تبدیلی لانا۔ یہ سب سے بڑا حرام کام ہے۔ اور ایسا کرنا شرک اور اس کے وسائل میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جادو گر کے اتنے بڑے فساد اور خرابی اور ضرر رسانی کی وجہ سے اس کی متعین سزا قتل کر دینا ہے۔ اور جادو کی ہی اقسام میں سے ایک قسم؛ بہت زیادہ لوگ جس کا شکار ہیں؛ وہ چغل خوری ہے۔ کیونکہ چغل خوری بھی لوگوں کے مابین جدائی اور نفرت ڈالنے کے کام میں جادو کی ہم پلہ ہے۔ اس سے محبت کرنے والوں کے دلوں میں تغیر واقع ہوتا ہے اور شر و فساد کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ پس جادو کی کئی انواع و اقسام ہیں؛ جن میں سے کچھ اقسام انتہائی زیادہ قبیح اور گری ہوئی ہیں۔

باب: ماجاء فی الکُہّان و نحوهم

باب: کاہنوں اور دیگر لوگوں کا بیان☆

[اس باب میں کہانت اور غیب دانی کے بارے میں احکام شریعت کے وضاحت کی گئی ہے]

صحیح مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات سے مروی ہے کہ رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ أَتٰی عَرَّافًا فَسَأَلَهٗ عَنْ شَیْءٍ فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوۃُ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا۔))[1]

''جو شخص کسی نجومی کے پاس گیا؛ اور اس سے کسی چیز کا پوچھا اور اس کی بات کی تصدیق بھی کی تو اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہو گی۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من أتی کاہِنا فصدقه بِما یقول فقد کفر بِما أُنزِلَ علی محمد صلی اللهُ علیه وسلم۔))[2]

"جو شخص کسی کاہن کے پاس گیا؛اور اس کی باتوں کی تصدیق کی؛تو یقیناً اس نے اس کا کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔"[اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے] سنن اربعہ اور مستدرک حاکم میں روایت ہے: جسے امام حاکم نے امام بخاری اورامام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح کہا ہے؛ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

☆کہانت یعنی غیب کی خبریں جاننے کا دعوی کرنا اور لوگوں کو غیب کی خبریں دینا توحید کے منافی ہے۔کاہن درحقیقت مشرک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جنات کی عبادت کرکے، ان کا تقرب اور خوشنودی حاصل کرکے ان کی خدمات حاصل کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اسے بعض پوشیدہ اور مخفی باتیں بتاجاتے ہیں۔ قبل از اسلام بنیادی طور پر کاہن وہ ہوتے تھے جن کے متعلق لوگوں کا اعتقاد ہوتا کہ وہ نیک اور اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں اور مستقبل میں، زمین پر یا کسی کے ساتھ جو امور پیش آنے والے ہیں وہ ان سے واقف ہیں۔اس لیے لوگ ان کاہنوں سے ڈر کر ان کی خوب تعظیم کیا کرتے تھے۔

) [1]صحیح مسلم، السلام، باب تحریم الکھان و اتیان الکھان، ح:2230 دون قولہ فصدقہ فھو عند احمد فی المسند:3/ 68 ، 5/ 380)۔ نماز کی عدم مقبولیت کا مفہوم: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجومیوں سے احوال دریافت کرنااور ان کی باتوں کو سچ جاننا اتنا بڑا جرم ہے کہ چالیس دن تک ایسے شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی۔یعنی وہ نماز ادا کرے تو اس کی طرف سے ادا تو ہو جائے گی؛اور اس پر ان نمازوں کی قضا بھی واجب نہیں گی؛ مگر اسے اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ نجومی سے احوال دریافت کرنے کا گناہ چالیس دنوں کی نمازوں کے ثواب کے برابر ہے اور یہ گناہ اس ثواب کو مٹا ڈالتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نجومی سے احوال دریافت کرنے والا اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا نہ کرے ، وہ بھر صورت گناہ گار ہے۔ [2] (سنن ابی داود، الکھان والتطھیر، باب فی الکھان، ح:3904)۔

((من أتی عرافاً کاہِناً فصدقہ بِما یقول فقد کفر بِما أُنزِلَ علی محمد صلی اللہُ علیہ وسلم۔))[1]

"جس نے کسی نجومی یا کاہن کے پاس جاکر اس کی باتوں کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا ہے۔"
حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَطَیَّرَ أَوْ تُطُیِّرَلَہٗ أَوتَکَھَّنَ أَوْ تُکُھِّنَ لَہٗ ؛ أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَلَہٗ وَمَنْ أَتٰی کَاھِنًا فَصَدَّقَہٗ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ بِمَآ أُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صلی اللہُ علیہ وسلم۔))[2]

" جو شخص خود فال نکالے یا اس کے لئے فال نکالی جائے یا خود کاہن بنے یا اس کے لئے کاہن تجویز کرے یا جو شخص خود جادو گر ہو یا اس کے لئے جادو کیا جائے؛وہ ہم میں سے نہیں۔اور جو شخص کسی کاہن کے پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے تو گویا اس نے شریعت محمدیہ سے کفر کا ارتکاب کیا [3]"

اس حدیث کو بزار نے بسند جید روایت کیا ہے۔ جبکہ یہی حدیث، امام الطبرانی نے المعجم الاوسط میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔اس میں من اتی کاھنا سے آخر تک کے الفاظ نہیں ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((اَلْعَرَّافُ الَّذِی یَدَّعِیْ مَعْرِفَةَ الْاُمُوْرِ بِمُقَدَّمَاتٍ یُّسْتَدَلَّ بَهَا عَلَی الْمَسْرُوْقِ وَمَکَانَ الضَّآلَّةِ وَنَحْوِ ذٰلِکَ۔))

"عراف وہ ہے جو علامات کی روشنی میں چوری شدہ یا گم شدہ چیز کی نشان دہی یا اسی طرح کے دوسرے امور کی معرفت کا دعوی کرے۔"

بعض اہل علم فرماتے ہیں:" عراف اور کاہن ایک ہی ہوتا ہے یعنی وہ شخص جو مستقبل میں رونما ہونے والے امور کی خبر دیتا ہے۔

بعض نے کہا کہ:" جو دل کی بات بتائے وہ کاہن کہلاتا ہے۔"

ابو العباس ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عراف ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق کاہن، نجومی، رمال[لکیریں کھینچنے والے]اور اس قسم کے تمام لوگوں پر ہوتا ہے۔ جو اپنے اپنے طریقوں سے بعض امور وواقعات کی خبر دیتے ہیں"[4]

) [1]مسند احمد: 2/ 429، و المستدرک للحاکم: 1/ 8 و سنن الکبری للبیهقی:8/ 135) [2] (مسند البزار، ح:3044؛ سند جید؛ و مجمع الزوائد، الطب، باب فی السحر و الکهان ....ح:8480) [3] مذکورہ تمام اعمال حرام ہیں اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ اعمال کبیرہ گناہوں میں ہیں۔ کاہن کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کے متعلق نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ:'' اس نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر کیا۔'' کیونکہ کاہن کی تصدیق کرنے سے شرک اکبر میں اس کا تعاون پایا جاتا ہے۔ یہ تو اس شخص کے بارے میں وعید ہے جو کاہن کے پاس جا کر اس سے کچھ دریافت کرے۔ رہا خود کاہن؛ تو اس کے متعلق ذکر کیا جاچکا ہے کہ وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوتا ہے۔ [4] فتاوی ابن تیمیہ:35/173 کاہن بات کرتے اور بتاتے وقت یوں اظہار کرتا ہے گویا وہ یہ باتیں اپنے علم کی بنیاد پر کہہ رہا ہے۔ اس سے سامع دھوکا کھاجاتا ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ اسے یہ علم جنات سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر کمزور عقیدہ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کاہنوں کے پاس خصوصی علم اور فن ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔ اس لیے وہ مستقبل کے احوال سے واقف ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((فِیْ قَوْمٍ یَکْتُبُوْنَ أَبَا جَادٍ وَیَنْظُرُوْنَ فِي النُّجُوْمِ مَآ أَرٰی مَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ خَلَاقٍ))

"جو لوگ حروف ابجد لکھ کر حساب کرتے اور نجوم (ستاروں) سے رہنمائی لیتے ہیں میرے خیال میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔"

اس باب کے مسائل

1۔ یہ معلوم ہوا کہ قرآن پر ایمان اور کاہنوں کی تصدیق یہ دونوں باہم متضاد ہیں، اس لیے یہ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

2۔ یہ صراحت بھی ہے کہ کاہن کی تصدیق کرنا کفر ہے۔

3۔ کہانت کروانے والے کا بیان۔

4۔ فال نکلوانے والے کا بیان۔

5۔ اور جادو کروانے والے کا حکم بھی معلوم ہو گیا[کہ وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہیں]۔

6۔ علم ابجد کی مذمت بھی بیان ہوئی ہے۔

7۔ کاہن اور عراف کے مابین فرق کی وضاحت کی گئی ہے۔

اس باب کی شرح:

باب: کاہنوں اور دیگر لوگوں کا بیان

کاہن وہ ہے جو کسی بھی طرح سے علم غیب جاننے کا دعوی کرتا ہو۔ اس لیے کہ غیب کا علم جاننے میں اللہ تعالیٰ منفرد ہیں۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس علم میں شریک ہونے کا دعوی کرے؛خواہ وہ کہانت سے ہو؛ یاہاتھ کی لکیریں وغیرہ دیکھ کر؛ یاان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے؛ یا جو کوئی ایسے کسی دعوی کی تصدیق کرے؛تویقیناًوہ اس چیز میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا خاص حق ہے۔ اور وہ اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو جھٹلاتا ہے۔

اور بہت سارے وہ کاہن جن کا تعلق اور رابطہ شیاطین سے ہوتا ہے؛ان کی حرکات کسی بھی طرح شرک سے خالی نہیں ہوتی۔ وہ ان واسطوں کی قربت حاصل کرتے ہیں جن سے وہ علم غیب کے دعوی کو سچ ثابت کرنے کے لیے مدد حاصل کر سکیں۔ پس یہ کام ایک تواس اعتبار سے شرک ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص علم میں اس کا شریک ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے۔ اور دوسرا اس لیے کہ اس میں غیر اللہ کی قربت حاصل کی جاتی ہے۔ اس میں درحقیقت شارع علیہ السلام نے مخلوق کو ان خرافات سے دور رکھا ہے جن کی وجہ سے عقول میں اور ادیان میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔

باب: ماجآء فی النشرۃ

باب: جادو سے جادو کے علاج کی ممانعت[1]

[اس باب میں جادو وغیرہ اور جنوں کو نکالنے کے علاج کے متعلق امور کا ذکر کیا گیاہے۔]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سُئِلَ عَنِ النُّشْرَةِ ؟ فَقَالَ: ((هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔))[2]

"بیشک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے متعلق پوچھا گیا؟ تو آپ نے فرمایا: " یہ شیطانی عمل ہے۔"

اور امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((سُئِلَ أَحْمَدُ عَنْهَا فَقَالَ: ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَكْرَهُ هٰذَا كُلَّهُ۔))

" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مسئلہ پوچھا گیا تو فرمایا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان سب کاموں کو ناجائز کہتے تھے "[3]

صحیح بخاری میں ہے: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((قلت لابن المُسَيِّب: رَجُلٌ بِهٖ طِبٌّ أَوْ يُؤَخَّذُ عَنْ إِمْرَأَتِهٖ، أَيُحَلُّ عَنْهُ أَوْ يُنَشَّرُ ؟

قَالَ لَا بَأْسَ بِهٖ إِنَّمَا يُرِيْدُوْنَ بِهِ الْإِصْلَاحَ فَأَمَّا مَا يَنْفَعُ فَلَمْ يُنْهَ عَنْهُ)) [4]

" میں نے ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: اگر کسی پر جادو کا اثر ہو یا کوئی ایسا ٹونا جس کے سبب وہ اپنی بیوی کے

[1] جس شخص پر جادو کا اثر ہو، اس کا علاج کرنے کو النشرہ یعنی جادو اتارنا کہتے ہیں۔اس کی دو قسمیں ہیں: جائز اور ناجائز۔ اگر مریض کے کسی عضو پر جادو کا اثر ہو، اور اس کا علاج قرآن کریم ، ادعیہ مسنونہ، اور اطباء کی دواؤں سے کیا جائے تو یہ جائز ہے۔ نشرہ ممنوعہ: یعنی جادو کے ذریعہ جادو کا علاج کیا جائے اور اس کا اثر زائل کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ علاج کرنے والا بھی جادو گر ہی ہوگا جو اس سلسلہ میں جنات کی طرف رجوع کریگا، ان سے مدد مانگے گا اور فریاد کرے گا کہ وہ جادو کرنے والے جنات کے جادو کا اثر ختم کریں لھذا یہ شرک ہے۔ حدیث ہے: [لا یحل السِحر لا ساحِر] کہ جادو کو [غیر شرعی طریقہ سے] جادو گر ہی زائل کرسکتا ہے۔ [2] (مسند احمد بسند جید:3/ 293 وسنن ابی داود، الطب، باب فی النشر، ح:3868) [3] قرآنی تعویذات کے ذریعہ جادو کا علاج کرنے کو بھی انھوں نے ناجائز کھا ہے۔لیکن اگر گلے میں تعویذات لٹکائے بغیر محض آیات و ادعیہ پڑھ کر اور پھونکنے سے علاج کیا جائے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز کھتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دم کیا اور اس کی اجازت بھی دی ہے۔ [4] صحیح بخاری، الطب، باب ھل یستخرج السحر، 49 (تعلیقا۔

قریب نہ آسکتا ہو تو کیا اس کا توڑ کرنا یا اس کو ختم کرنے کے لیے کلام استعمال کرنا درست ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے پڑھنے والے کا مقصود اصلاح ہے، نفع مند اور مفید شے کے استعمال کی ممانعت نہیں۔" حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ((لَا يَحُلُّ السِّحْرَ إِلَّا سَاحِرٌ)) [1]

" جادو گر ہی جادو کو (غیر شرعی طریقے سے) زائل کر سکتا ہے۔"

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((اَلنُّشْرَةُ حَلُّ السِّحْرِ عَنِ الْمَسْحُوْرِ وَهِيَ نَوْعَانِ؛ احدهما: حل بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ وَ هُوَ الَّذِيْ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ وَ عَلَيْهِ يُحْمَلُ قَوْلُ الْحَسَنِ۔ فَيَتَقَرَّبُ النَّاشِرُ وَالْمُنْتَشِرُ إِلَى الشَّيْطٰنِ بِمَا يُحِبُّ فَيُبْطِلُ عَمَلَهٗ عَنِ الْمَسْحُوْرِ۔ والثانی: اَلنُّشْرَةُ بِالرُّقْيَةِ وَ التَّعَوُّذَاتِ وَ الْأَدْوِيَةِ وَ الدَّعْوَاتِ الْمُبَاحَةِ فَهٰذَا جَآئِزٌ۔))[زاد المعاد 4/124]

''سحر زدہ سے جادو کو زائل کرنا نشرہ کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو یہ ہے کہ جادو کو جادو کے ذریعہ زائل کیا جائے۔ یہ ناجائز اور شیطانی عمل ہے۔ اس صورت میں جادو کرنے کے لیے اس کے پسندیدہ کام کرتے ہیں اور وہ ایسے امور بجالاتے ہیں کہ شیطان خوش ہو کر سحر زدہ سے اپنا اثر ہٹا لیتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دم، تعوذات، ادویات اور جائز و مباح ادعیہ سے اس کا علاج کیا جائے؛ یہ بلاشبہ جائز ہے۔''

اس باب کے مسائل

1۔ اس باب سے ثابت ہوا کہ جادو کے ذریعے جادو کا علاج کرنا منع ہے۔ 2۔ اس باب میں وضاحت کے ساتھ جائز اور ناجائز علاج کا بیان کیا گیا ہے جس سے تمام اشکالات اور شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

اس باب کی شرح:

نشرہ کا مطلب ہے: جادو زدہ انسان سے جادو کے اثرات کا توڑ کروانا۔ اس سلسلہ میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا تفصیلی کلام نقل کیا ہے۔ اس میں کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔ ابن قیم کا بیان اس سلسلہ میں کافی ہے۔

[1] خلاصہ یہ کہ جادو، شرک کے ذریعے مؤثر ہوتا ہے اور اسی طریقے سے زائل بھی ہو جاتا ہے۔ لهذا جادو کا علاج جادو کے ذریعے کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ البتہ جائز شرعی دم کے ذریعے جادو کا اثر ختم کیا جاسکتا ہے۔ جادو کا اثر ختم کرنے کا ایک آسان طریقہ: وہب بن منبہ کی کتاب میں ہے کہ ''بیری کے سات سبز اور تازہ پتے لے کر ان کو دو پتھروں میں پیس کر پانی میں ڈال دو اور اس پانی پر آیۃ الکرسی، چاروں قل پڑھ کر دم کر دو۔ اور پھر بیمار کو تین گھونٹ پلا دو اور باقی پانی سے وہ غسل کر لے۔ یہ نسخہ بیمار کے لئے تیر بهدف ثابت ہو گا۔ خصوصاً جس جادُو کے ذریعے مرد کو بیوی کے ساتھ مجامعت سے دور کر دیا گیا ہو۔''

باب: مَا جَآءَ فِي التَّطَيُّرِ

باب: بد فالی کے بیان میں

[اس باب میں شگون اور فال کے بارے میں شریعت کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور اس کو کسی قطعی فیصلے پر پہنچنے کا ذریعہ قرار دینے سے روکا گیا ہے]۔

[1] اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ﴾ [الاعراف 131]

''خبر دار! ان کی بدشگونی (نحوست) اللہ کے ہاں مقدر ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَالُوۡا طَآئِرُكُمۡ مَّعَكُمۡ اَئِنۡ ذُكِّرۡتُمۡ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ﴾ [یس 19]

''وہ بولے: تمہاری نحوست تمہارے ہی ساتھ ہے۔ کیا تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کر چکے ہو۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا عدوة ولا طِيرة، ولا ہامر ولا صفر۔))[2]

''کوئی بیماری متعدی نہیں، بدفالی اور بدشگونی کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ نہ الو کا بولنا (کوئی برا اثر رکھتا) ہے اور نہ ہی ماہ صفر (منحوس) ہے۔'' صحیح مسلم کی روایت میں اتنا زیادہ ہے: '' ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ بھی بے اصل ہے اور بھوتوں کا بھی کوئی وجود نہیں۔''

[1] کسی جانو یا پرندے یا اس کی کسی حرکت کو دیکھ کر اپنی کامیابی یا ناکامی پر بدفالی اور بدشگونی لینا یہ بھی توحید کے منافی اور شرک ہے۔ انہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقدر ہے۔ کوئی چیز ان کے لیے برا یا نیک شگون نہیں رکھتی۔ جانوروں سے بدفالی اور بدشگونی لینا انبیا و رسل کے دشمن مشرکین کی مذموم عادت ہے۔ اہل ایمان اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ [2] (صحیح البخاری، الطب، باب لا ھامہ، ح:5757 و صحیح مسلم، السلام، باب لا عدوی ولا طیر ولا ھامہ ولا صفر، ولا نو ولا غول، ح:2220) کوئی بیماری ازخود متعدی نہیں ہوتی بلکہ اگر کسی بیماری کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے تو محض اللہ عزوجل کے اذن اور حکم ہی سے۔ دور جاہلیت میں لوگوں کا یہی اعتقاد تھا کہ بیماری طبعی طور پر خود اثر انداز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعتقاد کو باطل قرار دیا۔ اسی طرح بدفالی اور بدشگونی کی بھی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایک دلی وہم ہوتا ہے ورنہ اللہ کی قضا اور تقدیر میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اور بخاری اور مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ وَيُعْجِبُنِي الْفَالُ۔)) قَالُوْا: وَمَا الْفَالُ؟ قَالَ: ((اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ۔))[1]

''کوئی بیماری متعدی نہیں۔ نہ بدفالی و بدشگونی کی کچھ حقیقت ہے البتہ مجھے فال پسند ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کی: فال سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: عمدہ اور بہترین بات (سن کر حسن انجام کی امید رکھنا)۔'' سنن ابی داؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ آپ نے فرمایا:

((ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى اللهُ عليه وسلم فَقَالَ: ((أَحْسَنُهَا الْفَاْلُ ؛ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَإِذَا رَاٰى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ: ((اَللّٰهُمَّ لَا يَأْتِيْ بِالْحَسَنٰاتِ اِلَّا أَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّأٰتِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ۔))[2]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدفالی اور بدشگونی[3] کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا ان سب سے بہتر فال ہے اور یہ کسی مسلمان کو اس کے مقصود سے روک نہ دے۔ چنانچہ جب کوئی شخص ناپسندیدہ چیز دیکھے تو یہ دعا کرے:

"یا اللہ! تیرے سوا کوئی بھلائیاں لا سکتا ہے نہ کوئی برائیوں کو دور کر سکتا ہے۔ اور تیری توفیق کے بغیر ہم میں بھلائی کی طاقت ہے نہ برائی سے بچنے کی ہمت۔" اور ابو داؤد میں ہی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَمَا مِنَّا إِلَّا ۔۔۔وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ۔))[4]

"بدفالی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے (بتقاضائے بشریت) ایسا وہم نہ ہوتا ہو... مگر اللہ رب العزت توکل کی وجہ سے اس کو رفع فرما دیتا ہے۔"

) [1]صحیح البخاری، الطب، باب لا عدوی، ح: 5776 و مسلم، السلام، باب الطیرۃ والفال ح:2224) نیک شگونی میں اللہ تعالیٰ پر حسن ظن ہوتا ہے جبکہ بدفالی میں اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کی جاتی ہے۔ اس لیے فال یعنی نیک شگونی ممدوح ہے اور بدفالی مذموم۔ [2] (سنن ابی داود، الکھان و التطیر، باب فی الطیر، ح:3919)۔ [3] الطیرۃ[بدشگونی و بدفالی] لفظ عام ہے۔ اس لفظ میں وہ تمام اقوال اور اعمال شامل ہیں جن سے بدشگونی لی جاتی ہے۔ حدیث مبارکہ میں بدشگونی کی ممانعت اور نیک فال کی طرف رہنمائی ہے۔ کیونکہ نیک فالی سے انسان کا دل فراخ رہتا اور شیطان کے وسوسے سے پیدا ہونے والی دلی تنگی دور ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان اپنے دل میں نیک فالی پیدا کر لیتا ہے تو پھر شیطان کے وسوسے اس کے دل پر کوئی اثر نہیں کر سکتے۔ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فال کو اس لئے پسند فرمایا کہ نحوست بری چیز تھی، جس سے انسان اللہ تعالیٰ کے متعلق بلا سبب بدگمانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ البتہ نیک فال سے حسن ظن پیدا ہوتا ہے؛ اس لئے انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے متعلق حسن ظن رکھے۔" مسند احمد میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص کو فالِ بد اپنے کام سے روک دے اس نے شرک کیا۔" صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کی: اس کا کفارہ کیا ہے ؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا دعا سکھائی۔ [4] (سنن ابی داود، الکھان والطیرۃ، باب فی التطیر، ح:3910 و جامع الترمذی، السیر، باب ما جا فی الطیرۃ، ح:1614)وصححہ الترمذي۔وجعل آخرہ من قول ابن مسعود۔ بدشگونی و بدفالی لینا شرک اصغر ہے۔ بسا اوقات ایک مسلمان و موحد آدمی کے دل میں بھی بدشگونی کا وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بعید از امکان نہیں۔ لیکن چونکہ بندہ مومن کا اللہ پر توکل اور بھروسہ ہوتا ہے اس لیے اسی توکل کی بنا پر اللہ عزوجل اس وسواس کو دور کر دیتے ہیں۔

مسند أحمد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " جو شخص اپنے کسی کام سے بدفالی کی بنا پر رکا اس نے شرک کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت کیا اس کا کفارہ کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا: اس کا کفارہ یہ دعا ہے: (اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُكَ وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُكَ وَلَآ إِلٰهَ غَيْرُكَ)(مسند احمد:2/ 220)

" یا اللہ! تیری بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں۔ اور تیرے شگون کے علاوہ کوئی شگون نہیں۔ اور تیرے سوا کوئی معبود بر حق نہیں۔" اور مسند أحمد میں ہی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا أَمْضَاكَ أَوْ رَدَّكَ۔))(مسند احمد: 1/213)

"بدشگونی وہ ہے جو تجھے کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرے یا اس سے روک دے۔"

اس باب کے مسائل

1۔ اس باب میں سورہ الاعراف کی آیت ﴿أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمْ عِندَ ٱللَّهِ﴾ اور سورہ یس کی آیت: ﴿قَالُوا طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمْ﴾ کی تفسیر اور ان کا مفہوم بیان ہوا ہے۔

2۔ اس میں امراض کے متعدی ہونے کی نفی ہے۔

3۔ اس میں بدفالی کی بھی نفی ہے۔

4۔ اور اُلو کی آواز سے بدفالی لینے کی بھی نفی ہے۔

5۔ اور ماہ صفر کی نحوست کے عقیدہ کی بھی نفی ہے۔

6۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ نیک فالی منع نہیں بلکہ مستحب ہے۔

7۔ فال کے مفہوم کی بھی وضاحت ہوئی۔

8۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر بادل نخواستہ بدفالی کے وسوسے اور خیالات دل میں پیدا ہو جائیں تو وہ مضر نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔

9۔ جس شخص کے دل میں بدفالی کے وسوسے پیدا ہوں؛ وہ کون سی دعائیں پڑھ لیا کرے؛[اس میں رہنمائی کی گئی ہے]۔

10۔ اس بات کی بھی صراحت ہوگئی کہ بدفالی لینا شرک ہے۔

11۔ نیز اس بحث سے مذموم بدفالی کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

اس باب کی شرح:

باب: بدفالی کے بیان میں

بدفالی [التطیر] سے مراد ہے کہ مختلف پرندوں؛ اسماء؛ الفاظ اور مختلف جگہوں سے نحوست پکڑنا؛ بدشگونی لینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدفالی لینے سے منع فرمایا ہے؛ اور بدفالی لینے والوں کی مذمت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیک فال پسند تھی؛ اور بدفالی کو ناپسند کرتے تھے۔

ان دونوں چیزوں میں فرق یہ ہے کہ: نیک فال سے انسان کے عقیدہ یا عقل میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس میں دل کا تعلق غیر اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں مصلحت ہوتی ہے۔ جس سے انسان میں نشاط اور چستی اور سرور آتا ہے؛ اور اپنے نفع بخش مطالب حاصل کرنے کے لیے نفوس کو تقویت ملتی ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح سے ہے کہ: ایک انسان سفر یا شادی کا؛ یا کسی دیگر معاملہ میں کسی اہم ترین حالت میں کسی کام کا ارادہ کرتا ہے؛ پھر وہ کوئی ایسی چیز دیکھتا ہے جو کہ موجودہ حالات خوش کر دیتی ہے؛ یا پھر ایسی بات سنتا ہے جس سے وہ خوشی پاتا ہے؛ مثال کے طور پر وہ سنتا ہے کوئی پکارتا ہے: ایک کامیاب انسان؛ اے غنیمتوں کے سمیٹنے والے؛ اے صحیح سالم اور فتح یاب انسان۔ تو وہ اس سے وہ نیک فال لیتا ہے۔ اور اس کام کے آسانی سے ہو جانے میں اس کی طمع مزید بڑھ جاتی ہے جس کا وہ ارادہ کئے ہوئے ہے۔ تو یہ سارے کا ساری خیر و بھلائی ہے؛ اور اس کا ثمرہ بھی خیر و بھلائی ہوتا ہے؛ اس میں کوئی بات ممنوع نہیں ہے۔ اور بدگمانی یہ ہے کہ انسان کسی ایسے کام کے کرنے کا عزم کر لے جو اس کے لیے دین اور دنیا میں نفع بخش ہو؛ پھر وہ کوئی ایسی چیز دیکھے؛ یا کوئی ایسی بات سنے جو اس کے دل میں ناپسندیدہ ہو؛ اور وہ دل میں اپنے اثرات چھوڑ جائے؛ یہ اثرات ایک سے بڑھ کر ایک خطرناک ہے۔ وہ دو اثرات یہ ہیں:

اول: یہ کہ اس ناپسندیدگی پر؛ دل کی بات مان کر وہ کام ترک کر دے جس کا وہ پختہ عزم کر چکا تھا؛ یا پھر اس کے برعکس معاملہ ہو جائے۔ وہ اس سے بد فالی لیکر اس کام سے الٹے پاؤں پھر جائے جس کا وہ عزم کئے ہوئے تھا۔ تو جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں؛ اس میں اس کا دل انتہائی درجہ تک اس مکروہ چیز کے ساتھ معلق ہے؛ اور اسی پر وہ عمل کر رہا ہے۔ اور اس مکروہ چیز نے اس کے عزم و ارادہ اور عمل میں اپنا تصرف کر دکھایا ہے؛ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صورت اس کے ایمان پر اثر انداز ہوتی ہے؛ اور اس کی توحید اور توکل میں خلل ڈالتی ہے۔ اور پھر اس کے بعد نہ پوچھیں کہ اس کردار کی وجہ سے اس کے دل میں کتنا خوف اور کمزوری اور مخلوق سے؛ اور ان وسائل اور اسباب سے تعلق پیدا ہو گا جو کہ اصل میں اسباب نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے دلی تعلق میں توڑ اور کمزوری پیدا ہو گی۔ اس کی اصل وجہ توحید اور توکل میں کمزوری اور شرک کی راہوں اور وسائل کا وجود ہے اور ان خرافات کی دخل اندازی ہے جن کی وجہ سے عقل میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔

دوم: وہ اس خیال [فال / داعی] کی بات کو نظر انداز کر دے؛ مگر پھر بھی اس کی وجہ سے اس کے دل میں غم و ملال اور افسوس پیدا ہو۔ یہ اگرچہ پہلے کام کی نسبت کم درجہ کا ہے؛ لیکن اس کا برائی اور نقصان کے اثرات انسان پر پائے جاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے دل میں کمزوری پیدا ہوتی ہے اور توکل میں کمی آتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شارع علیہ السلام نے پرندوں سے فال پکڑنے / بدشگونی لینے سے کیوں منع فرمایا؟؛اور اس عمل کی مذمت کیوں کی ؟۔ اور یہ عمل کیوں اور کیسے توحید اور توکل کے منافی ہے ؟۔ جس کسی کے دل میں کوئی ایسا خیال آئے ؛ اور اسے یہ خوف محسوس ہو کہ کہیں طبیعت بشری کے تقاضے اس پر غالب نہ آجائیں؛ تو اس انسان کو چاہیے کہ اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے؛ اور اس پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے؛ اور کسی طرح بھی اس کی طرف مائل ہونے کے لیے اپنے دل میں کمزوری نہ آنے دے؛ تاکہ اس کی برائی کو اس سے دور کیا جاسکے۔[1]

[1]ابو السعادات رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ''فال خوشی، اور تکلیف دونوں حالتوں پر بولا جاتا ہے۔ البتہ طیرۃ تکلیف دہ حالت کے لئے خاص ہے۔ بعض اوقات خوشی کی حالت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فال کو اس لئے پسند فرمایا ہے کہ جب لوگ اللہ کی طرف سے کسی فائدہ کی اُمید کریں گے اور کسی اچھے نتیجے کی توقع رکھیں گے تو ان کے حصول کے لئے خواہ سبب ہلکا پھلکا ہو یا بہت بڑا دونوں صورتوں میں خیر ہی ہو گی۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمیدیں اور آرزوئیں ختم کر لیں گے تو سوائے مصائب کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ لیکن تطیر یعنی بدشگونی میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے بدگمانی اور مصائب کی توقع کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ تفاؤل کی صورت یہ ہے کہ جب مریض کسی کو یہ کہتا ہوا سنے کہ یا سالم! تو مریض کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب میں بہت جلد صحت یاب ہو جاؤں گا۔ یا کوئی شخص اپنی کسی گم شدہ چیز کو تلاش کر رہا ہو اور وہ کسی کو یہ کہتا ہوا سنے کہ یا واجد! تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گا کہ میری چیز مجھے ضرور مل جائے گی۔ مندرجہ ذیل حدیث اس کی تائید کرتی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ فال کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھی بات کو فال کہتے ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ مجھے فال بہت اچھی لگتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ فال اور چیز ہے اور طیرہ جس کی ممانعت کی گئی ہے، اور چیز ہے۔

باب: ماجاء فِي التَّنْجِيْم

باب: علم نجوم کے بیان میں

[اس باب میں علم نجوم کے بارے میں شرعی احکام کی وضاحت کی گئی ہے] [1]

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری میں فرماتے ہیں کہ قتادۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

((خَلَقَ اللّٰہُ ھٰذِہِ النُّجُوْمَ لِثَلَاثٍ زِیْنَۃً لِّلسَّمَآئِ وَرُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَ عَلَامَاتٍ یُّھْتَدٰی بِھَا فَمَنْ تَأَوَّلَ فِیْھَا غَیْرَ ذٰلِکَ أَخْطَأَ وَ أَضَاعَ نَصِیْبَہٗ وَ کَلَّفَ مَا لَا عِلْمَ لَہٗ بِہٖ))[2]

اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین چیزوں کے لئے پیدا فرمایا ہے: (1) آسمان کی زینت کے لیے، (2) شیاطین کو مارنے اور بھگانے کے لیے،

(3) بحر و بر میں راہ معلوم کرنے کے لیے۔ جو شخص ان کے علاوہ کچھ اور سمجھتا ہے اس نے غلطی کی اور ہر قسم کی بھلائی سے خود کو محروم کر لیا۔ اور اس نے ایسے امر کا تکلف کیا جس کا اسے کچھ علم نہیں۔'' حرب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے منازل قمر کا علم سیکھنے کو مکروہ اور ناپسند گردانا ہے۔ اور ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس علم کے حصول کی اجازت نہیں دی۔ امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ نے اس علم کے حصول کی اجازت دی ہے۔

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ثلاث لا یدخلون الجنۃ: مدمِن خمر، وقاطِع الرحِمِ، ومصدِق بِالسِحرِ)) [3]

[1]علم نجوم کی تین قسمیں ہیں:(الف) یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ ستارے ازخود مؤثر ہوتے ہیں اور ان کے اثر سے زمینی حوادث رونما ہوتے ہیں۔ ایسا سمجھنا ان کی عبادت کے مترادف ہے۔ اہل علم کا اجماع ہے کہ ایسا عقیدہ کفر اور قوم ابراہیم کے شرک جیسا بڑا شرک ہے۔ (ب) علم نجوم کی دوسری قسم کا تعلق علم تاثیر سے ہے یعنی ان کی حرکات، ایک دوسرے سے ان کے قرب و بعد یا ان کے طلوع و غروب سے زمینی حوادث پر استدلال کرنا۔ یہ کہانت یعنی غیب کی خبریں دینے کی مانند ہے۔ ایسا کرنے والے کو نجومی کہا جاتا ہے۔ نجومیوں کو یہ باتیں شیاطین بتاجاتے ہیں۔ یہ قسم بھی حرام، کبیرہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کیساتھ کفر ہے۔(ج) علم نجوم کی تیسری قسم جسے علم تیسیر کہا جاتا ہے، اس میں ستاروں کی رفتار وحرکات سے قبلہ اور اوقات یا موسموں وغیرہ کا تعین کیا جاتا ہے، بعض اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے۔ [2] صحیح بخاری، بدء الخلق، باب فی النجوم۔ [3] (مسند احمد:3/399 وموارد الظمآن الی زوائد ابن حبان، ح:1381)

"تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے: (1) عادی شراب خور (2) قطع رحمی کرنے والا (3) اور جادو کر برحق ماننے والا۔"

اس باب کے مسائل

1۔ستاروں کو تخلیق فرمانے سے متعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت معلوم ہوئی۔

2۔ان لوگوں پر رد ہے جو ان ستاروں سے کوئی اور دیگر علم اخذ کرتے ہیں۔[1]

3۔علم منازل قمر کے بارے میں اہل علم کی آرا مختلف ہیں۔

3۔مذکور حدیث میں جادو کی تصدیق کرنے پر وعید بھی بیان ہوئی ہے؛ اگر چہ وہ اس کے باطل ہونے کو جانتا بھی ہو۔

[1]جو لوگ ستاروں کی رفتار و حرکات، ان کے ایک دوسرے سے قریب ہونے یا دور ہونے، یا ان کے طلوع و غروب سے، محض وقت اور زمانہ کا تعین کرتے ہیں۔وہ ستاروں کی ان حرکات کو کسی کام کے لیے سبب اور اثر قرار نہیں دیتے۔ محض اتنی سی بات کرنے اور اسی مقصد کے لیے ستاروں کا علم حاصل کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ اس کی اجازت ہے۔''آج کل اخبارات و رسائل اور جرائد میں ستارے کیا کہتے ہیں؟ کے عنوان سے عموماً مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ لوگ ان امور کی حقیقت پر غور نہیں کرتے۔ ستاروں اور برجوں کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا یہی تو کہانت ہے۔ ہر علاقہ/اور ہر دور میں اور ہر سطح پر اس کی تردید اور مذمت کرنے کی ضرورت ہے۔ایسے رسائل گھروں میں نہ لائے جائیں، نہ خود پڑھے جائیں نہ کسی کو دیئے جائیں کیونکہ ان ستاروں اور برجوں کا علم حاصل کرنا، اپنی ولادت کے برج کو جاننا اور اپنے موافق ستارے کی معلومات رکھنا، اس کے متعلق تحریرات پڑھنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نجومی کے پاس جا کر اس سے احوال دریافت کیے جائیں۔ ایسی باتوں کو پڑھ کر ان کو درست سمجھنا اور ان کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ والعیاذ باللہ: وہ علم نجوم جس سے تجربہ اور مشاہدہ کے بعد زوالِ شمس، اور جہتِ قبلہ وغیرہ معلوم کی جاتی ہے اُس کا حاصل کرنا ممنوع نہیں کیونکہ یہ اس سے زیادہ نہیں کہ اس سے پتا چل جاتا ہے کہ جب تک سایہ کم ہوتا رہے گا تو سورج مشرقی کنارہ سے وسط آسمان کی طرف بڑھتا جائے گا اور جب سایہ زیادہ ہونے لگے گا تو وسط آسمان سے سورج مغربی کنارہ کی طرف گرنا شروع ہو جائے گا اور یہ ایک صحیح علم ہے جس کا ادراک مشاہدہ سے ہوتا ہے۔ البتہ اتنی

بات ضرور ہے کہ اس فن کے جاننے والوں نے ایسے آلات ایجاد کر لیے ہیں جن کی وجہ سے آدمی سورج کی رفتار کا ہر وقت معائنہ کرنے کا محتاج نہیں رہا (مثلاً گھڑیاں وغیرہ)۔

بَابُ: مَاجَآء فِي الْإِسْتِسْقَائِ بِالْأَنْوَائِ

باب: ستاروں کے اثر سے بارش برسنے کے عقیدہ کا بیان[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾(سورۃ الواقعہ)

’’ اور اس نعمت میں اپنا حصہ تم نے یہ رکھا ہے کہ اسے جھٹلاتے ہو۔‘‘

حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَرْبَعٌ فِيْ أُمَّتِيْ مِنْ أَمْرِ الْجَاہِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُوْنَهُنَّ: اَلْفَخْرُ بِالْأَحْسَابِ وَ الطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ وَالْاِئِ سْتِسْقَآئُ بِالنُّجُوْمِ وَ النِّيَاحَةُ۔)) وَقَالَ:((أَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ عَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ۔))[2]

’’ جاہلیت کے چار کام ایسے ہیں جنہیں میری امت کے لوگ ترک نہیں کریں گے:

[1]اس باب میں بارش کو ستاروں کی مختلف منزلوں کی طرف منسوب کرنے پر وعید کی گئی ہے ؛کیونکہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا خلافِ شرع ہے۔ چاند کی مختلف منزلوں کو انواء کہتے ہیں۔ ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ نہایۃ میں فرماتے ہیں کہ: ’’چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں اور وہ ہر رات اپنے لئے ان منزلوں میں سے ایک منزل تبدیل کرتا ہے۔‘‘ چاند کی مختلف منزلوں کو قرآن کریم میں بھی ذکر کیا گیا ہے جیسے فرمان الٰہی ہے:﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴾[یس] ’’اور چاند، اس کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں ' حتی کہ وہ دوبارہ پرانی ٹیڑھی ڈنڈی کی طرح ہو جاتا ہے۔‘‘ عربوں کا عقیدہ تھا کہ جب چاند ایک منزل سے غروب کے بعد اس کے بالمقابل منزل سے طلوع ہوتا ہے تو اس وقت بارش ہوتی ہے اور اس بارش کو وہ اس منزل کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ ہمیں چاند کی فلاں منزل کے رحم و کرم کی وجہ سے بارش ملی اور اس کا نام نو رکھا گیا ہے کیونکہ جب چاند مغرب میں جا کر گرتا ہے تو وہ مشرقی مطلع سے دُور ہو جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں۔تو پھر توحید کا تقاضا ہے کہ ان کی نسبت بھی اسی کی طرف ہونی چاہئے۔ بارش بھی اسی کی نعمت ہے جو اسی کے حکم سے برستی ہے۔ بارش کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ستاروں یا کسی دوسرے کی طرف نسبت کرنا زیادتی اور توحید کے منافی ہے، اس لیے کہ یہ تارے نزول بارش کے اسباب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بارش کے نزول کا سبب نہیں بنایا لھذا انھیں بارش کا سبب اور ذریعہ سمجھنا انتھائی غلط ہے۔ اسی طرح بارش اور دیگر نعمتوں کو ان کے حقیقی خالق و موجد کی بجائے غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔ [2] [صحیح مسلم، الجنائز، باب التشدِیدِ فِي النِیاحِ ح:934 ومسند احمد 5ظ 342، 344)

1۔ حسب ونسب اور خاندانی شرف وفضیلت پر فخر کرنا۔[1]

2۔ دوسروں کے نسب اور خاندان میں نقص اور عیب نکالنا اور طعنہ زنی کرنا۔

3۔ ستاروں کے اثر سے بارش برسنے کا عقیدہ رکھنا۔[2] 4۔ نوحہ کرنا"[3]

نیز آپ نے فرمایا: '' نوحہ کرنے والی عورت اگر مرنے سے پہلے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اسے گندھک کی شلوار اور خارش کی قمیص پہنا کر اٹھایا جائیگا۔''

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَیْبِیَّةِ عَلٰی إِثْرِ سَمَآءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّیْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ ؛ فَقَالَ: هَلْ تَدْرُوْنَ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؟۔قَالُوْا اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ۔ قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَ كَافِرٌ۔ فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ رَحْمَتِهٖ'' فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِیْ كَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ۔ وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَ كَذَا'' فَذَالِكَ كَافِرٌ بِیْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ۔))[مسلم، كتاب الإيمان, باب بيانِ كفرِ من قال: مطِرنا بِالنوائِ, ح:71]

'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر رات بارش ہونے کے بعد ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول

[1] اپنے آباء و اجداد اور ان کے کارناموں کی وجہ سے لوگوں پر اظہارِ فخر کرنا، یہ جھالت اور دیوانگی کی علامت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و شرف کے حصول کا تعلق صرف تقوی اور پرہیزگاری سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾(الحجرات:۱۳) ''درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔'' دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَ مَآ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ﴾(سبا:۳۷)۔ ''یہ تمہاری دولت اور تمہاری اولاد نہیں ہے جو تمھیں ہم سے قریب کرتی ہو، ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے، یھی لوگ ہیں جن کے لئے اُن کے عمل کا دُہرا بدلہ ہے اور وہ بلند و بالا عمارتوں میں اطمینان سے رہیں گے۔'' سنن ابی داؤد میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی حماقت اور آباء و اجداد کا فخر دُور کر دیا ہے اب یا تو متقی مومن ہو گا یا فاجر و فاسق، سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے ہوئی۔ اب لوگوں کو قومی فخر و مباہات کو ترک کر دینا چاہیے کیونکہ وہ جھنم کے کوئلے بن چکے ہیں یا پھر وہ اللہ کے نزدیک گندگی کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے۔'' [2] امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے: حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مجھے اپنی امت کے بارے میں تین چیزوں سے خطرہ ہے: ۱۔ستاروں کے ذریعے سے بارش طلب کرنا۔ ۲۔بادشاہ کا ظلم۔ ۳۔ اور قضا و قدر کی تکذیب۔'' جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ''ہمیں فلاں منزل یا فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ملی) تو وہ دو حال سے خالی نہیں: ایک یہ کہ کھنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ بارش برسنے میں ستاروں کو بہت بڑا دخل اور اثر حاصل ہے۔ پس یہ عقیدہ کفر اور شرک کا ہے۔ دوسرے یہ کہ ''مُطِرْنَا كَذَا وَ كَذَا'' (ہمیں اس اس طرح بارش ملی) وغیرہ کھنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی موثر اور بارش برسانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن یونھی بر بنائے عادت اور لوگوں کی دیکھا دیکھی اس نے یہ جملہ کھہ دیا۔تو اس کی تصریح کی ہے کہ ''مُطِرْنَا كَذَا وَ كَذَا'' (ہمیں اس اس طرح بارش ملی) کھنا حرام ہے۔ [3] کسی کے فوت ہونے پر بین کرنے کو النیاحۃ کھتے ہیں کیونکہ بین کرنے والا اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر ناراض ہو کر ہی بین کرتا ہے۔ بین کرنا صبر کے سراسر خلاف ہے اور شریعت اسلامیہ میں کبیرہ گناہ شمار ہوتا ہے جس پر سخت

وعید آتی ہے اور اس کی تردید میں بہت سی حدیثیں کتب احادیث میں موجود ہیں۔ کسی مصیبت و پریشانی کے موقع پر چیخ پکار کرنا اور کپڑے پھاڑنا اور زور زور سے رونا پیٹنا، یہ بھی صبر کے منافی اور جاہلیت کا کام ہے۔

ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے بعض نے مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کی اور بعض نے کفر کی حالت میں، ان میں سے جنھوں نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت [1] سے بارش ہوئی وہ میرے مومن ہیں اور ستاروں کے کافر۔ اور جنہوں نے کہا کہ ہم پر یہ بارش ستاروں کی وجہ سے ہوئی؛ وہ میرے کافر ہوئے اور ستاروں پر ایمان لائے۔''

بخاری اور مسلم میں اسی مفہوم کی ایک حدیث عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، اس میں یوں ہے، آپ نے فرمایا:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ: '' فلاں فلاں ستارہ مفید ثابت ہوا ہے'' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں یہ آیات نازل فرمادیں:

﴿فلا أُقسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ...﴾ [النجم ۷۵]

''مجھے قسم ہے ستاروں کی منازل کی...۔''

اس باب کے مسائل:

1۔ سور الواقعہ کی آیات کی تفسیر ہے۔

2۔ ان چار امور کا ذکر بھی ہے جو جاہلیت کی رسوم ہیں۔

3۔ ان چار میں سے بعض کام کفریہ ہیں۔

4۔ کفر کی بعض اقسام ایسی بھی ہیں جو دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی۔

5۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: '' میرے بندوں میں سے بعض نے ایمان کی حالت میں صبح کی اور بعض نے کفر کی حالت میں۔'' ایسا نزول نعمت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

6۔ یہاں پر ایمان کی حقیقت پر بھی خوب غور کرنا چاہیے [یہ کس قدر نازک معاملہ ہے]۔

7۔ کفر کی حقیقت پر بھی غور کرنا چاہیے۔ [بعض اوقات بظاہر معمولی سی بات کہنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے]۔

8۔ ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا اور ان کو اپنے لیے مفید (یا نقصان دہ) سمجھنا انتہائی غلط بلکہ کفر ہے۔

9۔ (أتدرون ماذا قال ربكم ؟)(کیا تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے ؟) سے ثابت ہوا کہ طالب علموں کو بات ذہن نشین کرانے کے لیے سوالیہ انداز اختیار کرنا جائز ہے۔

10۔نوحہ کرنے والیوں کے لیے عذاب اور وعید کا ذکر بھی ہے۔

[1]فضل اور رحمت اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں اور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ یہ صفات اپنی حقیقت پر ہیں ؛ اوران کا معنی وہی ہے جو معلوم ہے۔ اور ان کے کیفیت ویسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ اس میں تاویل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اس مقام پر کفر کی حقیقت کو بھی سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا کفر ہے. اسی لئے بعض علماء نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے. اگرچہ کہنے والے کا عقیدہ ستاروں میں تاثیر کا نہ ہو. اس کو کفرانِ نعمت سے تعبیر کیا جائے گا کیونکہ نسبت غلط ہو گئی ہے۔

اس باب کی شرح:

باب: ستاروں کے اثر سے بارش برسنے کے عقیدہ کا بیان

جب یہ بھی توحید ہی کا حصہ تھا کہ نعمتوں سے نوازنے اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے میں اللہ تعالیٰ کے واحد و متفرد ہونے کا اقرار کیا جائے ؛ اوراس کی اطاعت میں ان نعمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے زبانی و کلامی اور دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہی مسنوب کیا جائے۔ کہنے والے کا یہ کہنا: ''ہم پر یہ بارش ستاروں کی وجہ سے ہوئی'' اس مقصود کے بہت سخت منافی ہے؛ کیونکہ اس میں بارش کو[جو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے] ستاروں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ واجب تو یہ ہے کہ خواہ بارش ہو یا کوئی دوسری نعمت اسے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی منسوب کیا جائے؛ کیونکہ وہی اپنے بندوں پر فضل و احسان سے یہ انعام کرتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ: ان ستاروں کا بارش کے برسنے میں کسی طرح سے کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اس کا سبب تو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی اور اس کی رحمت ہے ؛ بندوں کی ضرورت اور زبان حال و قال سے اللہ سے اس کا سوال ہے۔ پس اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنی حکمت اور رحمت سے ان کی ضرورت اور حاجت کے مطابق مناسب وقت میں بارش نازل کرتے ہیں۔ کسی انسان کی توحید اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ ظاہری اور باطنی طور پر ؛ اپنے آپ پر اور دیگر تمام مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف نہ کر لے ؛ اور پھر ان کا استعمال اس کے ذکر و شکر اور عبادت میں نہ کرے۔ یہ مقام توحید کے حقائق کو سچ ثابت کرنے کا ہے۔ اس سے کامل اور ناقص ایمان کی معرفت ہوتی ہے۔

[۷] اثبات اتصافه بالرحمة والمغفرة سبحانه وتعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت ومغفرت کا اثبات

وقوله: { بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ } {رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا } (الغافر:۷) { وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا} (الاحزاب:۴۳) {وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ} (الاعراف:۱۵۶) {کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَةَ }(الانعام:۵۴) {وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ } (یونس:۱۰۷) { فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَھُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ } (یوسف:۶۴)

ان آیات کی تشریح

اللہ تعالیٰ کا فرمان: { بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ }

ترجمہ: ''شروع کرتاہوں اللہ کے نام سے جو بڑامہربان اور نہایت رحم والا ہے''

... شرح...

اللہ تعالیٰ کا فرمان: '' بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ''اس کی تفسیر کتاب کے شروع میں گزر چکی ہے، یہاں لانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ رحمت کا اثبات ہے، امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' الرَّحْمٰن '' اللہ کی صفتِ رحمت جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے پر دلالت کررہاہے، اور کلمہ ''الرَّحِیْم'' اس بات پر دلالت کررہاہے کہ صفتِ رحمت کا تعلق مرحوم (جس پر رحم کیا گیا) کے ساتھ ہوتاہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{ وَکَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا } (الاحزاب:۴۳)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر بہت ہی مہربان ہے'' اس طرح کہیں نہیں آیا ''رحمٰن بھم'' (اللہ فلاں کے ساتھ رحمن ہے،) لہذا ''الرحمن''صفتِ رحمت اور ''الرحیم'' فعلِ رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔یعنی ''رحمن'' دلالت کرتاہے کہ رحمت اللہ کی صفت ہے اور ''رحیم''دلالت کرتاہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنی مخلوق پر فعلاً رحمت کرتاہے''

{ رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا } (الغافر:۷)

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار تونے ہر چیز کو اپنی رحمت وعلم سے گھیر رکھاہے'' ... شرح... اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں حاملینِ عرش فرشتوں کے متعلق خبر دی جارہی ہے کہ وہ اہلِ ایمان کیلئے استغفار کرتے ہوئے کہتے ہیں'' رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا''یعنی اے اللہ تیری رحمت اور علم ہر چیز پر وسیع ہے، یہ آیت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت وعموم پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ دنیا میں ہر مسلم وکافر کو اللہ تعالیٰ کی رحمت پہنچتی ہے

، لیکن آخرت میں اللہ کی رحمت صرف مؤمنوں کے ساتھ خاص ہوگی۔ ملاحظہ: آیتِ کریمہ میں "رحمۃً" اور "علماً" بربناء تمییز منصوب ہیں، یہاں تمییز محوّل عن الفاعل ہے۔

{ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا } (الاحزاب:۴۳)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر بہت ہی مہربان ہے"

... شرح...

اس آیت میں اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں مؤمنوں کے ساتھ رحیم ہے، دنیا میں اسطرح کہ انہیں حق کی طرف ہدایت دی، جس سے بہت سے لوگ ناآشنا رہے، اور انہیں صراطِ مستقیم دکھادیا جس سے بہت سے لوگ گمراہ رہے، اور آخرت میں اس طرح کہ انہیں فزعِ اکبر سے محفوظ فرمائے گا اور جنت میں داخل فرمائے گا۔

{ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ } (الانعام:۵۴)

ترجمہ: "تمہارے رب نے رحمت کرنا اپنے ذمہ مقرر کرلیا" ... شرح... یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نفسِ کریم پر فضل واحسان کرنا واجب کرلیا ہے۔ یہ لکھنا "کونیہ قدریہ" ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی کوئی بات واجب نہیں کرسکتا۔ (اللہ تعالیٰ کا اپنی ذات پر رحمت کرنا واجب فرمانا اس معنی میں ہے کہ اُس نے تقدیر میں رحمت فرمانے کا حتمی اور قطعی فیصلہ فرمالیا ہے۔ مترجم)

{ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ } (یونس:۱۰۷)

ترجمہ: " اور وہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے"

... شرح...

اللہ تعالیٰ اپنے متعلق خبر دے رہا ہے کہ میں صفتِ رحمت ومغفرت کے ساتھ متصف ہوں، لہذا جو شخص اپنے گناہوں سے توبہ کرلے چاہے جیسے بھی گناہ ہوں حتی کہ شرک ہی کیوں نہ ہو، نیز اس پر توکل کرلے، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادیتا ہے، اور اس پر رحمت فرماتا ہے۔

{ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ } (یوسف:۶۴)

ترجمہ: " بس اللہ ہی بہترین نگہبان ہے اور وہ سب سے بڑھکر رحم کرنیوالا ہے"

... شرح...

یہ یعقوب علیہ السلام قول ہے جب ان کے بیٹوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین کو مصر کی طرف غلّہ لینے کیلئے) بھیجیں ہم اس کی مکمل حفاظت کریں گے ،تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: " فَاللّٰه خَيْرٌ حَافِظًا" یعنی میں اسے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دیتا ہوں اور اس کی حفاظت تمہاری حفاظت سے بہت بہتر ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے "حفیظ" بھی ہے جس کا معنی ہے کہ وہ اپنی حفظِ عام کے ذریعے بندوں کو ہلاکتوں سے محفوظ رکھتا، اور ان کے اعمال کی بھی حفاظت فرماتا ہے، اور اپنی حفظِ خاص کے ساتھ اپنے مؤمن بندوں کی ہر اس چیز سے خصوصی حفاظت فرماتا ہے جو اُن کے ایمان کو فاسد کردے یا ان کے دین ودنیا میں کسی قسم کے بگاڑ یا نقصان کا باعث بنے۔

ان آیاتِ کریمہ کو ذکر کرنے کا مقصد: ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت ومغفرت کا اثبات ہے۔ یہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ کی دیگر تمام صفات کی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل اسی طرح ثابت ہیں جس طرح اس کی عظمت وجلالت کے لائق ہیں۔ اس سے جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ کا رد بھی ہورہا ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ سے صفتِ رحمت ومغفرت کی نفی کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ کیونکہ مخلوق بھی صفتِ رحمت سے متصف ہے اگر اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ رحمت کو ثابت کیا جائے تو تشبیہ کا محذور لازم آتا ہے، اور یہ لوگ مذکورہ آیات کی تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حقیقی معنی پر نہیں بلکہ مجازی معنی پر قائم ہیں، لیکن ان کی یہ تأویل باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کیلئے اس صفتِ رحمت کو ثابت کیا ہے، پھر اللہ کی رحمت مخلوق کی رحمت کی طرح نہیں کہ اس سے ان کے زعمِ باطل کے مطابق تشبیہ کا محذور لازم آئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ایک قاعدہ کلیہ ہے: { لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ } (اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز نہیں) باقی اتفاق فی الاسم اتفاق فی المسمیٰ کو مقتضی نہیں ہے۔ (یعنی اگر کوئی صفت مخلوق کیلئے مذکور ہے اور وہی صفت خالق کیلئے بھی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کا معنی بھی ایک جیسا ہو) پس اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں وہ اُس معنیٔ کامل کے ساتھ ہیں جو اس کے لائق ہے، اور اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، جبکہ مخلوق کی صفات اس معنی کے ساتھ ہیں جو مخلوق کے لائق ہے۔ (واللہ اعلم)

[۸] ذکر رضی اللہ وغضبہ وسخطہ وکراھیتہ فی القرآن الکریم وأنہ متصف بذلک

اللہ تعالیٰ کی رضا، غضب، ناراضگی اور ناپسندیدگی کا قرآنِ حکیم کی روشنی میں بیان۔ اللہ تعالیٰ ان تمام صفات کے ساتھ متصف ہے

وقوله: { رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ } (المائدة: ۱۱۹) وقوله: {وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ }(النساء: ۹۳) وقوله: { ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ } (محمد:۲۸) وقوله: { فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ } (الزخرف:۵۵) وقوله: {وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ } (التوبة: ۴۶) وقوله: { كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ } (الصف: ۳)

ان آیات کی تشریح

{ رَضِیَ اللّٰہ عَنۡھُمۡ وَرَضُوا عَنۡہُ } (المائدۃ: ۱۱۹)

ترجمہ: '' اللہ ان سے راضی اور یہ اللہ سے راضی ''

... شرح...

یعنی اخلاص کے ساتھ انہوں نے جو نیکی کے کام کیئے ہیں اس پر اللہ ان سے راضی ہو گیا ہے، اور اللہ نے ان کی نیکیوں کے عوض انہیں بطور بدلے کے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کے ملنے پر وہ بھی اللہ سے راضی ہو گئے ہیں۔

رضائے الٰہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے سب سے ارفع و اعلیٰ نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: { وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ } (التوبۃ: ۷۲)

ترجمہ:(اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے) اہلِ ایمان کا اللہ سے راضی ہونا یہ ہے کہ آخرت میں انہیں جو درجات ملیں گے ہر ایک اپنے اپنے درجہ پر راضی اور خوش ہو گا، حتیٰ کہ ہر ایک یہ سمجھے گا کہ مجھ سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہے۔

{ وَمَنۡ یَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیۡھَا وَغَضِبَ اللّٰہ عَلَیۡہِ وَلَعَنَہٗ } (النساء: ۹۳)

ترجمہ: '' اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے، اس کی سزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ''

... شرح...

آیت میں ''مُؤۡمِنًا'' کہہ کر کافر سے احتراز کیا گیا ہے، اور ''مُتَعَمِّدًا'' کہہ کر قتلِ خطأ سے احتراز کیا گیا ہے۔(یعنی یہ سزا اُس شخص کیلئے ہے جو کسی مؤمن کو قتل کرے اور جان بوجھ کر قتل کرے، قتلِ کافر کی یہ سزا نہیں ہے اور نہ ہی غلطی سے قتل کرنے کی یہ سزا ہے) قتلِ عمد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو جانتے بوجھتے ایسے آلہ سے کہ عرف عام میں اس سے موت واقع ہو جاتی ہے، قتل کرے '' فَجَزَاؤُہٗ جَھَنَّمُ '' آخرت میں اس کی سزا جہنم ہے جہنم آگ کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے۔ '' خَالِدًا فِیۡھَا '' الخلود طویل عرصے تک ٹھہرے رہنے کو کہتے ہیں، لیکن یہاں جہنم میں ہمیشہ رہنا مراد ہے۔ ''وَغَضِبَ اللّٰہ عَلَیۡہِ '' عطف ہے، معطوف علیہ مقدر پر، جس پر سیاقِ کلام دلالت کر رہا ہے عبارت یوں ہے ''جعل جزاء

ہ جھنم وغضب علیہ ''یعنی اللہ نے اس کی سزا جہنم مقرر کی ہے اور اس پر غضب فرمایا ہے۔'' وَلَعَنَہٗ ''یعنی اسے اپنی رحمت سے دھتکار دیا ہے ،لعنت کا مطلب ہے، اللہ کی رحمت سے دھتکار دیا جانا اور دور کر دیا جانا۔

{ ذٰلِکَ بِأَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَاأَسْخَطَ اللہ وَکَرِھُوا رِضْوَانَہٗ } (محمد:۲۸)

ترجمہ:'' یہ اس بناء پر ہے کہ یہ وہ راہ چلے جس سے انہوں نے اللہ کو ناراض کر دیا اور انہوں نے اس کی رضامندی کو برا جانا''

... شرح...

پچھلی آیت میں موت کے وقت فرشتوں کے کفار کے ساتھ سختی کرنے کا جو ذکر ہوا ہے اس کی طرف اشارہ ہے،یعنی فرشتوں کے اس سخت سلوک کی علت بیان ہو رہی ہے، اور وہ علت یہ ہے: '' اتَّبَعُوْا مَاأَسْخَطَ اللہ '' یعنی یہ لوگ معصیتوں اور حرام شہوات میں منہمک ہو گئے تھے،'' وَکَرِھُوا رِضْوَانَہٗ ''یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والی چیزوں، مثلاً: ایمان اور اعمالِ صالحہ کو ناپسند کرتے تھے۔

{ فَلَمَّآ آسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْھُمْ } (الزخرف:۵۵)

ترجمہ:'' پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا'' ... شرح... '' فَلَمَّآ آسَفُوْنَا ''یعنی جب انہوں نے ہمیں غصہ دلا دیا،'' انْتَقَمْنَا مِنْھُمْ'' تو ہم نے انہیں سزا دی۔''انتقام'' شدید ترین سزا دینے کو کہتے ہیں۔

{وَلٰکِنْ کَرِہَ اللہ انْبِعَاثَھُمْ فَثَبَّطَھُمْ } (التوبۃ:۴۶)

ترجمہ:'' لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا ناپسند جانا اس لئے انہیں بٹھا دیا'' ... شرح... ''وَلٰکِنْ کَرِہَ اللہ انْبِعَاثَھُمْ ''یعنی اللہ نے ان (منافقین) کے تمہارے ساتھ غزوہ میں جانے کو ناپسند جانا'' فَثَبَّطَھُمْ '' یعنی انہیں تمہارے ساتھ جانے سے روک دیا، اپنی قضاء وقدر

سے انہیں روک کر ذلیل وخوار کر دیا، اگرچہ شرعاً انہیں ساتھ جانے کا حکم تھا، اور حسی طور پر انہیں ساتھ جانے کی قدرت بھی دے رکھی تھی، لیکن اپنی حکمت جو اس کے علم میں تھی کے پیشِ نظر انہیں ساتھ جانے کی توفیق نہیں دی۔ اس حکمت کو اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں بیان فرمادیا:

{ لَوْ خَرَجُوا فِیْکُمْ مَازَادُوْکُمْ اِلاَّ خَبَالًا }

ترجمہ:''اگر یہ تم میں مل کر نکلتے بھی تو تمہارے لئے سوائے فساد کے اور کوئی چیز نہ بڑھاتے''

{ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللہ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ } (الصف:۳)

ترجمہ:''اللہ کے ہاں بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر تمہارا عمل نہیں''

... شرح...

''كَبُرَ مَقْتًا'' یہ بات اللہ کو بہت ناراض کرنے والی ہے، ''اَنْ تَقُوْلُوْا مِالَا تَفْعَلُوْنَ ''یعنی تم کسی نیکی کا عزم کرو پھر پورا نہ کرو، اس آیت کے شانِ نزول میں آیا ہے کہ فرضیتِ جہاد سے قبل اہلِ ایمان میں سے کچھ لوگ کہتے تھے کاش اللہ ہمیں احب الاعمال(سب سے بہترین عمل) کی خبر دے تاکہ ہم اس پر عمل کریں، تو اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا کہ احب الاعمال، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمان لانا ہے جو ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہو، نیز ایسے نافرمانوں کے ساتھ جو ایمان کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں اور اقرار نہ کرنے کی روش پر قائم ہیں، کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ جب جہاد کا یہ حکم نازل ہوا تو بعض مسلمانوں پر یہ حکم ناگوار اور شاق گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ان آیات کو ذکر کرنے کا مقصد

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات: **الغضب**(غصہ کرنا)**الرضا**(راضی ہونا) **اللعن**(لعنت فرمانا) **الانتقام** (بدلہ لینا) **الکراھیة** (ناپسند جاننا) **الأسف**(ناراض ہونا) **المقت**(ناراض ہونا) ذکر ہوئی ہیں، یہ سب صفاتِ افعال ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے ان افعال کو رونما کرتا ہے۔ اہلِ سنت ان تمام صفات وافعال کو اللہ تعالیٰ کیلئے جیسے اس کی عظمت وجلالت کے لائق ہے ثابت مانتے ہیں۔

[۹] ذکر مجیء اللہ سبحانہ لفصل القضاء بین عبادہ

علی ما یلیق بجلالہ

صفتِ مجی کا بیان یعنی قیامت کے دن بندوں کا حساب لینے کیلئے اللہ تعالیٰ کے آنے کا بیان ایسا آنا جو اس کی شان کے لائق ہے۔

قوله: { هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلاَّ أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ } (البقرة :۲۱۰) **وقوله:** { هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلاَّ أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ } (الانعام : ۱۵۸) **وقوله:** { كَلاَّ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۔ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا } (الفجر : ۲۱) **وقوله:** { وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيْلاً } **(الفرقان: ۲۵)**

ان آیات کی تشریح

{ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلاَّ أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ } (البقرة :۲۱۰)

ترجمہ: ''کیالوگوں کواس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام کو انتہاء تک پہنچادیا جائے'' ...

شرح...

'' يَنْظُرُوْنَ '' بمعنی ینتظرون ہے، یہ کفار کیلئے تہدید (ڈانٹ ڈپٹ) ہے جنہوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے شیطان کی راہ اپنائی ہوئی ہے۔ '' اِلاَّ أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللّٰه '' یعنی اللہ تعالیٰ بذاتِ خود قیامت کے دن بندوں کے حساب کیلئے آجائے اور ہر عامل کو اس کے عمل کے مطابق جزادے۔ '' فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ '' ظلل، ظل کی جمع ہے، جس سے مراد ہر سایہ کرنے والی چیز ہے۔ اور ''الغمام'' سفید اور باریک بادلوں کو کہتے ہیں۔ '' غمام'' ڈھانپنے والی چیز کو کہتے ہیں کیوں کہ بادل بھی اپنی نیچے والی چیزوں کو ڈھانپ لیتے ہیں اس لیئے بادلوں کو غمام کہا جاتا ہے، ''اَلْمَلاَ ئِكَةُ '' یعنی فرشتے بھی بادلوں کے سائبانوں میں آئیں گے۔ '' وَقُضِيَ الْاَمْرُ '' یعنی کفار کی ہلاکت کا فیصلہ کر کے معاملے کو لپٹادیا جائے۔

{ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلاَّ أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلاَ ئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ } (الانعام : ۱۵۸)

ترجمہ: ''کیا یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہے کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے''

... شرح...

'' هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلاَّ أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلاَ ئِكَةُ '' یعنی فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کیلئے آئیں۔ ''أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ ''یعنی، یا اللہ تعالیٰ بذاتِ خود ان کے درمیان فیصلے کرنے آئے۔ ''أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ'' یہاں نشانی سے مراد طلوع الشمس من المغرب (سورج کا مغرب سے طلوع ہونا) ہے، یہ نشانی قیامت کی بڑی علامات میں سے ہے، جب یہ علامت ظاہر ہو جائے گی تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، پھر کسی کی بھی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

{ كَلاَّ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۔ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا } ترجمہ: '' یقینا جس وقت زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی ، اور تیرا رب خود آجائے گا اور فرشتے صفیں باندھ کر (آجائیں گے) '' (الفجر: ۲۱)

... شرح...

''کَلاَّ'' کلمہ زجر وتوبیخ ہے، جس سے ماقبل ذکر کیئے گئے کسی جرم پر زجر وتوبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں جن باتوں پر ڈانٹنا مقصود ہے وہ یتیم کا عدمِ اکرام، مسکین کو کھانا کھلانے کی عدمِ ترغیب، وراثت کا مال کھاجانا اور ورثاء کو ان کے حق سے محروم کردینا اور مال سے شدید ترین محبت کرنا ہے۔

'' اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا'' یعنی جب زمین کو بار باراور مسلسل حرکت دی جائے گی حتی کہ زمین پر قائم تمام عمارتیں وپہاڑ وغیرہ منہدم ہوجائیں گے، اور ہر چیز روئی کے ذرات کی طرح اڑتی پھرے گی۔ ''وَجَاءَ رَبُّكَ'' یعنی اللہ تعالیٰ بذاتِ خود بندوں کے درمیان فیصلے کرنے کیلئے آجائے گا''وَالْمَلَكُ'' جنس ملائکہ مراد ہے، (یعنی فرشتے بھی آجائیں گے) ''صَفًّا صَفًّا'' یعنی فرشتے صفیں بناکر انسانوں اور جنوں کو گھیرے میں لئے ہوئے ہوں گے، ہر آسمان کے فرشتوں کی ایک صف ہوگی، اس طرح کل سات صفیں ہوگی جو زمین اور اس کے تمام باشندوں کا احاطہ کئے ہونگی۔
{ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلاً } (الفرقان: ٢٥)

ترجمہ:'' اور جس دن آسمان (نور کے) بادلوں سے پھٹ جائیگا اور فرشتے لگاتار اتارے جائیں گے''

... شرح...

اس سے قیامت کا دن مراد ہے، یعنی قیامت کے دن آسمان پھٹ جائیں گے۔ ''بِالْغَمَامِ''

یہاں غمام سے نورِ عظیم، جو آنکھوں کو چکا چوند کردینے والا ہے کے سائے مراد ہے (جس کی تاب نہ لانے کی وجہ سے آسمان پھٹ جائیں گے) ''وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلاً'' یعنی فرشتوں کو زمین کی طرف اتارا جائیگا، اور وہ اس مقام پر تمام مخلوقات کو گھیر لینگے جہاں حشر بپا ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ بندوں میں فیصلے کیلئے آئے گا۔ **ان آیات کو ذکر کرنے کا مقصد** ان آیات سے قیامت کے دن بندوں میں فیصلے کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے آنے کا اثبات ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بذاتہ، جیسے اس کی عظمت وجلالت کے لائق ہے آئے گا، تاکہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے۔ مجیٔ واتیان (آنا) اللہ تعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ میں سے ہیں، انہیں ان کی اصل حقیقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کرنا واجب ہے۔ ان صفات میں نفاۃِ صفات (اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کرنے والوں) مثلاً: جہمیہ وغیرہ کی طرح جائز نہیں ہے، وہ لوگ صفتِ مجیٔ واتیان سے مراد، اللہ تعالیٰ کا بذاتہ آنا نہیں مانتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا امر آنا مراد لیتے ہیں۔ یہ لوگ قولہ تعالیٰ:'' جَاءَ رَبُّكَ'' کی تفسیر'' جَاءَ اَمْرُ رَبِّكَ'' (تیرے رب کا امر آئے گا) سے کرتے ہیں۔ یہ تأویل بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیت میں کھلم کھلا تحریف بھی۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اتیان اور مجیٔ (آنا) جب اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف ہوں، تو اس کی دو نوع ہیں: مطلق ومقید

نوعِ اول: اگر مجیٔ واتیان سے مراد رحمت وعذاب کا آنا ہو تو اتیان ومجیٔ رحمت وعذاب سے مقید ہوگا، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

[حتی جاء الله بالرحمة والخير] ترجمہ: [حتیٰ کہ اللہ کی رحمت وخیر آگئی]

اور یہ آیت: { وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ } (الاعراف:۵۲)

ترجمہ: ”اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچادی ہے جس کو ہم نے اپنے کامل علم سے بہت واضح کر کے بیان کر دیا ہے“

نوعِ ثانی: اگر اتیان ومجیٔ مطلق مذکور ہو تو اس وقت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا آنا مراد ہو گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ } (البقرۃ:۲۱۰)

اور اللہ کا فرمان: { وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا } (الفجر:۲۱)

[۱۳] اثبات السمع والبصر اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کیلئے سمع (سننا) وبصر (دیکھنا) کا اثبات

وقوله: { قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللهِ وَاللهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ } (المجادلة:۱)

وقوله: { لَقَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ } (آل عمران:۱۸۱)

وقوله: { أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ } (الزخرف:۸۰)

وقوله: { إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ } (طه:۴۶)

وقوله: { أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللهَ يَرَىٰ } (العلق:۱۴) وقوله: { الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۔ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۔ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ } (الشعراء:۲۱۸تا۲۲۰) وقوله: { وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ } (التوبة:۱۰۵)

ان آیات کی تشریح

{ قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللهِ وَاللهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ } (المجادلة:۱)

ترجمہ:" یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کررہی تھی اور اور اللہ کے آگے شکایت کررہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے"

... شرح...

اس عورت کا نام خولہ بنت ثعلبۃ تھا، "تُجَادِلُکَ "یعنی اے پیغمبر وہ آپ سے تکرار کررہی تھی اپنے شوہر کے بارے میں، اس کے شوہر کا نام اوس بن صامت تھا، تکرار کرنے کا یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب اس کے شوہر نے اس سے ظہار کرلیا تھا۔" وَتَشْتَكِي إِلَى اللّٰه " اس جملہ کا عطف "تُجَادِلُکَ" پر ہے، کیونکہ کیفیت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرماتے کہ تو اپنے خاوند پر حرام ہوگئی ہے اور وہ کہتی: اللہ کی قسم اس نے لفظِ طلاق نہیں کہا، پھر کہنے لگی: میں اللہ کی طرف اپنے فقر وفاقے اور اپنی تنہائی کی شکایت کرتی ہوں، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اگر انہیں اپنے شوہر کے سپرد کرتی ہوں تو ان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اور اگر انہیں اپنے پاس رکھتی ہو تو میرے پاس انہیں کھلانے کیلئے کچھ نہیں، اور بار بار اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتی اور کہتی:" اللهم انی أشكو اليك" (اے اللہ میں تیری طرف اپنی شکایت کرتی ہو) ۔"وَاللّٰه يَسْمَعُ تَحَاوُرَ كُمَا" یعنی تم دونوں کی تکرار، سوال وجواب اللہ تعالیٰ سن رہا تھا"إِنَّ اللّٰه سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ "یعنی اللہ تعالیٰ تمام آوازوں کو سنتا ہے اور تمام مخلوقات کو دیکھتا ہے، اور مجملہ ان آوازوں اور مخلوقات کے اس عورت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجادلہ ومکالمہ بھی ہے۔

{ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰه قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوا اِنَّ اللّٰه فَقِيْرٌ وَنَحْنُ اَغْنِيَاءُ }

ترجمہ:" یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں" (آل عمران: ۱۸۱)

... شرح...

یہ یہودیوں میں سے بعض لوگوں کا قول ہے، جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

{ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰه قَرْضًا حَسَنًا } (البقرۃ:۲۴۵)

ترجمہ:" کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے" تو بعض یہودیوں نے اپنے نچلے طبقے کو اسلام سے برگشتہ کرنے اور ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کرنے کیلئے یہ بات کہی تھی وگرنہ اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے یہ ان کا اعتقاد نہ تھا۔

{ أَمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ } (الزخرف:۸۰)

ترجمہ:" کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے، بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں"

... شرح...

'' أَمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ ''یعنی جو باتیں اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں یا آپس میں چھپ کر جو باتیں کرتے ہیں،'' وَنَجْوَاهُمْ ''یعنی آپس میں جو سرگوشیاں کرتے ہیں،''نجوی'' ان باتوں کو کہتے ہیں جو کوئی شخص اپنے دوست سے دوسرے سے چھپا کر کرتا ہے''بَلٰی'' کیوں نہیں ہم ان باتوں کو سنتے ہیں اور جانتے ہیں،'' وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ''یعنی ہمارے نگراں فرشتے جو ان کے پاس ہوتے ہیں وہ ان سے صادر ہونے والے ہر قول وفعل کو لکھ لیتے ہیں۔

{ إِنَّنِيْ مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرٰى } (طٰہ: ۴۶)

ترجمہ:'' میں تمہارے ساتھ ہوں، سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں''

... شرح...

'' إِنَّنِيْ مَعَكُمَا '' یہ اللہ تعالیٰ قول ہے جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تھا تو اس وقت یہ فرمایا تھا، معنی یہ ہے کہ تم دونوں میری حفاظت اور نگرانی میں ہو اور میری مدد تمہیں حاصل ہوگی۔'' أَسْمَعُ وَأَرٰى ''یعنی میں تمہاری اور تمہارے دشمن کی باتوں کو سنوں گا اور تمہارے دشمن کی جگہ کو دیکھوں گا اور تمہارے اور تمہارے دشمن کے درمیان جو بھی معاملہ ہوگا میں اسے سنوں گا اور دیکھوں گا...اور یہ علت ہے اللہ کے قول'' لا تخافا'' ''تم دونوں نہ ڈرو'' کی۔

{ أَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَرٰى } (العلق: ۱۴)

ترجمہ:'' کیا اس نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اسے خوب دیکھ رہا ہے''

... شرح...

'' أَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَرٰى '' ابوجہل سے کہا جا رہا ہے جب اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے سے روک دیا تھا یعنی کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور اس کی بات سن رہا ہے، اور عنقریب اسے اسکے اس فعل کی پوری پوری سزا دے گا۔ یہاں استفہام زجر وتوبیخ کیلئے ہے۔ نیز فرمایا: { اَلَّذِيْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۔ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ } (الشعراء: ۲۱۸تا۲۲۰)

ترجمہ:'' جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ کرنے والوں کے درمیان تیرا گھومنا پھرنا بھی، وہ بڑا ہی سننے والا اور خوب جاننے والا ہے''

... شرح...

'' اَلَّذِیۡنَ یَرَاکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ''یعنی آپ کو جب آپ تنہا نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں وہ دیکھتا ہے۔'' وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیۡنَ ''یعنی اگر آپ نماز باجماعت پڑھیں تو وہ آپ کو رکوع، سجدہ اور قیام کی حالت میں دیکھتا ہے۔'' اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ '' آپ جو کہتے ہیں وہ اسے سنتا بھی ہے اور اسے جانتا بھی ہے۔

{ وَقُلِ اعۡمَلُوا فَسَیَرَی اللہ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُہٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ } (التوبۃ: ۱۰۵)

ترجمہ: '' کہہ دیجئے کہ تم عمل کیئے جاؤ تمہارے عمل خود اللہ دیکھ لے گا اور اس کا رسول اور ایمان والے بھی ''

... شرح...

'' وَقُلِ اعۡمَلُوا ''یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان منافقین سے کہدیں کہ تم جو چاہو کرو اور بھلے اپنے باطل اعمال پر جمے رہو لیکن یہ نہ سمجھو کہ تمہارے یہ اعمال مخفی ہی رہیں گے ''فَسَیَرَی اللہ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُہٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ''یعنی عنقریب تمہارے یہ اعمال دنیا میں ہی لوگوں پر ظاہر ہو جائیں گے ''وَسَتُرَدُّوۡنَ '' یعنی موت کے بعد تم لوٹا دیئے جاؤ گے {عَالِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّھَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ } ایسی ذات کی طرف جو ظاہر وپوشیدہ سب کو جانتا ہے، اور وہ تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کر کے تمہیں اس کی جزا دے گا۔

ان آیات کو ذکر کرنے کا مقصد

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمع (سننا) اور صفتِ بصر (دیکھنا) کا بیان ہوا ہے ،لہذا اللہ تعالیٰ سنتا اور دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کا سننا اور دیکھنا اپنے حقیقی معنی پر قائم ہے، بلکل ایسا جیسے اس کی عظمت وجلالت کے لائق ہے، اللہ رب العزت مخلوقات کی صفات سے مشابہت اور مماثلت سے

پاک ہے۔ یہ آیات اللہ تعالیٰ کیلئے سمع وبصر کے اثبات میں انتہائی صریح ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ سمع کا اثبات لفظِ ماضی (سَمِعَ) مضارع (یَسۡمَعُ)اور اسمِ فاعل (سَمِیۡعٌ) کے صیغوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ کلامِ عرب میں سمیع (سننے والا) وبصیر (دیکھنے والا) صرف اس چیز کو کہا جاتا ہے جو سنے اور دیکھے، یہی وجہ ہے کہ پہاڑ کو سمیع بصیر نہیں کہا جاتا کیوں کہ پہاڑ کیلئے سننا اور دیکھنا محال ہے۔

[۱۴] اثبات المکر والکید اللہ تعالیٰ علی ما یلیق بہ

اللہ تعالیٰ کیلئے مکر وکید جیسا اس کی شایانِ شان ہے کا اثبات

وقولہ: { وَھُوَ شَدِیۡدُ الۡمِحَالِ} (الرعد: ۱۳)

وقولہ: { وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰه وَاللّٰه خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ } (آل عمران: ۵۴)

وقولہ: { وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ } (النمل: ۵۰)

وقولہ: { إِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَأَكِيْدُ كَيْدًا } (الطارق: ۱۵،۱۶)

ان آیات کی تشریح

{ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ } (الرعد: ۱۳)

ترجمہ: ''اللہ سخت قوت والا ہے''

... شرح...

'' وَهُوَ '' یعنی اللہ تعالیٰ '' شَدِيْدُ الْمِحَالِ '' المحل کا لغوی معنی ''الشدۃ'' ہے معنی ہو گا شدید اور زبردست مکر تدبیر والا۔(لغت کے بہت بڑے امام)زجاج کا کہنا ہے: اہل لغت ''مَاحَلْتُهُ مِحَالاً'' کہتے ہیں جس کا معنی یہ ہے: میں نے اس سے زور آزمائی کی حتی کہ واضح ہو گیا کہ زیادہ اور سخت طاقت ور کون ہے۔ ابن الأعرابی کہتے ہیں کہ ''المحال'' بمعنی'' المکر '' ہے، آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ شدید اور زبردست مکر و تدبیر کرنیوالا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مکر کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جو سزا اور تکلیف کا مستحق ہوتا ہے ایسے انداز وطریقے سے سزا اور تکلیف پہنچاتا ہے کہ اسے خبر تک نہیں ہوتی۔

{ وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰه وَاللّٰه خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ } (آل عمران: ۵۴)

ترجمہ:'' اور کافروں نے مکر کیا اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب خفیہ تدبیر کرنیوالوں سے بہتر ہے''

... شرح...

یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے عیسیٰ علیہ السلام نے کفر اختیار کرنے کو محسوس کر لیا تھا، یہ کفار بنی اسرائیل ہیں جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے اور صلیب پر چڑھانے کا ارادہ کر لیا تھا۔''مکر'' کا معنی ہے کوئی کام کرنا لیکن نیت کچھ اور ہو۔'' وَمَكَرَ اللّٰه '' یعنی اللہ نے انہیں ڈھیل دی اور

انہیں ان کے مکر کی سزا دی ،اسطرح کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ کسی اور پر ڈال دی ،اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا۔ ''وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ'' یعنی اللہ تعالیٰ سب سے بڑھکر قدرت وطاقت رکھتاہے کہ مستحقِ ضرر کو اسطرح ضرر پہنچائے کہ اس کے وہم وگمان اور علم میں نہ آسکے۔

{ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ } (النمل: ۵۰)

'' انہوں نے بھی مکر کیااور ہم نے بھی مکر کیااور وہ (ہمارے مکر کو) سمجھتے ہی نہ تھے'' ... شرح... اس سے مراد صالح علیہ السلام کی قوم کے وہ کفار ہیں ، جنہوں نے صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کو قتل کی سازش کا باہم حلف اٹھایااور صالح علیہ السلام کے اولیاکے ڈر کی وجہ سے اس منصوبے پر خفیہ طریقے سے عمل پیراہونے کی کوشش کی۔ ''وَمَكَرْنَا مَكْرًا''ہم نے انہیں اس فعل کی جزادی اسطرح کہ ہم نے ان کفار کو ہلاک کر دیااور اپنے نبی کو بچالیا۔ ''وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ '' انہیں ہمارے اس مکر کا شعور ہی نہیں ہو سکا۔

{ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا } (الطارق: ۱۵،۱۶)

ترجمہ:''البتہ کافر داؤ گھات میں ہیں اور میں بھی ایک چال چل رہاہوں''

... شرح...

'' اِنَّهُمْ ''یعنی کفارِ قریش''يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا''محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین حق کو غلط اور باطل ثابت کرنے کیلئے مکر کرتے ہیں۔ ''وَاَكِيْدُ كَيْدًا''میں انہیں ڈھیل دیکر ان کے مکر وفریب کی انہیں سزادیتاہوں اور انہیں ان کی غفلت میں پکڑتاہوں کہ انہیں شعور تک نہیں ہوتا۔

ان آیات کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کیلئے صفتِ مکر وکید بیان ہوئی ہیں، مکر وکید کی نسبت اللہ کی طرف اپنے باب میں اپنی حقیقت پر قائم ہے؛ کیونکہ ''مکر'' کا معنی ہے کسی چیز کو کسی تک مخفی طور پر پہنچانا۔ کید، مکر اور مخادعت سب سے یہی مراد ہے۔ ''کید'' کی دو قسمیں ہیں: قبیح، وحسن۔ قبیح یہ ہے کہ مکر وکید اس شخص تک پہنچانا جو اس کا مستحق نہیں ہے، جبکہ حسن یہ ہے کہ جو مکر وکید کے معاملے کا مستحق ہے اسے بطور سزا مکر وکید پہنچانا۔ کید کی پہلی قسم مذموم ہے جبکہ دوسری قسم ممدوح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کید کیدِ محمود ہے اور مبنی بر عدل وحکمت ہے ،اللہ تعالیٰ ظالم وفاجر کی اس طرح گرفت کرتاہے کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا،اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان ظالموں کی طرح نہیں جولوگوں پر ظلم وستم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو کید، مکر اور خداع جیسی صفات سے اس لئے متصف فرمایاہے کہ مخلوقات میں سے جو ناحق کید، مکر اور خداع کا ارتکاب کرے اسے اس کے جرم کے (بالمقابل) اسی طریقے سے بدلہ اور سزا سے ہمکنار فرمادے۔اور یہ بات معلوم ہے کہ اس طریقے سے بدلہ اور سزا کا نظام اگر مخلوق قائم کرے تو انتہائی قابلِ تعریف ہے تو پھر اللہ رب العزت تو بالاولیٰ اس تعریف کا مستحق ہے۔

تنبیہ:

کید ومکر اور اس قسم کے دیگر الفاظ کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت باعتبارِ فعل ہے (نا کہ باعتبارِ اسم) فعل، اسم کی بنسبت زیادہ وسعت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے کچھ افعال منسوب فرمائے ہیں لیکن ان افعال کے اسماءِ فاعل سے اپنا نام نہیں رکھا، جیسے "اراد" (اس نے ارادہ کیا) "شاء" (اس نے چاہا) یہ افعال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں لیکن ان فعال کے اسماء فاعل "المرید" اور" الشائی" اللہ تعالیٰ موسوم نہیں ۔اسی طرح افعال مَکَرَ، یَمْکُرُ، اَکِیْدُ وغیرہ افعال اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب ہیں لیکن ان کے اسماءفاعل "الماکر" اور "الکائد" اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں شامل نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اسماء کے جو مسمیات یا معانی ہیں وہ ممدوح اور مذموم دونوں ہوسکتے ہیں۔(تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے اسم کی اضافت جائز نہیں جس میں کسی بھی طور مذموم معنی پایا جائے، البتہ ان اسماء کے افعال میں سے جو فعل ممدوح ہے اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت جائز بھی ہے اور ثابت بھی۔)

[۱۵] وصف اللہ بالعفو والمغفرۃ والرحمۃ والعزۃ والقدرۃ

اللہ تعالیٰ کا صفاتِ عفو، مغفرت، رحمت، غلبہ اور قدرت سے متصف ہونا

وقولہ تعالیٰ: { اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْتُخْفُوْہُ اَوْتَعْفُوْا عَنْ سُوْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا } (النساء: ۱۴۹)

وقولہ: { وَلْیَعْفُوا وَلْیَصْفَحُوا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ } (النور: ۲۲)

وقولہ: { وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ } (المنافقون: ۸)

وقولہ عن ابلیس: { فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ } (ص: ۸۲)

ان آیات کی تشریح

{ اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْتُخْفُوْہُ اَوْتَعْفُوْا عَنْ سُوْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا }

ترجمہ: "اگر تم کسی نیکی کو اعلانیہ کرو یا پوشیدہ، یا کسی برائی سے درگزر کرو، پس یقینا اللہ تعالیٰ پوری معافی دینے والا اور پوری قدرت والا ہے" (النساء: ۱۴۹)

... شرح...

'' اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا '' یعنی اگر تم نیکی کو ظاہر کردو۔ '' أَوْتُخْفُوْهُ '' یا اسے پوشیدہ کرکے کرو۔ '' أَوْتَعْفُوْا عَنْ سُوْءٍ '' یعنی جو تمہارے ساتھ بُرا سلوک کرے تم اس سے درگزر کرو۔ '' فَاِنَّ اللهَ كَانَ عَفُوًّا '' یعنی اللہ اپنے بندوں کو معاف کرنے والا اور ان سے درگزر کرنے والا ہے۔ '' قَدِيْرًا '' یعنی اللہ لوگوں سے ان کے اعمال کی وجہ سے انتقام لینے پر قدرت رکھتا ہے، تو اے لوگو قدرت کے باوجود معاف کرکے اس وصف میں تم اللہ کی اقتداء کرو۔

{ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَكُمْ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ }

ترجمہ: '' انہیں چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمادے، اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، مہربان ہے'' (النور: ۲۲)

... شرح...

آیت کے شروع میں جن اولوا الفضل والسعة (بزرگی اور کشادگی) والوں کا تذکرہ ہوا ہے انہیں کہا جارہا ہے کہ پردہ پوشی، معافی اور درگزر سے کام لو، یعنی مجرموں سے اعراض ودرگزر کرو اور ان کے جرم سے چشم پوشی کرو۔ '' أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَكُمْ '' کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف فرمائے بسبب اسکے کہ جو تمہارے ساتھ بُرا کریں تم انہیں معاف کرو اور درگزر کرو، '' وَاللهُ غَفُوْرٌ '' بہت زیادہ مغفرت کرنے والا '' رَحِيْمٌ '' بہت زیادہ رحمت کرنیوالا ہے۔ { وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ } (المنافقون: ۸)

ترجمہ: '' عزت تو صرف اللہ کیلئے اس کے رسول کیلئے اور اہلِ ایمان کیلئے ہے'' ... شرح... یہاں منافقین کا رد ہورہا ہے جن کا زعم تھا کہ انہیں اہلِ ایمان پر عزت حاصل ہے '' الْعِزَّة '' قوت اور غلبہ کو کہتے ہیں، اور یہ صرف اللہ کیلئے ہے یا پھر رسولوں اور نیک بندوں میں سے جس کیلئے اللہ چاہے ان کے علاوہ کسی کیلئے عزت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا قول ذکر کرتے ہوئے فرمایا: { فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ } (ص: ۸۲)

ترجمہ: '' تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو یقیناً بہکادوں گا''

... شرح...

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا قول ذکر کرتے ہوئے فرمایا: '' فَبِعِزَّتِكَ '' ابلیس نے اللہ کی عزت کی قسم کھائی۔ '' لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ '' یعنی میں اولادِ آدم کو ان پر ان کی خواہشات نفس کو مزین کرکے اور ان پر شبہات وارد کرکے گمراہ کروں گا حتیٰ کہ سب کے سب گمراہ ہوجائیں گے، پھر جب ابلیس نے یہ بات جان لی کہ میرا مکر وفریب تو صرف کافروں اور اہلِ معصیت میں سے جو میرے پیروکار ہوں گے ان پر چل سکے گا تو فوراً استثناء کرتے ہوئے کہا:

{ اِلَّاعِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ } مگر تیرے مخلص بندے (یعنی انہیں گمراہ نہیں کر سکوں گا)

ان آیات کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف: العفو، القدرۃ، المغفرۃ، الرحمۃ اور العزۃ کا ذکر ہے، یہ تمام صفاتِ کمال اللہ تعالیٰ کیلئے اس کی شایانِ شان ثابت ہیں۔

قواعد فی ادلۃ الأسماء والصفات

پہلا قاعدہ

وہ ادلہ جن سے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات ثابت ہوتے ہیں، صرف دو ہیں۔

(۱) کتاب اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بغیر (کسی اور دلیل سے) اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات ثابت نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کیلئے جن اسماء وصفات کا اثبات وارد ہے، ان کا اثبات واجب ہے۔ اور کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ سے جس چیز کی نفی وارد ہے، اس کی نفی واجب ہے، اس طرح کہ اس نفی کی ضد (صفتِ کمال) کو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کیا جائے اور قرآن وسنت میں جس صفت کا نہ تو اثبات وارد ہو اور نہ نفی، اس صفت کے لفظ کے بارہ میں توقف کیا جائے... چنانچہ نہ تو اسے اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کیا جائے، اور نہ ہی اس کی اللہ تعالیٰ سے نفی کی جائے، کیونکہ قرآن وسنت میں نہ تو اس کا اثبات وارد ہے نہ نفی۔ لیکن اس کے معنی کے حوالے سے تفصیل اختیار کی جائے گی، چنانچہ اس لفظ کا معنی اگر حق ہے جو اللہ تعالیٰ کے لائقِ شان ہے تو وہ معنی قابلِ قبول ہو گا، اور اگر اس لفظ سے ایسا معنی مراد لیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے لائقِ شان نہیں تو اس کا رد کرنا واجب ہے۔

(۱) اثبات کی مثالیں:

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کی وہ تمام صفات جن پر اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ دلالت کرتے ہیں، خواہ دلالتِ مطابقت ہو یا تضمن یا التزام... اسی طرح وہ تمام صفات جو اللہ تعالیٰ کے مختلف افعال سے ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً: استواء علی العرش، آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرمانا، اور قیامت کے دن بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کیلئے آنا، وغیرہ۔ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی انواع کا احاطہ ممکن نہیں ہے، ان افعال کے افراد کے احاطے کی تو بات ہی کیا؟ [وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ۝۲۷][1]

ترجمہ: اللہ جو چاہے کر گزرے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ''الوجہ'' (چہرہ)'' العینان''(دو آنکھیں)''الیدین'' (دوہاتھ) بھی مذکور ہیں، اسی طرح کلام فرمانا، مشیئت فرمانا، اور ارادہ فرمانا (بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں) ارادہ خواہ شرعیہ ہو یا کونیہ، ارادہ کونیہ بمعنی مشیئت ہے اور ارادہ شرعیہ بمعنی محبت ہے۔ اسی طرح رضا، محبت، غضب اور کراہت وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں (چونکہ یہ تمام صفات کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں، لہذا انہیں بلا کسی تاویل اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کرنا واجب ہے)

(۲) نفی کی مثالیں

کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ سے جن صفات کی نفی ثابت ہے ان میں موت، نیند، اونگھ، عجز، تھکاوٹ، ظلم، بندوں کے اعمال سے غفلت، کسی کا اس کے مثل ہونا یا کسی کا اس کے برابر ہونا

[1]ابرھیم:۲۷

وغیرہ ہیں (ان تمام صفات کی اللہ تعالیٰ سے نفی وارد ہے، لہذا ہم بھی ان کے اللہ تعالیٰ سے منفی ہونے اور ان کے مقابل صفتِ کمال کے ثابت ہونے پر ایمان لائیں)

(۳) وہ صفات جن کا کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کیلئے نہ تو اثبات وارد ہے نہ نفی، ان میں لفظِ '' جہت ''کی مثال دی جاسکتی ہے، چنانچہ اگر کوئی سوال کرے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کیلئے جہت ثابت کریں؟ ہم جواب دیں گے کہ لفظِ جہت کا کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کیلئے نہ تو اثبات وارد ہے نہ نفی... لہذا اس لفظ کی بجائے وہ صفت ثابت کریں جو کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا آسمانوں میں (عرش کے اوپر) ہونا۔ اب جہاں تک جہت کے معنی کا تعلق ہے تو اس لفظ کے تین معنی ہوسکتے ہیں۔

(۱) جہتِ سفل، یعنی نیچے کی جہت

(۲) جہتِ علو۔ یعنی اوپر کی جہت، لیکن اس طرح کہ اس جہت نے اللہ تعالیٰ کو گھیر رکھا ہو۔

(۳) جہتِ علو۔ یعنی اوپر کی جہت اس طرح کہ اس جہت نے اللہ تعالیٰ کو نہ گھیرا ہو۔ جہت کا پہلا معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں باطل ہے؛ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علو کے منافی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا علو کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ عقل، فطرت اور اجماعِ امت بھی اللہ تعالیٰ کے علو کو ثابت کرتے ہیں۔ جہت کا دوسرا معنی بھی اللہ تعالیٰ کے حق میں باطل ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اتنا بڑا ہے کہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کا احاطہ نہیں کرسکتی۔

تیسرا معنی حق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ''العلی'' بلند ہے اپنی ساری مخلوقات کے اوپر ہے اور اس کی مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ اس قاعدہ پر (کہ اللہ تعالیٰ کی صفات، کتاب وسنت ہی سے ثابت ہوتی ہے) نقل وعقل کی دلیل موجود ہے۔

نقلی دلیل: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

[وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۵۵][1]

ترجمہ: اور یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر وبرکت والی، سو اس کا اتباع کرو اور ڈرو، تا کہ تم پر رحمت ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

[فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵۸][2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اسکے نبی اُمی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اسکے احکام پر ایمان رکھتا ہے، اور ان کی اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آجاؤ۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

[وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ][3]

ترجمہ: تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو، اور جس سے روکے رک جاؤ۔

[1]الانعام :۱۵۵ [2] الاعراف:۱۵۸ [3] الحشر:۷

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

[مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝۸۰][1]

ترجمہ: اس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو اطاعت کرے اسی نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی، اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

[فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹][2]

ترجمہ: پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

[وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ][3]

ترجمہ: آپ ان کے معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے، ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے۔

[1]النساء:۸۰ [2] النساء:۵۹ [3] المائدۃ:۴۹

اس کے علاوہ بہت سے نصوص موجود ہیں جنکی دلالت یہ ہے کہ کتاب وسنت میں جو کچھ آگیا ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ واضح ہو کہ قرآن مجید کی ہر وہ نص جو قرآنِ حکیم کے کسی حکم پر ایمان کو واجب قرار دیتی ہے وہ سنتِ رسول کے ہر حکم پر ایمان لانے کے وجوب پر بھی دال ہوتی ہے؛ کیونکہ قرآنِ حکیم نے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ اور قرآن حکیم ہی نے اختلافات وتنازعات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دینے کا حکم دیا ہے، اس لوٹانے کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آپکی ذات کی طرف رجوع کیا جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپکی سنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ اتباعِ رسول سے کفر وانکار کرنے والے شخص کا قرآن پر ایمان کہاں رہا؟ کیونکہ قرآن ہی اتباعِ رسول کا حکم دیتا ہے! اسی طرح اختلافات وتنازعات کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع نہ کرنے والے شخص کا قرآن پر ایمان کہاں رہا؟ کیونکہ قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے اختلافات کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کرو۔ اسی طرح جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو قبول نہیں کرتا اس کا رسول اللہ پر کیا ایمان رہا؟ اور ایمان بالرسول کا بھی قرآن پاک ہی نے حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ][1]

ترجمہ: ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ شریعت کے بہت سے اعتقادی وعملی امور کا بیان صرف سنتِ

[1]النحل:۸۹

رسول اللہ میں موجود ہے، لہذا سنت کا وہ بیان قرآن مجید کا بیان قرار پائے گا (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی کو [تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ] فرمایا ہے)

عقلی دلیل: واضح ہو کہ مذکورہ قاعدہ یعنی اسماء وصفات کے اثبات کیلئے دلیل یا تو کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ ہے، اور یہ کہ اس اثبات میں عقل کو کوئی دخل نہیں، اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے کسی صفت کا اثبات واجب ہے اور کسی کا ممتنع۔ یہ امورِ غیبیہ میں سے ہے جس کا عقل کے ذریعہ ادارک ممکن نہیں ہے، لہذا اس سلسلہ میں کتاب وسنت کی طرف رجوع اور ارتکاز واقتصار واجب ٹھہرا۔

دوسرا قاعدہ

قرآن وسنت کے نصوص کے سلسلہ میں ایک ضروری اور اہم قاعدہ یہ ہے کہ انہیں ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور کسی قسم کی تحریف کا ارتکاب نہ کیا جائے

بالخصوص اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل نصوص کیلیۓ (تو یہ قاعدہ اچھی طرح قلوب واذہان میں راسخ کر لیا جائے) کیونکہ صفات میں عقل ورائے کی کوئی جگہ نہیں۔ اس قاعدہ پر نقلی وعقلی دلائل موجود ہیں۔

نقلی دلائل : اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

[نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ۝۱۹۳ عَلٰي قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۝۱۹۴ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۝۱۹۵][1]

[1]الشعراء:۱۹۳تا۱۹۵

ترجمہ:اسے امانت دار فرشتہ لیکر آیا۔ آپ کے دل پر اتارا ہے کہ آپ آگاہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ صاف عربی زبان میں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: [اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۲][1]

ترجمہ: یقینا ہم نے اسکو عربی قرآن بنا کر نازل فرمایاہے تا کہ تم سمجھ سکو۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: [اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۳][2]

ترجمہ: یقینا ہم نے اسکو عربی قرآن بنا کر نازل فرمایاہے تا کہ تم سمجھ سکو۔ ان آیات کی واضح دلالت یہ ہے کہ چونکہ یہ قرآن عربی زبان میں اترا، لہذا عربی لغت کے ظاہری مقتضٰی پر اس کا فہم ضروری ہے، الا یہ کہ کوئی دلیلِ شرعی ظاہر پر محمول کرنے سے مانع ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہودیوں کی اس لیئے شدید مذمت کی کہ انہوں نے نصوصِ وحی میں تحریف کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ وہ اس تحریف کی وجہ سے پوری کائنات میں سب سے زیادہ ایمان سے بہکے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ۝۷۵][3]

[1]یوسف:۲ [2]الزخرف:۳ [3]البقرۃ:۷۵

ترجمہ:(مسلمانو!) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں،حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کلام اللہ کو سن کر، عقل والے ہوتے ہوئے، پھر بھی بدل ڈالتے ہیں۔

نیز فرمایا: [مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا][1]

ترجمہ: بعض یہود، کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔

عقلی دلیل: یہ ہے کہ ان نصوص کا متکلم (یعنی اللہ) اپنی مراد کو دوسروں سے بہتر اور زیادہ جاننے والا ہے اور اس ذات نے بڑی فصیح عربی زبان میں بندوں کو مخاطب کیا ہے۔لہٰذا ان نصوص کو ظاہری معنی پر قبول کرنا واجب ہوگا، بصورتِ دیگر مختلف آراء سامنے آئیں گی اور یہ امت مسلسل تقسیم و تفریق کا شکار ہوتی رہے گی۔واللہ المستعان

تیسرا قاعدہ

نصوصِ صفات کے ظاہر کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت ہمیں معلوم ہے، جبکہ دوسری حیثیت مجہول ہے۔

چنانچہ ایک حیثیت معنی کی ہے اور دوسری کیفیت کی۔ معنی معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے… نصوصِ صفات کے معنی معلوم ہونے پر نقلی وعقلی دلیل موجود ہے۔

نقلی دلیل :اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

[كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝۲۹][1]

ترجمہ: اور یہ بابرکت کتاب جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور وفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: [اِنَّآ جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝۳][2]

ترجمہ: یقیناً ہم نے اس کو عربی قرآن بنا کر نازل فرمایا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: [وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝۴۴][3]

ترجمہ: یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں شاید کہ وہ غور کریں۔ ان آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ قرآنی نصوص کے معانی معلوم ہو سکتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قرآنِ حکیم میں تدبر، تعقل اور

تفکر کا حکم دیا ہے، تاکہ اس تدبر کے ذرریعہ فہمِ معنی تک رسائی ہو جائے اور فہمِ معنی کے بعد نصیحت قبول کرنے کی راہ ہموار ہو جائے ... تو اگر نصوص کا معنی معلوم ہونا ممکن نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا قرآن حکیم میں تدبر و تفکر کا حکم بے مقصد ہوتا... (والعیاذ باللہ)

[1]ص:۲۹ [2] الزخرف:۳ [3] النحل:۴۴

قرآن حکیم کا عربی زبان میں اترنا تاکہ عربی کا فہم رکھنے والے اس کتابِ مقدس کو سمجھ سکیں، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ نصوصِ قرآنی کے معانی معلوم ومفہوم ہوسکتے ہیں، ورنہ قرآن مجید کے عربی اور غیر عربی میں نازل ہونے میں کوئی فرق نہ ہوتا... پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کیلئے قرآن پاک بیان کرنا اس کے لفظ اور معنی دونوں کے بیان کو شامل ہے (تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی بیان کرنا نصوصِ قرآنی کا معنی سمجھنے کیلئے ہے اور سمجھنا ممکن ہے اور سمجھنا چاہیئے) عقلی دلیل: اس پر عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک کتاب نازل فرمائے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرمائیں، اور اس کتاب اور گفتگو سے مقصود لوگوں کی ہدایت ہو لیکن اس کتاب یا گفتگو کا سب سے اہم مسئلہ (صفاتِ باری تعالیٰ) کا معنی ناقابلِ فہم ہو اور بمنزلہ حروفِ تہجی ہو کہ کسی حرفِ تہجی سے معنوی اعتبار سے کچھ نہیں سمجھا جا سکتا؟؟---

یہ تو ایک ایسی سفاہت ہو گی جس کا اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ قطعی انکار کرتی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا اپنی کتاب کی بابت ارشاد ہے:

[كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝١][1]

ترجمہ: یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے۔

یہاں ہم نے عقلی دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ نصوصِ صفات کے معانی معلوم ہیں...

دوسری بات ہم نے یہ کہی تھی کہ ان صفات کی کیفیت مجہول ہے۔ کیفیت کے مجہول ہونے کے حوالے سے ہم نے قواعدِ صفات کے قاعدہ نمبر (٦) میں نقلی وعقلی اَدلہ تحریر کر دیئے ہیں۔لہذا قاعدہ نمبر (٦) دیکھ لیا جائے۔

واضح ہو کہ ہم نے نصوصِ صفات کے معانی کے علم ہونے کو دلائل نقل وعقل سے ثابت کیا ہے، جس سے مفوضہ کے مسلک کا باطل ہونا ثابت ہو گیا... مفوضہ، صفاتِ باری تعالیٰ کے نصوص کے معانی کے علم کے بارہ میں تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نصوصِ صفات کے معانی بھی ہم نہیں جانتے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ مفوضہ کا دعویٰ ہے کہ سلف صالحین کا مذہب بھی یہ ہے، مفوضہ کا یہ قول صراحتًا باطل ہے اور سلف ھود: اصالحین معانی کی تفویض کے عقیدہ سے بری ہیں۔ ان سے تواتر کے ساتھ ایسے اقوال منقول ہیں جو صفات کے معانی کے اثبات پر دال ہیں۔ کبھی وہ معانی اجمالاً ہوتے ہیں تو کبھی تفصیلاً۔ البتہ وہ صفات کی کیفیت کے بارہ میں تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں...یعنی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ہم صفات کا صرف معنیٰ جانتے ہیں، کیفیت نہیں جانتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی معروف کتاب " العقل والنقل" (۱/۱۱۶) جو منہاج السنۃ کے حاشیہ پر مطبوع ہے، میں فرماتے ہیں: " جہاں تک (نصوصِ صفات کے معانی کی) تفویض کا تعلق ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن میں تدبر کا حکم دیا ہے، اور اس کے تعقل وفہم کی ترغیب دلائی ہے۔ مزید فرماتے ہیں: (اگر یہ بات مان لیں کہ نصوصِ صفات کے معانی صرف اللہ ہی جانتا ہے) تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں جو اپنی صفات بیان کی ہیں انبیاء ان کے معانی سے ناواقف تھے، تو گویا انبیاء کرام لوگوں کے سامنے ایک ایسا کلام پڑھتے رہے جس کا معنی وہ خود بھی نہیں جانتے (والعیاذ باللہ) ... یہ بات تو قرآن پاک اور انبیاءِ کرام دونوں کے حق میں موجبِ جرح وطعن ہو گی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن اتارا ہے اور اسے لوگوں کیلئے بیان اور ہدایت قرار دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے مکمل طور پر پہنچا دینے پر مامور کیا ہے، نیز انہیں اس بات کا بھی پابند کیا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کا بیان بھی سکھلا دیں پھر تمام لوگوں کو قرآنِ پاک پر تدبر وتعقل کا حکم دیا ہے تو اس سب کے بعد قرآنِ پاک کے سب سے اشرف واعلیٰ حصے یعنی ربِ کائنات کی صفات کے معانی کا علم نہ ہونا انتہائی تعجب خیز ہو گا۔

اس کا معنی یہ ہو گا کہ ان نصوص پر تعقل وتدبر نہ کیا جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو بلاغِ مبین کے تقاضے پورے کیئے اور نہ ہی اس وحیِ مُنَزَّل کے بیان کا پورا حق ادا کیا۔ (والعیاذ باللہ) اور اگر یہ حقیقت مان لیں کہ رب تعالیٰ کی صفات کے معانی کا ہمیں علم نہیں تو پھر بدعتی اور ملحد قسم کے لوگوں کیلئے الحاد کا ایک اور دروازہ کھل سکتا ہے، وہ کہہ سکتے ہیں کہ ان نصوص کے تعلق سے ہم نے اپنی عقل ورائے سے جو کچھ سمجھ لیا وہی حق ہے اور نصوص میں اس کا مناقض ومعارض بھی کوئی نہیں، کیونکہ ان نصوص کو مشکل ومتشابہ قرار دیا گیا ہے، جن کا معنی معلوم نہیں اور جس چیز کا معنی معلوم نہ ہو اس سے استدلال جائز نہیں، پس یہ کلام انبیاء سے ہدایت وبیان کے دروازے کے بند ہونے کا موجب ہو گا، جبکہ معارضہ کرنے والوں کیلئے دروازے کھل جائیں گے، اور وہ کہیں گے کہ ہدایت وبیان ہمارے راستہ میں ہے نہ کہ انبیاء کے راستہ میں؛ کیونکہ ہم جو کچھ کہہ

رہے ہیں اسے جانتے بھی ہیں اور عقلی دلائل سے واضح بھی کر رہے ہیں جبکہ انبیاء تو ان کے معانی سے ہی آگاہ نہیں، بیان تو دور کی بات ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ صفات کے معانی کے تفویض کا قول جسے وہ بزعمِ خویش سنت اور سلفِ صالحین کی اتباع قرار دے رہے ہیں، مبتدعین وملحدین کا سب سے بدترین قول ہے... " (شیخ الاسلام کا کلام ختم ہوا) اور یہ انتہائی نفیس اور درست قول ہے، ایک صاحبِ رائے شخصیت کا عمدہ کلام ہے جس پر مزید اضافے کی گنجائش نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ پر وسیع رحمت فرمادے اور ہمیں ان کے ساتھ جنات النعیم میں جمع فرمادے۔

چوتھا قاعدہ:

ظاہری نصوص سے مراد کسی بھی لفظ کا وہ معنی ہے جو اس لفظ کے سامنے آتے ہی فوراً ذہن میں آجائے۔ اسے "معنیً متبادر الی الذہن" کہا جاتا ہے، بعض اوقات کسی لفظ کے معنی کا تعین سیاقِ کلام یا اضافت کی مناسبت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک لفظ کا ایک عبارت میں کچھ اور دوسری عبارت میں کچھ معنی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر:

پہلی مثال: لفظِ "القریۃ" سے کبھی تو بستی مراد ہوتی ہے، اور کبھی بستی میں رہنے والے لوگ۔

چنانچہ قولہ تعالیٰ: [وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۝][1]

[1]الاسراء:۵۸

ترجمہ: جتنی بھی بستیاں ہیں ہم قیامت کے دن سے پہلے پہلے یاتوانہیں ہلاک کر دینے والے ہیں یاسخت ترسزا دینے والے ہیں۔

میں القریۃ سے مراد لوگ ہیں۔

اور قولہ تعالیٰ: [قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ][1]

ترجمہ: اس بستی والوں کو ہم ہلاک کر دینے والے ہیں۔ یہاں القریۃ سے مراد بستی ہے جو لوگوں کا مسکن ہوتی ہے۔

دوسری مثال: اگر آپ یوں کہیں: "صنعت ھذا بیدی" (یہ چیز میں نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہے) تو اس مثال میں جو ید (یعنی ہاتھ) مذکور ہے، وہ اس ید یعنی ہاتھ جیسا نہیں ہو سکتا۔ جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہے:

[لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۝][2]

ترجمہ: جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔ کیونکہ مثال میں جس ہاتھ کا ذکر ہے وہ مخلوق کی طرف منسوب ہے، لہذا یہ مخلوق کے لائق ہاتھ مراد ہو گا ، جبکہ آیتِ کریمہ میں خالقِ کائنات کے ہاتھ کا ذکر ہے، جو خالقِ کائنات کے لائقِ شان ہو گا۔... کوئی بھی سلیم الفطرت یا صحیح العقل انسان خالق کے ہاتھ کو مخلوق کے ہاتھ جیسا یا مخلوق کے ہاتھ کو خالق کے ہاتھ جیسا قرار نہیں دے سکتا۔

[1]العنکبوت:۳۱ [2]ص:۷۵

استقامت اور ثابت قدمی

طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں اہلِ ایمان کی استقامت 'عزیمت اور ثابت قدمی کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے جب دوپہر کی گرمی شباب پر ہوتی تو مکہ کے پتھریلے کنکروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھ کر کہتا خدا کی قسم 'تو اسی طرح پڑا رہے یہاں تک کہ مر جائے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی یہی فرماتے احد 'احد (اللہ تعالیٰ ایک ہے 'اللہ تعالیٰ ایک ہے)

(ب) حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ قبیلہ خزاعہ کی ایک عوت اُمّ انمار کے غلام تھے انہیں کئی بار دہکتے انگاروں پر لٹا کر اوپر سے پتھر رکھ دیا گیا کہ اٹھ نہ سکیں لیکن تسلیم ورضا کا یہ پیکر اس جنونی ظلم وستم کے باوجود اپنے دین وایمان پر قائم رہا۔

(ج) ایک ضعیف العمر خاتون 'حضرت سمیہ بنت خباط رضی اللہ عنہا کو لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں زمین پر لٹادیا جاتا اور کہا جاتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرو' حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا نے اسی ظلم وستم کے نتیجے میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی لیکن راہ حق سے لمحہ بھر کے لئے ہٹنا گوارا نہ کیا۔

(د) حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ دوران سفر جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کے ہاتھ لگ گئے مسیلمہ کذّاب صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حبیب کا ایک ایک بند کاٹتا جاتا اور کہتا کہ مجھے رسول مانو حضرت حبیب انکار کرتے جاتے اسی طرح سارے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن وہ پیکر صبر وثبات اپنے ایمان پر پہاڑ کی سی مضبوطی کے ساتھ جما رہا۔

تاریخ اسلام کے یہ چند واقعات محض مثال کے طور پر پیش کئے گئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اسلام کا کوئی دور ایسے واقعات سے خالی نہیں رہا تاریخ کے طالب علم کے لئے یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اہل ایمان نے ان ناقابل بیان اور ناقابل تصور ظلم کے مقابلے میں جس حیران کن استقامت اور ثبات کا مظاہرہ کیا اس کا اصل سبب کیا تھا؟ اس سوال کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیا ہے سورۃ ابراہیم میں کلمہ طیبہ کی تمثیل کے فوراً بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"﴿يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾

ترجمہ:''ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ ایک قول ثابت (کلمہ طیبہ) کی بنیاد پر دنیا اور آخرت دونوں جگہ ثبات عطا کرتا ہے'' (سورۃ ابراہیم:۲۷) گویا یہ عقیدۂ توحید ہی کا فیضان ہے کہ باطل عقائد وافکار کا طوفان ہو یا رنج والم کی یورش 'جابر اور قاہر حکمرانوں کی چیرہ دستیاں ہوں یا طاغوتی قوتوں کا ظلم وستم 'کوئی چیز بھی اہل توحید کے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہیں کر سکتی۔ مذکورہ آیت کریمہ میں دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی اہل توحید کو ثبات کی خوشخبری دی گئی ہے آخرت سے یہاں مراد قبر ہے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے''جب مومن کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو اس کے پاس (سوال جواب کے لیے) فرشتہ بھیجا جاتا ہے تب مومن لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ کی گواہی دیتا ہے 'یہی مطلب ہے اللہ کے فرمان کا يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا ـــــــــــــــــ (بخاری)

گویا قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کے جواب میں ثبات بھی اسی عقیدہ توحید کی برکت سے حاصل ہوگا

(۲) عزت نفس اور خودی کا تحفظ

شرک انسانوں کو بے شمار خیالی اور وہمی قوتوں کے خوف میں مبتلا کر دیتا ہے 'دیوی دیوتاؤں کا خوف 'مظاہر قدرت کا خوف 'بھوت پریت اور جنات کا خوف 'زندہ اور مردہ انسانوں کے آستانوں کا خوف 'جابر اور قاہر حکمرانوں کا خوف 'اسی خوف کے نتیجے میں انسان ایسی اخلاقی اور مذہبی پستیوں میں گرتا چلا جاتا ہے کہ آدمیت اور انسانیت منہ چھپانے لگتی ہے 'جبکہ عقیدہ توحید انسان کو ایسی تمام واہمی اور خیالی قوتوں کے خوف سے بے نیاز کر کے روح اور جسم کو آزادی عطا کرتا ہے انسان کو عزّتِ نفس اور احترام آدمیت کا احساس دلاتا ہے 'ہر آن اسے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ (یعنی ہم نے بنی آدم کو

بزرگی عطافرمائی ہے)اور لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ (یعنی ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے)کا فرمان الٰہی یاد دلا تا رہتا ہے یہی عقیدہ توحید انسان کو خودی کے بلند مقام پر لا کھڑا کرتا ہے' حکیم الامت علامہ اقبال نے اس نکتے کی ترجمانی درج ذیل شعر میں بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے۔

خودی کا سرِّ نہاں لَااِلٰـہَ اِلاَّاللّٰہ

خودی کا تیغ فشاں لَااِلٰـہَ اِلاَّاللّٰہ

مساوات اور عدل اجتماعی

عقیدۂ توحید ہی یہ تصور بھی پیش کرتا ہے کہ ساری مخلوق کا خالق' رازق اور مالک صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی ہے اسی نے آدم کو مٹی سے بنایا اور باقی تمام انسان آدم علیہ السلام سے پیدا کئے' خواہ کوئی مشرق میں ہے یا مغرب میں' امریکہ میں ہے یا افریقہ میں' کالا ہے یا گورا' سفید ہے یا سرخ' عربی ہے یا عجمی سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں سب کے حقوق یکساں ہیں سب کی عزت اور احترام یکساں ہیں۔ کوئی کسی کو اپنا محکوم نہ سمجھے کوئی کسی کو اپنا غلام نہ بنائے کوئی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرے کوئی کسی کو حقیر اور کمتر نہ جانے کوئی کسی کا حق غصب نہ کرے ساری خلقت ایک ہی درجہ کے انسان ہیں' لہٰذا سارے انسان صرف ایک ہی معبود کے آگے جھکیں' صرف ایک ہی ذات کے حکم اور قانون کے آگے سر تسلیم خم کریں' صرف ایک ہی ہستی کے غلام اور بندے بن کر رہیں۔ عقیدۂ توحید کی اس تعلیم نے اسلامی معاشرے میں ذات پات' غلامی اور محکومی' ظلم اور استحصال' حقارت اور نفرت جیسی منفی اقدار کی بیخ کنی کر کے محبت واخوت' خلوص وہمدردی' امن وسلامتی اور مساوات وعدلِ اجتماعی جیسی اعلیٰ اقدار کو مُسلم معاشرہ میں جاری وساری کر دیا۔

روحانی سکون

شرک کائنات کا سب سے بڑا جھوٹ' انسان کی ذات اور گردوپیش میں موجود ہزاروں نہیں کروڑوں ایسی واضح نشانیاں اور دلائل موجود ہیں جو شرک کی تردید کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مشرک کی نظریاتی اور عملی زندگی میں مشرق ومغرب کا تضاد پایا جاتا ہے اس کی روح ہمیشہ اضطراب اور دل ودماغ انتشار کا شکار رہتے ہیں' وہ مسلسل شکوک وشبہات' بے یقینی اور ٹوٹ پھوٹ کی کیفیت سے دوچار رہتا ہے جبکہ عقیدۂ توحید اس کائنات کی سب سے بڑی عالمگیر سچائی ہے۔ انسان کی اپنی ذات کے اندر سینکڑوں نہیں کروڑوں نشانیاں توحید کی گواہی دینے کے لئے موجود ہیں کائنات کا ذرّہ ذرّہ عقیدۂ توحید کی تصدیق اور تائید کرتا ہے۔

عقیدۂ توحید انسان کی فطرت اور جبلت کے عین مطابق ہے یا یوں کہئے کہ پیدائشی طور پر انسان کو موحد تخلیق کیا گیا ہے خود قرآن مجید میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے۔

﴿فَاَقِمۡ وَجۡهَکَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا فِطۡرَةَاللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا﴾

ترجمہ:''پس یکسو ہو کر اپنا رخ دین اسلام کی سمت میں جمادو اور قائم ہو جاؤ اس فطرت توحید پر جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا۔'' (سورہ الروم آیت::۳۰)

چنانچہ عقیدۂ توحید پر ایمان رکھنے والا شخص اپنی نظریاتی اور عملی زندگی میں کبھی تضاد اور شکوک وشبہات کا شکار نہیں ہوتا اس کے دل ودماغ کبھی بے یقینی اور اضطراب کی کیفیت سے دوچار نہیں ہوتے اس کی زندگی کے حالات اور معاملات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں وہ اپنے اندر سکون 'قرار' یقین اور تسلیم ورضا کی کیفیت ہر آن محسوس کرتا رہتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ عقیدۂ توحید کی برکات اور ثمرات اس قدر ہیں کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں خیر بھلائی اور نیکی کے تمام سوتے اسی چشمۂ توحید سے پھوٹتے ہیں اس طرح عقیدۂ توحید

بنی نوع انسان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان اور نعمت غیر مترقبہ ہے جس سے فیض یاب ہونے والے لوگ ہی دنیا اور آخرت میں کامیاب وکامران ہیں اور محروم رہنے والے ناکام اور نامراد۔

عقیدۂ شرک بنی نوعِ انسان کے لئے سب سے بڑی لعنت

عقیدہ توحید اللہ تعالیٰ کی طرف دیا گیا عقیدہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسل کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا ہے اس عقیدہ کی تعلیمات روزِ اوّل سے ایک ہی ہیں ان میں کبھی کوئی تغیر اور تبدیلی نہیں کی گئی جبکہ عقیدہ شرک شیطان کا وضع کیا ہوا عقیدہ ہے جسے وہ مختلف زمانوں 'مختلف علاقوں اور مختلف اقوام کے لئے الگ الگ فلسفوں کے ساتھ وضع کرکے اپنے چیلے چانٹوں س کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتا رہتا ہے 'کہیں یہ بت پرستی کی شکل میں متعارف ہوتا ہے تو کہیں قبر پرستی کی شکل میں 'کہیں نفس پرستی کی شکل میں متعارف ہوتا ہے تو کہیں طاغوت پرستی کی شکل میں 'کہیں پیر پرستی کی شکل میں متعارف ہوتا ہے تو کہیں ائمہ پرستی کی شکل میں 'کہیں قوم پرستی کی شکل میں موجود ہے تو کہیں وطن اور رنگ ونسل پرستی کی شکل میں 'یہ ساری چیزیں دراصل ایک ہی شجرہ خبیثہ کی مختلف شاخیں اور برگ وبار ہیں جن کی بنیاد شیطانی افکار وعقائد پر ہے 'شیطان اپنے ان ہی افکار وعقائد کو پھیلانے کے لئے کبھی ہندوازم کا 'کبھی یہودیت کا لبادہ اوڑھتا ہے کبھی عیسائیت کا 'کہیں سرمایہ داری کے پردہ میں گمراہی اور ضلالت پھیلاتا ہے 'کہیں کمیونزم کے پردہ میں 'کہیں سوشلزم کا پرچارک بن کر یہ خدمت سرانجام دیتا ہے 'کہیں اسلامی سوشلزم کا مبلغ بن کر 'کہیں جمہوریت کا علم بردار بن کر اور کہیں اسلامی جمہوریت[1] کا خادم بن کر 'کہیں تصوف (۲) کے کے نام پر اور کہیں تشیع کے نام پر 'دراصل یہ سب مکر وفریب

[1]اگر ایک کافرانہ نظام سوشلزم کے اسلام کا لفظ لگانے سے وہ نظام کفر ہی رہتا ہے تو پھر ایک دوسرے کافرانہ نظام 'جمہوریت کے ساتھ اسلامی کا لفظ لگانے سے وہ کیسے مشرف بہ اسلام ہوجائے گا یہ فلسفہ ہماری عقل سے بالاتر ہے ہمارے نزدیک اسلامی جمہوریت کے غیر اسلامی ہونے کے دلائل صد فیصد وہی ہیں جو اسلامی سوشلزم کے غیر اسلامی ہونے کے ہیں کل کلاں اگر کوئی شاطر اسلامی سرمایہ داری یا اسلامی یہودیت یا اسلامی عیسائیت وغیرہ کا فلسفہ ایجاد کرڈالے تو کیا اسے بھی قبول کرلیا جائے گا؟آخر اسلامی تاریخ میں پہلے سے استعمال کی گئی کتاب وسنت سے ------------ ثابت شدہ اصطلاحات نظام خلافت یا نظام شورائیت 'سے پہلو تھی کرنے کی وجہ کیا ہے ؟ کیا ہمارے مسلم دانشور اور مفکرین اس نکتہ پر سنجیدگی سے غور کرنا پسند فرمائیں گے ؟

کے وہ جال ہیں جو شیطان نے مخلوق خدا کو صراط مستقیم سے گمراہ کرنے کے لئے پھیلا رکھے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عقیدۂ شرک کی مثال ایک ایسے خبیث درخت کے ساتھ دی ہے جس کی جڑیں نہ جسے استحکام حاصل ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقَ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾

ترجمہ:''کلمہ خبیثہ''(شرک) کی مثال ایک ایسے بدذات درخت کی سی ہے جو زمین کی بالائی سطح سے ہی اکھاڑ پھینکا جاتا ہے اور اس کے لئے کوئی استحکام نہیں ہے۔(سورہ ابراہیم آیت:۲۶) مذکورہ آیت کریمہ سے درج ذیل تین باتیں واضح ہوتی ہیں:

(الف) چونکہ کائنات کی کوئی چیز عقیدہ شرک کی تائید نہیں کرتی اس لئے اس شجر خبیثہ کی کہیں بھی جڑیں نہیں بننے پاتیں اور نہ اسے کہیں نشوونما کے لئے سازگار ماحول میسر آتا ہے۔

(ب) اگر کبھی طاغوتی قوتوں کی سرپرستی میں یہ درخت اگ بھی آئے تو اس کی جڑیں زمین کی صرف بالائی سطح تک رہتی ہیں جسے شجرہ طیبہ کا معمولی سا جھونکا بھی آسانی کے ساتھ بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکتا ہے اس لئے اسے کہیں قرار اور استحکام نصیب نہیں ہوپاتا۔

(ج) شرک چونکہ خود ایک خبیث اور بدذات درخت کی مانند ہے لہٰذا اس کے برگ وبار اور پھل پھول بھی اسی طرح خبیث اور بدذات ہیں جو ہر آن معاشرے میں اپنا زہر اور بدبو پھیلاتے رہتے ہیں۔ مذکورہ بالا نکارت کے پیش نظر یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ دنیا میں شر اور فساد فی الارض کی تمام مختلف صورتیں مثلاً قتل وغارت گری'خونریزی'دہشت گردی'نسل کشی'تفاخر'لوٹ کھسوٹ'حق تلفی'دھوکہ دہی'ظلم وستم'معاشی استحصال'بدامنی وغیرہ سب کا بنیادی سبب یہی شجرہ خبیثہ یعنی عقیدہ شرک ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اگر ایک نظر وطن عزیز پر ڈالی جائے تو ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ ہمارے سیاسی مذہبی'اخلاقی'معاشرتی'سرکاری اور غیر سرکاری تمام معاملات میں بگاڑ کی اصل وجہ یہی شجرہ خبیثہ'عقیدۂ شرک'ہے اس لئے ہمارے نزدیک ملک کے اندر اس وقت تک کوئی بھی اصلاحی یا انقلابی جدوجہد بارآور نہیں ہوسکتی جب تک عوام الناس کی اکثریت کے شرکیہ عقائد کی اصلاح نہ ہو جائے۔ کسی مرض کا علاج کرنے کے قبل چونکہ اس کے اسباب وعلل کا کھوج لگانا بہت ضروری ہے تاکہ اصلاح احوال کے لئے صحیح سمت کا ٹھیک ٹھیک تعین کیا جاسکے'لہٰذا ہم نے آئندہ صفحات (ضمیمہ) میں اپنی ناقص رائے کے مطابق ان اہم اسباب وعوامل کا تذکرہ بھی کر دیا ہے جو ہمارے معاشرے میں عقیدہ شرک کے پھیلاؤ کا باعث بن رہے ہیں۔

اسلامی انقلاب اور عقیدۂ توحید

انقلاب کا لفظ اپنے اندر زبردست جاذبیت اور کشش رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں اسلامی انقلاب کا نعرہ لگتا ہے اسلام کے شیدائیوں کی بے تاب نظریں فوراً اس طرف اٹھ جاتی ہیں۔ آج کل وطن عزیز پاکستان میں اسلامی انقلاب'محمدیؐ انقلاب'نظام مصطفیٰؐ'نفاذ شریعت اور نظام خلافت جیسے دعووں اور نعروں کے ساتھ مختلف افکار وعقائد رکھنے والی بے شمار جماعتیں'فرقے اور گروہ کام کر رہے ہیں لہٰذا کتاب وسنت کی روشنی میں یہ دیکھنا از بس ضروری ہے کہ اسلامی انقلاب ہے کیا اور اس کی ترجیحات کیا ہیں؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعثت مبارک کے بعد تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں مقیم رہے اس سارے عرصہ میں آپ کی تمام تر دعوت صرف ایک ہی کلمہ پر مشتمل تھی **قولوا لاالہ الااللہ تفلحوا** ۔ترجمہ ”لوگو لاالہ الااللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے اس کے علاوہ نہ تو نماز روزے کے مسائل تھے نہ زکاۃ اور حج کے احکام نہ ہی دیگر معاملات زندگی کی تفصیلات نازل ہوئی تھیں بس یہی ایک عقیدۂ توحید کی دعوت تھی جسے آپ گھر گھر گلی گلی اور محلے محلے پہنچا رہے تھے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حطیم (بیت اللہ شریف کا وہ حصہ جس پر چھت نہیں) میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن میں کپڑا ڈال لیا اور نہایت سختی کے ساتھ گلا گھوٹنا شروع کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دوڑے دوڑے آئے اور عقبہ کو دھکا دے کر ہٹایا اور فرمایا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰه ترجمہ ”کیا تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتے ہیں میرا رب اللہ ہے“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے الفاظ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تصادم کا اصل سبب عقیدۂ توحید ہی تھا۔ ایک موقع پر قریش مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ افہام وتفہیم کی غرض سے یہ پیش کش کی کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی پوجا کر لیا کریں ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کر لیا کریں اس پیش کش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پوری سورہ کافرون نازل فرمائی۔

﴿ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْ تُّمْ وَلَا أَنْتُمْ عَبِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنَ ﴾

ترجمہ:”اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہو ’اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے ’اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔“ (سورۃ کافرون آیت: ۱-۶)

کفار مکہ کی پیش کش اور اس کا جواب دونوں اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ فریقین میں نکتہ اختلاف صرف عقیدۂ توحید تھا جس پر افہام تفہیم سے دوٹوک انکار کر دیا گیا۔ ایک دوسرے موقع پر قریش مکہ کا ایک وفد جناب ابو طالب کے پاس آیا اور کہا کہ آپ اپنے بھتیجے (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہیں کہ وہ ہمیں ہمارے دین پر چھوڑ دے ہم اس کو اس کے دین پر چھوڑ دیتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن کر ارشاد فرمایا ”اگر میں تمہارے سامنے ایک ایسی بات پیش کروں جس کے آپ لوگ قائل ہو جائیں تو عرب کے بادشاہ بن جاؤ اور عجم تمہارے زیر نگیں آجائے تو پھر آپ حضرات کی کیا رائے ہو گی؟“ ابو جہل نے کہا ”اچھا ’بتاؤ کیا بات ہے؟ تمہارے باپ کی قسم ایسی ایک بات تو کیا دس باتیں بھی کہو تو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں۔“ آپ نے فرمایا ”آپ لوگ لَآ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰه کہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ پوجتے ہیں اسے چھوڑ دیں“ اس پر مشرکین نے کہا ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم یہ چاہتے ہو کہ سارے معبودوں کی جگہ بس ایک ہی معبود بنا ڈالیں واقعی تمہارا معاملہ بڑا عجیب ہے۔“

غور فرمایئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرداران قریش سے گفتگو میں جو بات باعث نزاع تھی وہ تھی صرف ایک معبود کا اقرار اور باقی تمام معبودوں کا انکار۔ اس کے لئے سرداران قریش تیار نہ ہوئے اور باہمی مخاصمت اور تصادم کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔

مکی زندگی میں بلاشبہ نماز، روزہ، حج، زکاۃ حلال وحرام، حدود، عائلی مسائل اور دیگر احکام نازل نہیں ہوئے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مدنی زندگی میں ان احکامات کے نازل ہونے کے بعد بھی فریقین میں محاذ آرائی کا اصل سبب مسائل احکام نہیں بلکہ عقیدۂ توحید ہی تھا۔

تاریخ اسلام کے اولین خونی معرکہ بدر، میں جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور دستِ دعا پھیلا کر جو دعا مانگی اس کے الفاظ قابل غور ہیں۔ "اے اللہ! اگر آج یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر کبھی تیری عبادت نہ ہو گی" ان الفاظ کا مفہوم بڑا واضح ہے کہ قریش مکہ سے مسلمانوں کا یہ مسلح تصادم صرف اس لئے ہو رہا تھا کہ عبادت اور بندگی صرف ایک اللہ کی ہونی چاہئے۔ مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان دوسرے بڑے مسلح تصادم ،غزوہ احد، کے اختتام پر ابوسفیان جبل احد پر نمودار ہوا اور بلند آواز سے کہا "کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں ؟" مسلمانوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر پوچھا "کیا تمہارے درمیان ابوقحافہ کے بیٹے (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہیں؟ پھر خاموشی رہی تو کہنے لگا "کیا تم میں عمر رضی اللہ عنہ ہیں ؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحتاً صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کو جواب سے منع فرما دیا تھا چنانچہ ابوسفیان نے کہا "چلو ان تینوں سے نجات ملی" اور نعرہ لگایا اُعْلُ هُبَلّ (ہمارے معبود) ہبل کا نام بلند ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے جواب دیا أَاللهُ أَعْلَىٰ وَأَجَلّ (یعنی اللہ تعالیٰ ہی بلند اور بزرگ ہے) ابوسفیان نے پھر کہا لَنَا عُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَكُمْ (یعنی ہمارے پاس عزی (بت کا نام) ہے اور تمہارے پاس عزی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پھر جواب دیا أَاللهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَىٰ لَكُمْ (یعنی اللہ تعالیٰ ہمارا سرپرست ہے اور تمہارا کوئی سرپرست نہیں) معرکہ احد کے اختتام پر فریقین کے درمیان یہ مکالمہ اس بات کی واضح شہادت ہے کہ دعوت اسلامی کے آغاز میں تمسخر اور تکذیب کے ذریعہ مخالفت کا اصل سبب بھی عقیدۂ توحید تھا اس مخالفت نے آگے چل کر ظلم وستم کے ہمہ گیر طوفان کے ذریعہ مخالفت کا اصل سبب بھی عقیدہ توحید تھا اس مخالفت نے آگے چل کر ظلم وستم کے ہمہ گیر طوفان کی شکل اختیار کی تب بھی اس کا سبب عقیدۂ توحید تھا اور اگر فریقین کے درمیان خونیں معرکوں کا میدان گرم ہوا تو اس کا اصل سبب بھی عقیدہ توحید ہی تھا۔ مخالفت، محاذ آرائی اور خونیں معرکوں کا طویل سفر طے کرنے کے بعد تاریخ نے ایک نیا موڑ مڑا، رمضان سنہ ۸ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فاتح کی حیثیت سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے گویا اکیس سال کی مسلسل کشمکش اور جدوجہد کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس انقلاب کا سنگ بنیاد رکھنے کا موقع میسر آ گیا جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے تھے غور طلب بات یہ ہے کہ حکومت اور اقتدار ملنے کے بعد وہ کون سے اقدام تھے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی مصلحت اور حکمت کی پرواہ کئے بغیر بلا تاخیر عمل فرمایا؟ وہ اقدامات درج ذیل تھے۔

اولاً: مسجد الحرام میں داخل ہوتے ہی بیت اللہ شریف کے اردگرد اور چھتوں پر موجود تین سو ساٹھ بتوں کو اپنے دست مبارک سے گرایا۔

ثانیاً: بیت اللہ شریف کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر بنی ہوئی تھیں انہیں مٹانے کا حکم دیا ایک لکڑی کی کبوتری اندر رکھی تھی اسے خود اپنے دست مبارک سے ٹکڑے ٹکڑے کیا۔

ثالثاً: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تکبیر اور توحید کی دعوت (اذان) بلند کرو۔ یاد رہے کہ بیت اللہ شریف کا چھت کے بغیر والا حصہ ،حطیم، کی دیوار ایک میٹر سے زیادہ بلند ہے مسجد الحرام کے اندر موجود مجمع عام کو سنوانے کے لئے حطیم کی

دیوار پر کھڑے ہو کر اذان دینا بھی کافی تھا لیکن بیت اللہ شریف کی قریباً سولہ میٹر بلند وبالا پر شکوہ عمارت '(جس پر چڑھنے کے لئے خصوصی انتظام کیا گیا ہو گا) کی چھت سے صدائے توحید بلند کرنے کا حکم دراصل واضح اور دوٹوک فیصلہ تھا اس مقدمے کا جو فریقین کے درمیان گزشتہ بیس اکیس سال سے باعث نزاع چلا آرہا تھا اور اب یہ بات طے کر دی گئی تھی کہ کائنات پر حاکمیت اور فرمانروائی کا حق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے کبریائی اور عظمت صرف اسی کے لئے ہے اطاعت اور بندگی صرف اسی کی ہوگی پوجا اور پرستش کے لائق صرف اسی کی ذات ہے 'کار ساز اور مشکل کشا صرف وہی ہے 'کوئی دیوی دیوتا' فرشتہ یا جن 'نبی یا ولی' اس کی صفات اختیارات اور حقوق میں ذرہ برابر شرکت نہیں رکھتا۔

رابعا: قیام مکہ کے دوران ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کروادیا جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ رکھے بلکہ اسے توڑ ڈالے۔ خامسًا: فتح مکہ کے بعد بیشتر عرب قبائل سپر ڈال چکے تھے جزیرۃ العرب کی قیادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں آچکی تھی چنانچہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت سربراہ مملکت عبادات 'نکاح وطلاق 'حلال وحرام 'قصاص اور حدود وغیرہ کے قوانین نافذ فرمائے وہاں پورے جزیرۃ العرب میں جہاں کہیں مراکز شرک قائم تھے انہیں مسمار کرنے کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعتیں روانہ فرمائیں مثلاً:

۱۔ قریش مکہ اور بنو کنانہ کے بت عزّیٰ کے بتکدہ کو مسمار کرنے کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تیس افراد کے ساتھ نخلہ (جگہ کا نام) کی طرف روانہ فرمایا۔

۲۔ قبیلہ بنو ہذیل کے بت سواع کا معبد مسمار کرنے کے لیے حضرت عمرو بن عاص کو روانہ فرمایا۔

۳۔ قبیلہ اوس 'خزرج اور غسان کے بت منات کا بتکدہ منہدم کرنے کے لئے حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس افراد کے ساتھ قدید (جگہ کا نام) کی طرف روانہ فرمایا۔

۴۔ قبیلہ طے کے بت قلس کا بتکدہ منہدم کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو سواروں کا دستہ دے کر یمن روانہ فرمایا۔

۵۔ طائف سے بنو ثقیف قبول اسلام کے لئے حاضر ہوئے تو ان کا بت لات مسمار کرنے کے لئے وفد کے ساتھ ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک دستہ روانہ فرمایا۔

۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پورے جزیرۃ العرب میں یہ مشن دے کر بھیجا کہ جہاں کہیں کوئی تصویر نظر آئے اسے مٹادو اور جہاں کہیں اونچی قبر نظر آئے اسے برابر کر دو۔ مذکورہ بالا اقدامات اس بات کی واضح نشان دہی کرتے ہیں کہ مکی دور ہو یا مدنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر جدوجہد کا مرکز اور محور عقیدہ توحید کی تنفیذ اور شرک کا استیصال تھا۔ ایک نظر اسلامی عبادات پر ڈالی جائے تو تو پتہ چلتا ہے کہ تمام عبادات کی روح دراصل عقیدہ توحید ہی ہے روزانہ پانچ مرتبہ ہر نماز سے قبل اذان بلند کرنے کا حکم ہے جو تکبیر توحید کی تکرار کے خوبصورت کلمات کا انتہائی پر اثر مجموعہ ہے۔ وضو کے بعد کلمہ توحید پڑھنے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ابتدائے نماز اور دوران نماز میں بار بار کلمہ تکبیر پکارا جاتا ہے۔ سورۃ فاتحہ کو ہر رکعت کے لئے لازم

قرار دیا گیا ہے جو کہ توحید کی مکمل دعوت پر مشتمل سورۃ ہے۔ رکوع وسجود میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بلندی کا بار بار اعادہ اور اقرار کیا جاتا ہے اور عقیدہ توحید کی گواہی دی جاتی ہے' گویا شروع سے لے کر آخر تک ساری نماز عقیدۂ توحید کی تعلیم اور تذکیر پر مشتمل ہے۔

مرکز توحید" بیت اللہ شریف" کے ساتھ مخصوص عبادت حج یا عمرہ پر ایک نظر ڈالیے' احرام باندھنے کے ساتھ ہی عقیدۂ توحید کے اقرار اور شرک کی نفی پر مشتمل تلبیہ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ (ترجمہ' میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں بیشک تعریف تیرے ہی لائق ہے ساری نعمتیں تیری ہی دی ہوئی ہیں اور ملک تیرا ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں) پکارنے کا حکم ہے۔ منیٰ' مزدلفہ اور عرفات ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی توحید' تکبیر' تہلیل' تقدیس اور تحمید پر مشتمل کلمات پڑھتے رہنے کو ہی حج مبرور کہا گیا ہے گویا یہ ساری کی ساری عبادت مسلمانوں کو عقیدۂ توحید میں پختہ تر کرنے کی زبردست تربیت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعہ امت کو قدم قدم پر جس طرح عقیدۂ توحید کے تحفظ کی تعلیم دی اسے بھی پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے' چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ایک آدمی نے دوران گفتگو عرض کیا" جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کیا تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا ہے۔" (مسند احمد) ایک آدمی نے آپ سے بارش کی دعا کروانی چاہی اور ساتھ عرض کیا" ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے ہاں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بناتے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا اور فرمایا" افسوس تجھے معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کی شان کتنی بلند ہے اسے کسی کے حضور سفارشی نہیں بنایا جاسکتا۔" (ابوداؤد) بعض صحابہ کسی منافق کے شر سے بچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرنے حاضر ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا" دیکھو مجھ سے استغاثہ (فریاد) نہیں کیا جاسکتا بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی استغاثہ کیا جاسکتا ہے۔" (طبرانی) ۱۰ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو اسی روز سورج گرہن لگ گیا بعض لوگوں نے اسے حضرت ابراہیم کی وفات کی طرف منسوب کیا آپ کو معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا" لوگو! سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں انہیں کسی کی موت اور زندگی کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا لہٰذا جب گرہن لگے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور نماز پڑھو یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔ (صحیح مسلم) یہ بات ارشاد فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشرکانہ عقیدے کی جڑ کاٹ دی کہ نظم کائنات پر کوئی نبی' ولی یا بزرگ اثر انداز ہو سکتا ہے یا امور کائنات چلانے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کا بھی عمل دخل ہو سکتا ہے۔

ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کو یہ نصیحت فرمائی" میری تعریف میں اس طرح مبالغہ نہ کرو جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا بے شک میں ایک بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔" (بخاری ومسلم) ایک حدیث میں ارشاد مبارک ہے" افضل ترین ذکر لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ ہے (ترمذی) افضل ترین ذکر میں محمد رسول اللہ کے الفاظ شامل نہ کرکے آپ نے گویا امت کو یہ تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت' کبریائی اور عظمت میں دوسرا تو کیا نبی بھی شریک نہیں ہو سکتا آخر میں ایک نظر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ایّامِ مرض الموت پر بھی ڈال لیجئے' ایام علالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جو پند ونصائح فرمائے ان کی اہمیت محتاج وضاحت نہیں وفات اقدس سے پانچ دن قبل بخار سے کچھ افاقہ محسوس ہوا تو مسجد تشریف لائے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی منبر پر

جلوہ افروز ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا "یہود و نصاری پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔" (صحیح بخاری) ایّامِ علالت میں ہی اپنی امت کو جو دوسری وصیت ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے ۔" (موطا امام مالک)۔۔۔۔۔۔وفات اقدس کے آخری روز عالم نزاع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیالے میں پانی رکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھ پانی میں ڈال کر چہرہ پر ملتے اور فرماتے لَآاِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور موت کے لئے سختیاں ہیں (صحیح بخاری) یہی الفاظ دہراتے دہراتے حیات طیبہ کے آخری کلمات اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْوَارْحَمْنِی وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ ترجمہ: اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے) تین مرتبہ ادا فرمائے اور رفیق اعلیٰ کے حضور پہنچ گئے گویا آپ کی زندگی کے آخری الفاظ بھی کلمہ توحید پر مشتمل تھے۔ سیرتِ طیبہ کے یہ تمام سلسلہ وار اہم واقعات اسلامی انقلاب کی غرض وغایت کا ٹھیک ٹھیک تعین کر دیتے ہیں اور وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا برپا کیا ہوا انقلاب بنیادی طور پر عقیدے کا انقلاب تھا جس کے نتیجے میں انسانی زندگی کے باقی تمام گوشوں معیشت 'معاشرت 'مذہب 'سیاست 'اخلاق و کردار میں از خود انقلاب آتا چلا گیا۔ پس صحیح اسلامی انقلاب صرف وہی ہو گا جس کی بنیاد خالص عقیدہ توحید پر ہو گی جس انقلاب کی بنیاد عقیدہ توحید پر نہیں ہو گی وہ اصلاحی 'معاشی 'صنعتی 'جمہوری یا سیاسی ہر طرح کا انقلاب ہو سکتا ہے اسلامی انقلاب ہر گز نہیں ہو سکتا۔

☆☆☆

قارئین کرام! شرک سے متعلق بعض دیگر اہم مضامین بھی دیباچے میں شامل تھے لیکن طوالت کی وجہ سے الگ ضمیمہ کی شکل میں شامل اشاعت کئے جارہے ہیں 'ان مضامین کے موضوعات درج ذیل ہیں۔

۱۔ شرک کے بارے میں بعض اہم مباحث۔

۲۔ مشرکین کے دلائل اور ان کا تجزیہ۔

۳۔ اسباب شرک۔

ضمیمہ میں بعض مقامات پر اولیاء کرام سے منسوب کرامات تحریر کی گئی ہیں ان کے بارے میں ہم یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ مذکورہ کرامات چونکہ اولیاء کرام کی سیرت پر لکھی گئی کتب میں موجود ہیں لہٰذا ہم نے ان کا حسب موقع حوالہ دے دیا ہے تاہم ان کی صحت یا عدم صحت کی تمام تر ذمہ داری ان کتب کے مصنّفین پر ہے جنہوں نے یہ کرامات اپنی کتب میں لکھی ہیں۔ مذکورہ کرامات چونکہ خلاف سنت ہیں اس لئے ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ یہ کرامات اولیاء کرام سے غلط طور پر منسوب کی گئی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

موضوع کی اہمیت کے پیش نظر کتاب میں توحید سے متعلق تین ابواب (توحید ذات 'توحید عبادت اور توحید صفات) میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر مسئلہ کے تحت حدیث سے قبل قرآن مجید کی آیت دے دی گئی ہے۔ امید ہے ان شاءاللہ اس طرح مسائل کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے میں

قارئین کرام زیادہ سہولت محسوس کریں گے۔ اس بار ہم نے یہ اہتمام بھی کیا ہے کہ صحیحین (بخاری شریف اور مسلم شریف) کی احادیث کے علاوہ باقی احادیث کے درجہ (صحیح یا حسن) کا ذکر بھی کر دیا جائے امید ہے کہ اس سے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گا ان شاء اللہ بعض احادیث کے آگے صحیح یا حسن کا درجہ نہیں لکھا گیا' یہ وہ احادیث ہیں جو صحت کے اعتبار سے قابل قبول ہیں لیکن حسن کے درجہ کو نہیں پہنچتیں۔

صحت حدیث کے معاملہ میں شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے تاہم اگر کہیں کوتاہی ہو گئی تو اس کی نشان دہی پر ہم ممنون احسان ہوں گے ۔ کتاب کی نظر ثانی محترم والد حافظ محمد ادریس کیلانی رحمہااللہ اور محترم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب نے فرمائی ۔ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کی سعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر دنیا اور آخرت میں اجر عظیم سے نوازے۔ آمین

کتاب التوحید کی تکمیل پر ہم اپنے رب کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں کہ اس کے فضل و کرم کے بغیر کوئی نیک کام سرانجام نہیں پاتا' اس کی توفیق اور عنایت کے بغیر کوئی نیک خواہش پوری نہیں ہوتی' اس کے سہارے اور مدد کے بغیر کوئی نیک ارادہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا' پس اے نیک ارادوں اور خواہشوں کو پورا کرنے والے' اپنے رخ انور کے جلال و جمال کے واسطے سے' اپنی عظمت و کبریائی کے صدقے سے' اور اپنی لا محدود صفات کے وسیلے سے ہماری یہ حقیر جدوجہد اپنی بارگاہ صمدی میں قبول فرما۔ اے الٰہ العالمین! ہم تیرے نہایت عاجز حقیر گنہگار اور سیہ کار بندے ہیں تیرا دامن عفو و کرم زمین و آسمان کی وسعتوں سے بھی وسیع تر ہے' تو اس کتاب کو شرفِ قبولیت عطا فرما اور اسے ہمارے والدین اہل و عیال اور خود ہمارے لئے رہتی دنیا تک بہترین صدقہ جاریہ بنا ہمارے گناہوں کی مغفرت اور بخشش کا ذریعہ بنا' ہمیں زندگی اور موت سے محفوظ رکھ' دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے ہماری حفاظت فرما' دنیا و آخرت میں ذِلت اور رسوائی سے پناہ دے' مرتے وقت کلمہ توحید نصیب فرما' قبر میں منکر نکیر کے سوال و جواب میں ثابت قدم رکھ' عذاب قبر سے بچا' حشر و نشر کی ہولناکیوں سے پناہ دے' رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبری نصیب فرما' جہنم کی آگ سے محفوظ رکھ' اور جنت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت عطا فرما۔ آمین۔

﴿وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خير خلقه محمد و علىٰ آله وصحبه أجمعين

شرک کے بارے میں چند اہم مباحث

عقیدۂ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے ہم یہ لکھ آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کرنا شرک فی الذات' اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا شرک فی العبادت' اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی کو شریک کرنا' شرک فی الصفات کہلاتا ہے۔ شرک کے موضوع پر مزید گفتگو کرنے سے قبل درج ذیل مباحث کو پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ ا۔ مشرکین اللہ تعالیٰ کو جانتے اور مانتے تھے ہر زمانے کے مشرک اللہ تعالیٰ کو جانتے اور مانتے ہیں حتی کہ اسی کو معبودِ اعلیٰ اور ربِّ اکبر (Great God) تسلیم کرتے ہیں اور جو کچھ کائنات میں ہے ان سب کا خالق' مالک اور رازق اسے ہی سمجھتے ہیں کائنات کا مدبر اور منتظم بھی اسی کو مانتے ہیں جیسا کہ سورہ یونس کی درج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اَمَّنۡ یَّمۡلِکُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَمَنۡ یُّخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَمَنۡ یُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ اللّٰہ﴾

ترجمہ: ''ان سے پوچھو کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے کون اس نظام عالم کی تدبیر کررہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے ''اللہ'' (سورہ یونس آیت:۳۰) اور سورہ عنکبوت کی آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿فَاِذَا رَکِبُوۡا فِی الۡفُلۡکِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ فَلَمَّا نَجّٰہُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اِذَا ہُمۡ یُشۡرِکُوۡنَ﴾

ترجمہ: ''جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کرکے اس سے دعا مانگتے ہیں پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک شرک کرنے لگتے ہیں۔ (سورہ عنکبوت آیت:۶۵) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرک نہ صرف اللہ تعالیٰ کو کائنات کا مالک اور مدبر تسلیم کرتے تھے بلکہ مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لئے اسی کو بارگاہ آخری اور بڑی بارگاہ سمجھتے تھے۔

۲۔ مشرکین اپنے معبودوں کے اختیارات عطائی سمجھتے تھے

مشرک جنہیں اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے تھے' ان کے اختیارات کو ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ سمجھتے تھے دوران حج مشرکین جو تلبیہ پڑھتے تھے اس سے مشرکین کے اس عقیدہ پر روشنی پڑتی ہے جس کے الفاظ یہ تھے۔

﴿لَبَّیۡکَ لَا شَرِیۡکَ لَکَ لَبَّیۡکَ اِلَّا شَرِیۡکًا ھُوَ لَکَ تَمۡلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ﴾

ترجمہ: ''اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایک تیرا شریک ہے جس کا تو ہی مالک ہے اور وہ کسی چیز کا مالک نہیں۔'' تلبیہ کے ان الفاظ سے تین باتیں بالکل واضح ہیں۔

اولاً۔ مشرک اپنے ٹھہرائے ہوئے (خداؤں اور معبودوں) کا مالک اور خالق بھی ربِّ اکبر کو ہی سمجھتے تھے ثانیاً۔ مشرک یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شرکاء ذاتی حیثیت میں کسی چیز کے مالک و مختار نہیں بلکہ ان کے اختیارات اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہیں جس سے وہ اپنے پیروکاروں کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرتے ہیں۔

یاد رہے مشرکین کی تلبیہ سے ظاہر ہونے والے اس عقیدہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک قرار دیا ہے۔

۳۔ قرآن مجید کی اصطلاح مِنْ دُوْنِا اللّٰہ[1] کیا مراد ہے؟

مشرکین میں پائے جانے والے مختلف عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں خدا موجود ہے یا کائنات کی مختلف اشیاء دراصل خدا کی قوت اور طاقت کے مختلف روپ اور مظاہر ہیں اس عقیدہ کو سب سے زیادہ پذیرائی مشرکین کے قدیم ترین مذہب "ہندومت" میں حاصل ہوئی جن کے ہاں سورج 'چاند 'ستارے 'پانی 'ہوا 'سانپ 'ہاتھی 'گائے 'بندر 'اینٹ 'پتھر 'پودے اور درخت گویا ہر چیز خدا ہی کا روپ

[1]من دون اللہ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے جن کی پوجا اور پرستش کی جاتی ہے وہ "دوسرے "کون کون ہیں؟ان سطور میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

ہے جو پوجا اور پرستش کے قابل ہیں اس عقیدہ کے تحت مشرکین اپنے ہاتھوں سے پتھروں کے خیالی خوبصورت مجسمے اور بت تراشتے ہیں پھر ان کی پوجا اور پرستش کرتے ہیں اور انہیں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا مانتے ہیں بعض مشرک پتھروں کو تراشتے اور کوئی شکل دیئے بغیر قدرتی شکل میں اسے نہلا دھلا کر پھول وغیرہ پہنا کر اس کے آگے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اس سے دعائیں فریادیں کرنے لگتے ہیں۔

اس قسم کے تمام تراشیدہ بت 'مجسمے 'مورتیاں اور پتھر وغیرہ قرآن مجید کی اصطلاح میں "من دونال "کہلاتے ہیں۔ مشرکین میں بت پرستی کی وجہ ایک دوسرا بھی عقیدہ تھا جس کا تذکرہ امام ابن کثیر رحمہاللہ نے سورہ نوح کی آیت نمبر ۲۳ کی تفسیر میں کیا ہے[1] اور وہ یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک صالح ولی اللہ مسلمان فوت ہوا تو اس کے عقیدت مند رونے اور پیٹنے لگے صدمہ سے نڈھال اس کی قبر پر آکر بیٹھ گئے ابلیس ان کے پاس انسانی شکل میں آیا اور کہا کہ اس بزرگ کے نام کی یادگار کیوں قائم نہیں کرلیتے تاکہ ہر وقت تمہارے سامنے رہے اور تم اسے بھولنے نہ پاؤ اس نیک اور صالح بندے کے عقیدتمندوں نے یہ تجویز پسند کی تو ابلیس نے خود ہی اس بزرگ کی تصویر بنا کر انہیں مہیا کردی 'جسے دیکھ کر وہ اپنے بزرگ کی یاد تازہ کرتے اور اس کی عبادت اور زہد کے قصے آپس میں بیان کرتے رہتے۔ اس کے بعد دوبارہ ابلیس ان کے پاس آیا اور کہا کہ آپ سب حضرات کو تکلیف کرکے یہاں آنا پڑتا ہے 'کیا میں تم سب کو الگ الگ تصویریں نہ بنادوں تاکہ تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں انہیں رکھ لو؟ عقیدتمندوں نے اس تجویز کو بھی پسند کیا اور ابلیس نے انہیں اس بزرگ کی تصویریں یا بت الگ الگ مہیا کردیئے جو انہوں نے اپنے اپنے گھروں میں رکھ لیے۔ ان عقیدتمندوں نے یہ تصویریں اور بت یادگار کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھ لئے لیکن ان کی دوسری نسل نے آہستہ آہستہ ان تصویروں اور بتوں کی پوجا اور پرستش شروع کردی۔ اس بزرگ کا نام "ود" تھا اور یہی پہلا بت تھا جس کی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا اور پرستش کی گئی "ود" کے علاوہ قوم نوح دیگر جن بتوں کی پوجا کرتی تھی ان کے نام سواع 'یغوث 'یعوق اور نسر تھے یہ سب کے سب اپنی قوم کے صالح اور نیک لوگ تھے (بخاری)

[1]وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (۷۱:۲۳)اور انھوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو اور نہ چھوڑو ود اور سواع کو اور نہ یغوث 'یعوق اور نسر کو۔(سورہ نوح)

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ جہاں بعض مشرک پتھروں کے خیالی بت اور مجسمے بنا کر انہیں اپنا معبود بنالیتے تھے وہاں بعض مشرک اپنی قوم کے بزرگوں اور ولیوں کے مجسمے اور بت بنا کر انہیں بھی اپنا معبود بنالیتے تھے آج بھی بت پرست اقوام جہاں فرضی بت تراش کر ان کی پوجا اور پرستش کرتی ہے وہاں اپنی قوم کی عظیم اور مصلح شخصیتوں کے بت اور مجسمے تراش کر ان کی پوجا اور پرستش بھی کرتی ہیں ہندو لوگ "رام" اس کی ماں "کوشلیا" اس

کی بیوی "سیتا" اس کے بھائی "لکشمن" کے بت تراشتے ہیں۔ "شیو جی" کے ساتھ اس کی بیوی "پاروتی" اس کے بیٹے "لارڈ گنیش" کے بت اور مجسمے بناتے ہیں۔ "کرشنا" کے ساتھ اس کی ماں "یشودھا" اور اس کی بیوی "رادھا" کے بت اور مورتیاں بنائی جاتی ہیں[1] اسی طرح بدھ مت کے پیروکار "گوتم بدھ" کا مجسمہ اور مورت بناتے ہیں جین مت کے پیروکار سوامی مہاویر کا بت تراشتے اور اس کی پوجاپاٹ کرتے ہیں ان کے نام کی نذرونیاز دیتے ہیں ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں طلب کرتے ہیں یہ سارے نام تاریخ کے فرضی نہیں بلکہ حقیقی کردار ہیں جن کے بت تراشے جاتے ہیں ایسے تمام بزرگ اور ان کے بت بھی قرآن مجید کی اصطلاح "من دون اللہ" میں شامل ہیں۔

بعض مشرک لوگ اپنے ولیوں اور بزرگوں کے بت یا مجسمے تراشنے کی بجائے ان کی قبروں اور مزاروں کے ساتھ بتوں جیسا معاملہ کرتے تھے 'مشرکین مکہ قوم نوح کے بتوں 'ود' سواع' یغوث' یعوق اور نسر کے علاوہ دوسرے جن بتوں کی پوجا اور پرستش کرتے تھے ان میں لات' منات' عزیٰ' اور ہبل زیادہ مشہور تھے ان میں سے لات کے بارے میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی آیت **اَفَرَأَيْتُمُ اللاَّتَ وَالعُزَّى**۔

[1] یہاں اس بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ ہندوؤں میں دومشہور فرقے ہیں سناتن دھرم اور آریہ سماج 'سناتن دھرم کی مذہبی کتب چار وید' چھ شاستر' اور اٹھارہ اسم رتی شامل ہیں ان کتب میں ۳۳ کروڑ دیوتاؤں اور اوتاروں کا ذکر ملتا ہے جب کہ آریہ سماج اپنی بت پرستی کے باوجود موحد ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے اور چار ویدوں کے علاوہ باقی کتب کو اس لئے تسلیم نہیں کرتا کہ ان میں شرک کی تعلیم دی گئی ہے۔ آریہ سماج فرقہ کے ایک مبلغ راجہ رام موہن رائے (۱۷۷۴ء تا ۱۸۳۳ء نے "تحفۃ الموحدین" ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جس میں بت پرستی کی مذمت اور توحید کی تعریف کی گئی ہے۔ (ہندودھرم کی جدید شخصیتیں از محمد فاروق خان ایم اے)

ترجمہ: "کبھی تم نے لات اور عزیٰ کی حقیقت پر بھی غور کیا ہے؟ کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ لات ایک نیک شخص تھا جو موسم حج میں حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا' اس کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس کی قبر پر مجاورت شروع کر دی اور فتہ رفتہ اس کی عبادت کرنے لگے پس وہ بزرگ اور اولیاء کرام جن کی قبروں کے ساتھ بتوں جیسا معاملہ کیا جائے' ان پر مجاورت کی جائے' ان کے نام کی نذرونیاز دی جائے' ان سے حاجتیں اور مرادیں طلب کی جائیں' وہ بھی "من دون اللہ" میں اسی طرح شامل ہیں جس طرح وہ بت من دون اللہ میں شامل ہیں جن کی پوجا اور پرستش کی جاتی ہے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ کتاب وسنت کی رو سے من دون اللہ سے مراد مندرجہ ذیل تین چیزیں ہیں۔

۱۔ وہ تمام جاندار یا غیر جاندار اشیاء جنہیں خدا کا مظہر یا روپ سمجھ کر ان کے سامنے مراسم عبودیت بجالائے جائیں۔

۲۔ تاریخ کی وہ عظیم شخصیتیں جن کے تراشیدہ بتوں مجسموں اور مورتیوں کے سامنے مراسم عبودیت بجالائے جائیں۔

۳۔ اولیاء کرام اور ان کی قبریں جہاں مختلف مراسم عبودیت بجالا جائیں۔

۴۔ مشرکین عرب کے مراسم عبودیت کیا تھے؟ مشرکین عرب بتکدوں اور خانقاہوں میں اپنے بزرگوں اور اولیاء کرام کے بتوں کے سامنے جو مراسم عبودیت بجالاتے تھے ان میں درج ذیل رسول شامل تھیں 'بتکدوں میں مجاور بن کے بیٹھنا' بتوں سے پناہ طلب کرنا' انہیں زور زور سے پکارنا' حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے ان سے فریادیں اور التجائیں کرنا' اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنا سفارشی سمجھ کر مرادیں طلب کرنا' ان کا حج اور طواف کرنا' ان

کے سامنے عجز و نیاز سے پیش آنا' انہیں سجدہ کرنا' ان کے نام سے نذرانے اور قربانیاں دینا' جانوروں کو کبھی بتکدوں پر لے جا کر ذبح کرنا کبھی کسی جگہ ذبح کرلینا۔ یہ تمام رسومات تب بھی شرک تھیں اور اب بھی شرک ہیں۔

۵۔ کلمہ گو بھی مشرک ہو سکتا ہے شرک کرنے والوں میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو رسالت اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قریش مکہ یا ہمارے زمانے میں ہندو مت کے پیروکار' انہیں کافر مشرک کہا جا سکتا ہے۔ لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ 'رسالت اور آخرت پر ایمان رکھنے کے باوجود شرک کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی گواہی خود قرآن مجید نے دی ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهِمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنَ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ ﴾

ترجمہ: "(قیامت کے روز) امن انہی کے لیے ہے اور راہ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ آلودہ نہیں کیا۔" (سورہ انعام آیت ۸۲)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ ﴾

ترجمہ: "لوگوں میں سے اکثر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہیں۔" (سورہ یوسف آیت ۱۰۶) دونوں آیتوں سے یہ بات واضح ہے کہ بعض لوگ کلمہ پڑھنے اور آخرت پر ایمان لانے کے باوجود شرک میں مبتلا ہوتے ہیں' ایسے لوگوں کو کلمہ گو مشرک کہا جا سکتا ہے۔

۶۔ اقسام شرک شرک کی دو قسمیں ہیں شرک اکبر' اور شرک اصغر اللہ تعالیٰ کی ذات' عبادت اور صفات میں کسی دوسرے کو شریک کرنا شرک اکبر کہلاتا ہے' شرک اکبر کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے' جیسا کہ سورہ توبہ کی درج ذیل آیت میں ہے

﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوا مَسَاجِدَاللّٰهِ شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴾

ترجمہ: "مشرکین کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں' اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر خود کفر کی شہادت دے رہے ہیں' ان کے تو سارے اعمال ضائع ہو گئے' اور انہیں جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔" (سورہ توبہ آیت ۱۷) شرک اکبر کے علاوہ بعض ایسے دیگر امور جن کے لئے احادیث میں شرک کا لفظ استعمال ہوا ہے' مثلاً ریا یا غیر اللہ کی قسم کھانا وغیرہ یہ شرک اصغر کہلاتے ہیں' شرک اصغر کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج تو نہیں ہوتا البتہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے' کبیرہ گناہ کی سزا جہنم ہے جب تک اللہ تعالیٰ چاہے' شرک اصغر سے توبہ نہ کرنا شرک اکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ یاد رہے

شرک خفی سے مراد ہلکا شرک نہیں بلکہ مخفی شرک ہے جو کسی انسان کے اندر چھپی ہوئی کیفیت کا نام ہے' یہ شرک اکبر بھی ہو تا ہے جیسا کہ منافق کا شرک' اور شرک اصغر بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ ریاکار کا شرک ہے۔

مشرکین کے دلائل اور ان کا تجزیہ

قرآن مجید کی رو سے مشرکین' شرک کے حق میں تین قسم کے دلائل رکھتے ہیں' ذیل میں ہم تینوں دلائل کا الگ الگ تجزیہ پیش کر رہے ہیں۔

پہلی دلیل اور اس کا تجزیہ

اس سے پہلے یہ بات لکھی جاچکی ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو اپنا ربِ اکبر۔ معبود اعلیٰ اور خدائے خداوند(Great god) تسلیم کرتے ہیں اسے' اپنا خالق رازق اور مالک سمجھتے ہیں جان پہ بن آئے تو خالصتاً اسی کو پکارتے بھی ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اولیاء کرام چونکہ اللہ تعالیٰ کے بلند مرتبہ ہوتے ہیں اللہ کے محبوب اور پیارے ہوتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات میں سے کچھ اختیارات انہیں بھی دے رکھے ہیں۔ اس لئے ان سے بھی مرادیں مانگی جاسکتی ہیں' ان سے بھی حاجت اور مدد طلب کی جاسکتی ہے' وہ بھی تقدیر بنا اور سنوار سکتے ہیں' دعا اور فریاد سن سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مشرکین کے اس عقیدے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ آلِهَةً لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ﴾ (۳۶:۷۴)

ترجمہ: ''مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے الٰہ اس بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کی مدد کریں۔'' (سورہ یس آیت ۷۴) یہی وہ عقیدہ ہے جس کے تحت مشرکین عرب بتوں کی شکل میں اپنے بزرگوں اور اولیاء کرام کو پکارتے اور ان سے مرادیں طلب کرتے تھے' اسی عقیدے کے تحت ہندو' بدھ' اور جینی' مورتیوں مجسموں اور بتوں کی شکل میں اپنے اپنے بزرگوں اور ولیوں سے حاجتیں اور مرادیں طلب کرتے ہیں' اسی عقیدے کے تحت بعض مسلمان فوت شدہ اولیائے کرام اور بزرگوں کو پکارتے اور ان سے حاجتیں اور مرادیں طلب کرتے ہیں[1] سید علی ہجویری اپنی مشہور کتاب ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اولیاء کے ملک کے مدبر ہیں اور عالم (دنیا) کے نگراں ہیں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان کو عالم کا والی (حاکم) گردانا ہے اور عالم (دنیا) کا حل وعقد (انتظام) ان کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے اور احکام عالم کو ان ہی کی ہمت سے جوڑ دیا ہے[2] حضرت نظام الدین اولیاء اپنی معروف کتاب ''فوائد الفوائد'' میں فرماتے ہیں ''شیخ نظام الدین ابوالموید بارہا فرمایا کرتے تھے ''میری وفات کے بعد جس کو کوئی مہم درپیش ہو تو اس سے کہو تین دن میری زیارت کو آئے اگر تین دن گزر جانے کے بعد بھی وہ کام پورا نہ ہو تو چار دن آئے اور اب بھی کام نہ نکلے تو میری قبر کی اینٹ سے اینٹ بجادے[3] جناب احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہیں'' اولیاء کرام مردے کو زندہ کر

[1] یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عالم اسباب کے تحت کسی زندہ انسان سے مدد طلب کرنا شرک نہیں البتہ عالم اسباب سے بالاتر اللہ تعالیٰ کے سوا سی دوسرے کو پکارنا شرک ہے مثلاً سمندر میں ڈوبتے ہوئے جہاز پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا کسی قریب ترین بندرگاہ پر موجود لوگوں کو وائرلیس کے ذریعے صورت حال سے مطلع کر کے مدد طلب کرنا شرک نہیں کیونکہ ڈوبنے والوں کا وائرلیس کے ذریعے زندہ انسانوں کو اطلاع دینا' بندرگاہ پر موجود لوگوں کا ہیلی کاپٹر وغیرہ کے ذریعہ جائے حادثہ پر پہنچنا اور بچانے کی کوشش کرنا یہ سارے کام سلسلہ اسباب کے تحت ہیں' البتہ اگر ڈوبنے والے ''بگرداب بلا

افتاد کشتی مدد کن یا معین الدین چشتی ''(یعنی میری کشتی طوفانوں میں پھنسی ہے اے معین الدین چشتی تو میری مدد کر)کی دہائی دینے لگیں تو یہ شرک ہوگا کیونکہ ایسی فریاد کرنے والے کا عقیدہ ہوگا کہ اولاً خواجہ معین الدین چشتی مرنے کے باوجود سینکڑوں یا ہزاروں میل دور سے فریاد سننے کی طاقت رکھتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرح سمیع ہیں۔ثانیاً 'فریاد اور پکار سننے کے بعد خواجہ معین الدین چشتی فریاد کرنے والے کی مدد کرنے اور اس کی مشکل حل کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں 'یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرح قادر بھی ہیں 'ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ باسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ [2] تصوف کی تین اہم کتابیں از سید احمد عروج قادری صفحہ ۳۲ مطبوعہ ہندوستان پبلی کیشنز دہلی [3] بحوالہ سابق صفحہ ۵۹

سکتے ہیں مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو شفا دے سکتے ہیں اور ساری زمین کو ایک قدم میں طے کر سکتے ہیں[1] نیز فرماتے ہیں ''اولیاء کرام اپنی قبروں میں حیات ابدی کے ساتھ زندہ ہیں ان کے علم وادراک سمع وبصر پہلے کی نسبت بہت زیادہ قوی ہیں''[2]

فارسی کے ایک شاعر نے اسی عقیدے کا اظہار درج ذیل شعر میں یوں کیا ہے۔

اولیارا ہست قدرت از الٰہ

تیر جستہ باز گردانند زراہ

ترجمہ:''اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو واپس لا سکتے ہیں۔کسی پنجابی شاعر نے اپنے اس عقیدہ کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے۔ ہتھ ولی دے قلم ربانی لکھے جو من بھاوے رب ولی نوں طاقت بخشی لکھے لیکھ مٹاوے ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کا قلم ولی کے ہاتھ میں ہے جو چاہے لکھے اللہ تعالیٰ نے ولی کو یہ طاقت بخشی ہے کہ جو چاہے لکھے جو چاہے مٹادے۔بزرگان دین اور اولیاء کرام کے بارے میں اسی قسم کے مبالغہ آمیز عقائد اور تصورات کا یہ نتیجہ ہے کہ لوگ اولیاء کرام کے ناموں کی دہائی دیتے اور ان سے مدد اور مرادیں مانگتے ہیں خود ''امام اہل سنت''حضرت احمد رضا خاں بریلوی 'شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں ''اے عبدالقادر !اے فضل کرنے والے بغیر مانگے سخاوت کرنے والے 'اے انعام واکرام کے مالک تو بلند وعظیم ہے ہم پر احسان فرما اور سائل کی پکار کو سن لے۔اے عبدالقادر ہماری آرزوؤں کو پورا کر جناب احمد رضا خان کے بارے میں ان کے ایک عقیدت مند شاعر کا اظہار عقیدت ملاحظہ ہو۔

چار جانب مشکلیں ہیں ایک میں اے مرے مشکل کشا احمد رضا

لاج رکھ میرے پھیلے ہاتھ کی اے مرے حاجت روا احمد رضا

[1] بریلویت از علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ صفحہ ۱۳۴،۱۳۵ [2] بریلویت صفحہ ۱۳۰،۱۳۱۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں بھی کسی شاعر نے ایسا ہی اظہار خیال کیا ہے۔ امداد کُن امداد کُن از رنج وغم آزاد کُن در دین ودنیا شاد کُن یا شیخ عبدالقادر! ترجمہ:''اے شیخ عبدالقادر !میری مدد کیجئے 'میری مدد کیجئے 'اور مجھے ہر رنج وغم سے آزاد کر دیجئے 'نیز دین ودنیا کے تمام معاملات میں مجھے خوش کیجئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں عربی کے ایک شاعر نے اپنے عقیدے کا اظہار یوں کیا ہے:

ناد علیا مظہر العجائب تجدہ عونا فی النوائب

کل ھم و غم سینجلی بولایتک یا علی یا علی

ترجمہ:''عجائبات کے ظاہر کرنے والے علی کو پکارو ہر مصیبت میں اسے اپنا مددگار پاؤ گے اے علی تیری ولایت کے صدقے عنقریب سارے غم دور ہو جائیں گے۔ ان افکار وعقائد کو سامنے رکھتے ہوئے یا محمد' یا علی' یا حسین' یا غوث الاعظم جیسے ندائیہ کلمات کی حقیقت آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے اور یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان کلمات کے پس منظر میں کون سا عقیدہ کارفرما ہے؟ اولیاء کرام اور بزرگان دین کے بارے میں پائے جانے والے ان تصورات اور عقائد کا اب ہمیں کتاب وسنت کی روشنی میں جائزہ لینا ہے کیا واقعی اولیاء کرام ایسی قدرت رکھتے ہیں اور اختیارات رکھتے ہیں جیسا کہ ان کے پیروکار سمجھتے ہیں؟ پہلے قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں۔

1۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ۔

ترجمہ:''اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جنہیں تم پکارتے ہو وہ ایک پرکاہ کے بھی مالک نہیں ہیں'' (سورہ فاطر آیت:۱۳)

2۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيْرٍ۔ (سورہ سبا آیت ۲۲)

ترجمہ:''کہو پکار دیکھو انہیں جنہیں تم اللہ کے سوا اپنا معبود سمجھ بیٹھے ہو وہ نہ آسمان میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں نہ زمین میں وہ آسمان وزمین کی ملکیت میں شریک نہیں نہ ہی ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کا مددگار ہے۔''

3۔ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖ أَحَدًا۔

ترجمہ:''مخلوقات کا اللہ کے سوا کوئی خبرگیر نہیں اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔'' (سورہ کہف:۲۶) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ میں اپنی حکومت اپنے معاملات اور اختیارات میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا اور میرے علاوہ جنہیں لوگ پکارتے ہیں یا جن سے مرادیں اور حاجتیں طلب کرتے ہیں وہ ذرہ برابر کا اختیار نہیں رکھتے نہ ہی ان میں سے کوئی میرا مددگار ہے۔

اس دنیا میں انبیاء اور رسل اللہ تعالیٰ کے پیغامبر اور نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ مقرب 'سب سے یادہ محبوب اور سب سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کرام کے واقعات بیان فرمائے ہیں کہ وہ کس طرح اپنی اپنی قوم کے پاس دعوت توحید لے کر آئے اور قوم نے ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا 'کسی کو قوم نے جلاوطن کر دیا 'کسی کو قید کر دیا 'کسی کو قتل کر دیا 'کسی کو مارا اور پیٹا لیکن وہ خود اپنی قوم کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو توحید کی دعوت دی قوم نہ مانی بلکہ الٹا یہ کہا۔ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ

مِنَ الصّٰدِقِیْنَ اچھا تو لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر اپنی بات میں سچا ہے۔(سورہ اعراف آیت ۷۰) اس پر اللہ تعالیٰ کا پیغمبر صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔فَانْتَظِرُوْا اِنِّی مَعَکُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ترجمہ:"تم بھی (عذاب کا) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں (یعنی عذاب لانا میرے بس میں نہیں)۔(سورہ اعراف آیت ۷۱) ایسا ہی معاملہ دوسرے انبیاء کرام کے ساتھ بھی پیش آتا رہا ہم یہاں اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں جن کی قوم اغلام کے مرض میں مبتلا تھی فرشتے عذاب لے کر خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے تو حضرت لوط علیہ السلام اپنی بدکردار قوم کے بارے میں سوچ کر گھبرا اٹھے کہنے لگے۔ھٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ترجمہ:"یہ دن تو بڑی مصیبت کا ہے۔" (سورہ ھود آیت ۷۷) اور اپنی قوم سے یہ درخواست کی۔﴿ فَاتَّقُوْا اللّٰہَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ﴾ ترجمہ:"اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے ذلیل نہ کرو کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں۔" (سورہ ہود آیت ۷۸) قوم پر آپ کی منت سماجت کا کوئی اثر نہ ہوا تو عاجز اور مجبور ہو کر یہاں تک کہہ ڈالا کہ ھٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ترجمہ:"اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں (نکاح کے لئے) موجود ہیں (سورہ حجرات آیت ۷۱) بدبخت قوم اس پر بھی راضی نہ ہوئی تو پیغمبر کی زبان پر بڑی حسرت کے ساتھ یہ الفاظ آ گئے لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ترجمہ:"اے کاش 'میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہیں سیدھا کر دیتا یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا جس کی پناہ لیتا۔" (سورہ ہود آیت ۸۰) حضرت لوط علیہ السلام کے اس واقعہ کو سامنے رکھئے اور پھر غور فرمائیے کہ پیغمبر کی بات کے ایک ایک لفظ سے بے بسی 'بے کسی اور مجبوری کس طرح ٹپک رہی ہے 'سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا خدائی اختیارات کا مالک کوئی شخص مہمانوں کے سامنے یوں اپنے دشمن سے منت سماجت کرنا گوارا کرتا ہے 'اور پھر یہ کہ کوئی صاحب اختیار اور صاحب قدرت شخص اپنی بیٹیوں کو یوں بدکردار اور بدمعاش لوگوں کے نکاح میں دینا پسند کرتا ہے؟ ایک نظر سید الانبیاء سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر بھی ڈال کر دیکھئے 'مسجد الحرام میں نماز پڑھتے ہوئے مشرکین نے سجدہ کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آکر اپنے بابا کو اس مشکل سے نجات دلائی 'ایک مشرک عقبہ ابی معیط نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں چادر ڈال کر سختی سے گلا گھونٹا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوڑ کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بچائی 'طائف میں مشرکین نے پتھر مار مار کر اس قدر زخمی کر دیا کہ آپ کے نعلین مبارک خون سے تربہ تر ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالآخر شہر سے باہر ایک باغ میں پناہ لی 'طائف سے واپسی پر مکہ معظمہ میں داخل ہونے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مشرک مطعم بن عدی کی پناہ حاصل کرنا پڑی 'مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا 'جنگ احد میں ایک مشرک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پتھر مارا جس سے آپ نیچے گر گئے اور ایک نچلا دانت ٹوٹ گیا اسی جنگ میں ایک دوسرے مشرک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر اس زور سے تلوار ماری کہ خود کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں جنہیں بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے نکالا 'حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کا بہتان لگایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس دن تک شدید پریشانی میں مبتلا رہے حتّٰی کہ بذریعہ وحی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل کی گئی 'آپ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے عمرہ ادا کرنے کے لئے نکلے مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں روک دیا آپ عمرہ نہ ادا کر سکے 'بعض مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ دھوکہ دے کر تبلیغ اسلام کے بہانے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (جن کی مجموعی تعداد ستر سے اسّی تک بنتی ہے) کو لے جا کر شہید کر دیا جس سے آپ کو شدید صدمہ پہنچا سیرت طیبہ کے ان تمام واقعات کو سامنے رکھا جائے تو

ہمارے سامنے ایک ایسے انسان کی تصویر آتی ہے جو پیغمبر ہونے کے باوجود قانون الٰہی اوراللہ کی مشیت کے سامنے بے بس اور لاچار نظر آتا ہے' مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب و سنت کے اس موقف کی بڑی ٹھیک ٹھیک ترجمانی درج ذیل اشعار میں کی ہے۔

جہاں دار مغلوب و مقہور ہیں واں — نبی اور صدیق مجبور ہیں واں

نہ پرسش ہے رہبان واحبار کی واں — نہ پرواہ ہے ابرار واحرار کی واں

اب ایک طرف بزرگوں اوراولیاء کرام کے عقائد اور ان سے منسوب واقعات سامنے رکھئے اور دوسری طرف قرآنی تعلیمات اور قراان مجید میں بیان کئے گئے انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات کو سامنے رکھئے دونوں کے تقابل سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ کہ یاتو کتاب و سنت کی تعلیمات اور انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات محض قصے اور کہانیاں ہیں جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں یا پھر بزرگوں اور اولیاء کرام کے عقائد اور ان سے منسوب واقعات سراسر جھوٹ اور من گھڑت ہیں' ان دونوں صورتوں میں سے جس کا جی چاہے راستہ اختیار کرلے' اہل ایمان کے لئے تو صرف ایک ہی راستہ ہے۔ ﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار! جو فرمان تونے نازل کیا ہے ہم نے اسے مان لیااور رسول کی پیروی کی ہمارانام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔(سورہ آل عمران آیت ۵۳)

دوسری دلیل اور اس کا تجزیہ:

بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بزرگان دین اور اولیاء کرام اللہ کے ہاں بلند مرتبہ رکھتے ہیں ' اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پیارے ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بلند وبرتر تک حاصل کرنے کے لئے اولیاء کرام اور بزرگوں کا وسیلہ یا واسطہ پکڑنا بہت ضروری ہے کہا جاتا ہے کہ جس طرح دنیا میں کسی افسر اعلیٰ تک درخواست پہنچانے کے لئے مختلف سفارشوں کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرحا اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی حاجت پیش کرنے کے لئے وسیلہ پکڑنا ضروری ہے اگر کوئی شخص بلاوسیلہ اپنی حاجت پیش کرے گا تو وہ اسی طرح ناکام ونامراد رہے گا جس طرح افسر اعلیٰ کو بلا سفارش پیش کی گئی درخواست بے نیل ومرام رہتی ہے' قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کیا ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾

ترجمہ:" وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا سرپرست بنارکھا ہے (وہ اپنے اس فعل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں تا کہ وہ اللہ تعالیٰ تک ہماری رسائی کرادیں۔(سورہ زمر آیت ۳)

شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ سے منسوب درج ذیل اقتباس اسی عقیدے کی ترجمانی کرتا ہے "جب بھی اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگو میرے وسیلہ سے مانگو تا کہ مراد پوری ہو اور فرمایا کہ جو کسی مصیبت میں میرے وسیلے سے مدد چاہے' اس کی مصیبت دور ہو' اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر پکارے اسے کشادگی حاصل ہو' جو میرے وسیلے سے اپنی مرادیں پیش کرے تو پوری ہوں"[1] چنانچہ شیخ کے عقیدت مند ان الفاظ سے دعا مانگتے ہیں۔"الٰھی بحرمۃ

غوث الثقلین اقض حاجتی"(یعنی اے اللہ دونوں جہان کے فریاد رس 'عبد القادر جیلانی' کے صدقے میری حاجت پوری فرما)جناب احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں"اولیاء سے مدد مانگنا انہیں پکارنا ان کے ساتھ توسل کرنا امر مشروع اور شئی مرغوب ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم یا دشمن انصاف۔" [2] وسیلہ پکڑنے کے سلسلہ میں حضرت جنید بغدادی کا درج ذیل واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ یااللہ یااللہ کہہ کر دریا عبور کر گئے لیکن مرید سے کہا کہ یاجنید یاجنید کہہ کر چلا آ'پھر

[1]شریعت وطریقت صفحہ۲۹۲ [2] شریعت وطریقت صفحہ ۲۲۸

شیطان لعین نے اس(مرید)کے دل میں وسوسہ ڈالا کیوں نہ میں بھی یااللہ کہوں جیسا کہ پیر صاحب کہتے ہیں یااللہ کہنے کی دیر تھی کہ ڈوبنے لگا پھر جنید کو پکارا جنید نے کہا"وہی کہہ یاجنید یاجنید"جب پار لگا تو پوچھا"حضرت! یہ کیا بات ہے؟فرمایا"اے ناداں! ابھی جنید تک تو پہنچا نہیں اللہ تک رسائی کی ہوس ہے۔[1]اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بزرگان دین اور اولیاء کرام کا وسیلہ اور واسطہ پکڑنے کا عقیدہ صحیح ہے یا غلط'یہ دیکھنے کے لئے ہم کتاب وسنت سے رجوع کریں گے تاکہ معلوم کریں گے کہ شریعت کی عدالت اس بارے میں کیا فیصلہ کرتی ہے'پہلے قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں۔

1۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔

ترجمہ:تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔(سورہ مومن آیت ٦٠)

٢ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔

ترجمہ:اے نبی'میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔(سورہ بقرہ'آیت ١٨٦)

٣ اِنَّ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۔

ترجمہ:میرا رب قریب بھی ہے اور جواب دینے والا بھی۔(سورہ ہود آیت ٦١)مذکورہ بالا آیتوں سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اولاً۔اللہ تعالیٰ بلا استثناء اپنے تمام بندوں'نیکوکاروں یا گنہ گار'پرہیزگار ہوں یا خطاکار ہوں'عالم ہوں یا جاہل'مرشد ہوں یا مرید'امیر ہوں یا غریب'مرد ہوں یا عورت'سب کو یہ حکم دے رہا ہے کہ تم مجھے براہ راست پکارو مجھ ہی سے اپنی حاجتیں اور مرادیں طلب کرو مجھ ہی سے دعائیں اور فریاد کرو۔

ثانیاً۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کے بالکل قریب ہے (اپنے علم اور قدرت کے ساتھ) لہٰذا ہر شخص خود اللہ کے حضور اپنی درخواستیں اور حاجتیں پیش کر سکتا ہے اس سے اپنا غم اور دکھڑا بیان کر سکتا ہے چاہے تورات کی

[1]شریعت وطریقت صفحہ ۳۲۸

تاریکیوں میں 'چاہے تو دن کے اجالوں میں 'چاہے بند کمروں کی تنہائیوں میں 'چاہے تو مجمع عام میں 'چاہے تو سفر میں 'چاہے تو جنگلوں میں 'چاہے تو صحراؤں میں 'چاہے تو سمندروں میں 'چاہے تو فضاؤں میں 'جب چاہے جہاں چاہے 'اسے پکار سکتا ہے 'اس سے بات چیت کر سکتا ہے کیونکہ وہ ہر شخص کی رگ گردن سے بھی قریب ہے ثالثاً۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کی دعاؤں اور فریادوں کا جواب کسی وسیلہ یا واسطہ کے بغیر خود دیتا ہے 'غور فرمایئے جو حاکم وقت رعایا کی درخواستیں خود وصول کرنے کے لئے چوبیس گھنٹے اپنا دربار عام کھلا رکھتا ہو اور ان پر فیصلے بھی خود ہی صادر فرماتا ہو اس کے حضور درخواستیں پیش کرنے کے لئے وسیلے اور واسطے تلاش کرنا سراسر جہالت نہیں تو اور کیا ہے ؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث میں جتنی بھی دعائیں مروی ہیں ان میں سے کوئی ایک ضعیف سے ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے کوئی حاجت طلب کرتے ہوئے یا دعا مانگتے ہوئے انبیاء کرام حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وسیلہ یا واسطہ بنایا ہو اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی کوئی ایسی روایت یا واقعہ ثابت نہیں جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دعا مانگتے ہوئے سید الانبیاء سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ یا واسطہ بنایا ہو اگر وسیلہ یا واسطہ پکڑنا جائز ہوتا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر افضل اور اعلیٰ وسیلہ کوئی نہیں ہو سکتا جس کام کو رسول اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار نہیں فرمایا آج اسے اختیار کرنے کا جواز کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے ؟ اللہ تعالیٰ کے حضور رسائی حاصل کرنے کے لئے وسیلہ اور واسطہ تلاش کرنے کی جو دنیاوی مثالیں دی جاتی ہیں آیئے لمحہ بھر کے لئے ان پر بھی غور کر لیں اور یہ دیکھیں کہ ان میں کہاں تک صداقت ہے ؟ دنیا میں کسی بھی افسر بالا تک رسائی حاصل کرنے کے لئے وسیلہ اور واسطہ کی ضرورت درج ذیل وجوہات کی بناء پر ہو سکتی ہے ۔
ا۔ افسران بالا کے دروازے پر ہمیشہ دربان بیٹھتے ہیں جو تمام درخواست گذاروں کو اندر نہیں جانے دیتے اگر کوئی افسر بالا کا مقرب اور عزیز ساتھ ہو تو یہ رکاوٹ فوراً دور ہو جاتی ہے لہٰذا وسیلہ اور واسطہ مطلوب ہوتا ہے۔

۲۔ متعلقہ افسر اگر سائل کے ذاتی حالات اور معاملات سے آگاہ نہ ہو تب بھی وسیلے اور واسطے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ متعلقہ افسر کو مطلوبہ معلومات فراہم کی جا سکیں جن پر وہ اعتماد کر سکے۔

۳۔ اگر افسر بالا بے رحم 'بے انصاف 'اور ظالم طبیعت کا مالک ہو تب بھی وسیلے اور واسطے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہیں خود سائل ہی بے انصافی اور ظلم کا شکار نہ ہو جائے۔

۴۔ اگر افسر سے ناجائز مراعات اور مفادات کا حصول مطلوب ہو (مثلاً رشوت دے کر یا کسی قریبی رشتہ دار والدین 'بیوی 'یا اولاد وغیرہ کا دباؤ ڈلوا کر مفاد حاصل کرنا ہو) تب بھی وسیلے اور واسطے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

یہ ہیں وہ مختلف صورتیں جن میں دنیاوی واسطوں اور وسیلوں کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے ان تمام نکات کو ذہن میں رکھئے اور پھر سوچئے کیا واقعی اللہ تعالیٰ کے ہاں دربان مقرر ہیں کہ اگر کوئی عام آدمی درخواست پیش کرنا چاہے تو اسے مشکل پیش آئے اور اگر اس کے مقرب اور محبوب آئیں تو ان کے لئے اذن عام ہو؟ کیا واقعی اللہ تعالیٰ بھی دنیاوی افسروں کی طرح اپنی مخلوق کے حالات اور معاملات سے لاعلم ہے جنہیں جاننے کے لئے اسے وسیلے یا واسطہ کی ضرورت ہو؟ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا عقیدہ بھی یہی ہے کہ وہ ظلم بے انصافی اور بے رحمی کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا ایمان یہی ہے کہ دنیاوی عدالتوں کی طرح اس دربار میں بھی رشوت یا واسطے اور وسیلے کے دباؤ سے ناجائز مراعات اور مفادات کا حصول ممکن ہے؟ اگر ان سارے سوالوں کا جواب "ہاں" میں ہے تو پھر قرآن مجید اور حدیث شریف میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے بارے میں بتائی گئی ساری صفات مثلاً رحمن رحیم کریم رؤف ودود سمیع بصیر علیم قدیر خبیر مقسط وغیرہ کا مطلقاً انکار کر دیجئے اور پھر یہ بھی تسلیم کر لیجئے کہ جو ظلم وستم اندھیر نگری اور جنگل کا قانون اس دنیا میں رائج ہے (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی وہی قانون رائج ہے اور اگر ان سوالوں کو جواب نفی میں ہے (اور واقعی نفی میں ہے) تو پھر سوچنے کے بات یہ ہے کہ مذکورہ اسباب کے علاوہ وہ کون سا سبب ہے جس کے لئے وسیلے اور واسطے کی ضرورت ہے؟

ہم اس مسئلے کو ایک مثال سے واضح کرنا چاہیں گے غور فرمایئے اگر کوئی حاجتمند پچاس یا سو میل دور اپنے گھر بیٹھے کسی مجاز افسر کو اپنی پریشانی اور مصیبت سے آگاہ کرنا چاہے تو کیا ایسا کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں "سائل اور مسئول دونوں ہی واسطے اور وسیلے کے محتاج ہیں فرض کیجئے سائل کی درخواست کسی طرح افسر مجاز تک پہنچادی گئی کیا اب وہ افسر اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ سائل کے بیان کردہ حالات کی اپنے ذاتی علم کی بنا پر تصدیق یا تردید کر سکے؟ ہرگز نہیں انسان کا علم اس قدر محدود ہے کہ وہ کسی کے صحیح حالات جاننے کے لئے قابل اعتماد اور ثقہ گواہوں کا محتاج ہے فرض کیجئے افسر بالا اپنی انتہائی ذہانت اور فراست کے سبب خود ہی حقائق کی تہ تک پہنچ جاتا ہے تو کیا وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے دفتر میں بیٹھے بٹھائے پچاس یا سو میل دور بیٹھے ہوئے سائل کی مشکل آسان کر دے؟ ہرگز نہیں بلکہ ایسا کرنے کے لئے بھی اسے واسطے اور وسیلے کی ضرورت ہے گویا سائل سوال کرنے کے لئے وسیلے کا محتاج ہے اور افسر مجاز مدد کرنے کے لئے واسطے اور وسیلے کا محتاج ہے یہی وہ بات ہے جو اللہ کریم نے قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمائی ہے ﴿ ضعف الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴾ ترجمہ: مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی وہ بھی کمزور (سورۃ حج آیت ۷۳) اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی صفات اختیارات اور قدرت کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ ساتوں زمینوں کے نیچے پتھر کے اندر موجود چھوٹی سی چیونٹی کی پکار بھی سن رہا ہے اس کے حالات کا پورا علم رکھتا ہے اور کھربوں میل دور بیٹھے بٹھائے کسی وسیلے اور واسطے کے بغیر اس کی ساری ضرورتیں اور حاجتیں بھی پوری کر رہا ہے پھر آخر اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرت کے ساتھ انسانوں کی صفات اور قدرت کو کونسی نسبت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے دنیاوی مثالیں دی جائیں اور وسیلے یا واسطے کا جواز ثابت کیا جائے؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں تمام دنیاوی مثالیں محض شیطانی فریب ہیں وسیع قدرتوں اور لامحدود صفات کے مالک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات بابرکات کے معاملات کو انتہائی محدود قلیل اور عارضی اختیارات کے مالک انسانوں کے معاملات پر محمول کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے افسران بالا کی مثالیں دینا اللہ کی جناب میں بہت بڑی توہین اور گستاخی ہے جس سے خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان الفاظ میں منع فرمایا ہے "فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" ترجمہ۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں نہ دو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔(سورہ نحل آیت ۷۴)

پس حاصل کلام یہ ہے کہ نہ تو کتاب وسنت کی رو سے وسیلہ اور واسطہ پکڑنا جائز ہے نہ ہی عقل انسانی اس کی تائید کرتی ہے۔ سُبْحَانَااللّٰہ وَتَعَالیٰ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ترجمہ: "پس اللہ تعالیٰ پاک اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔" (سورہ قصص آیت ٦٨)

تیسری دلیل اور اس کا تجزیہ

بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اولیاء کرام چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے بلند مرتبہ اور مقرب ہوتے ہیں لہٰذا ان کا اللہ کے ہاں بڑا اثر ورسوخ ہے اگر نذرونیاز دے کر انہیں خوش کر لیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کر کے ہمیں بخشوا لیں گے' اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس عقیدے کا ظہار ان الفاظ میں یہ کیا ہے۔

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِاللّٰه مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَاللّٰه ﴾

ترجمہ: "یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچاسکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔" (سورۃ یونس آیت ١٨) ایک بزرگ جناب خلیل برکاتی صاحب نے اس عقیدہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے "بے شک اولیاء اور فقہاء اپنے پیروکاروں کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کی نگہبانی کرتے ہیں جب ان کی روح نکلتی ہے' جب منکر نکیر ان سے سوال کرتے ہیں' جب ان کا حشر ہوتا ہے' جب ان کا اعمال نامہ کھلتا ہے' جب ان سے حساب لیا جاتا ہے' جب ان کے عمل ملتے ہیں' جب وہ پل صراط پر چلتے ہیں' ہر وقت ہر حال میں ان کی نگہبانی کرتے ہیں' کسی جگہ ان سے غافل نہیں ہوتے۔" [1]

شفاعت کے سلسلے میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک واقعہ قارئین کی دلچسپی کے لئے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ کے نزدیک اولیاء کرام کس قدر صاحب اختیار اور صاحب شفاعت ہوتے ہیں واقعہ درج ذیل ہے۔

[1] بریلویت صفحہ ٣١٢

"جب شیخ عبدالقادر جیلانی جہان فانی سے عالم جاودانی میں تشریف لے گئے تو ایک بزرگ کو خواب میں بتایا کہ منکر نکیر نے جب مجھ سے مَنْ رَّبُّکَ (یعنی تیرا رب کون ہے) پوچھا تو میں نے کہا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے سلام اور مصافحہ کرتے ہیں چنانچہ فرشتوں نے نادم ہو کر مصافحہ کیا تو شیخ عبدالقادر جیلانی نے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لئے اور کہا کہ تخلیق آدم کے وقت تم نے ﴿ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا ﴾ ترجمہ۔ "کیا تو پیدا کرتا ہے اسے جو زمین میں فساد برپا کرے" کہہ کر اپنے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے زیادہ سمجھنے کی گستاخی کیوں کی نیز تمام بنی آدم کی طرف فساد اور خوں ریزی کی نسبت کیوں کی؟ تم میرے ان سوالوں کا جواب دو گے تو چھوڑوں گا ورنہ نہیں' منکر نکیر ہکا بکا ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی مگر اس دلاور' یکتائے میدان جبروت اور غواث بحر لاہوت کے سامنے قوت ملکوتی کیا کام آتی' مجبوراً فرشتوں نے عرض کیا حضور! یہ بات سارے فرشتوں نے کہی تھی لہٰذا آپ ہمیں چھوڑیں تاکہ باقی فرشتوں سے پوچھ کر جواب دیں حضرت غوث الثقلین رحمہااللہ نے ایک فرشتے کو چھوڑا دوسرے کو پکڑ رکھا' فرشتے نے جا کر سارا حال بیان کیا تو سب فرشتے اس سوال کے جواب سے عاجز رہ گئے تب باری تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا

کہ میرے محبوب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خطا معاف کراؤ' جب تک وہ معاف نہ کرے گا رہائی نہ ہو گی' چنانچہ فرشتے محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر خواہ ہوئے' حضرت صمدیت (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے بھی شفاعت کا اشارہ ہوا' اس وقت حضرت غوث اعظم نے جناب باری تعالیٰ میں عرض کی اے خالق کُل! ربِّ اکبر! اپنے رحم و کرم سے میرے مریدین کو بخش دے اور ان کو منکر نکیر کے سوالوں سے بری فرمادے تو میں ان فرشتوں کا قصور معاف کرتا ہوں' فرمان الٰہی پہنچا کہ میرے محبوب! میں نے تیری دعا قبول کی فرشتوں کو معاف کر' تب جناب غوثیت مآب نے فرشتوں کو چھوڑا اور وہ عالم ملکوت کو چلے گئے (ملخصا) [1]

غور فرمایئے اس واقعہ میں اولیاء کرام کے بااختیار ہونے' اولیاء کرام کا وسیلہ پکڑنے اور اولیاء کرام کو

[1] تحفۃ المجالس از حضرت ریاض احمد گوہر شاہی صفحہ ۸ تا ۱۱ بحوالہ گلستان اولیاء

اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانے کے عقیدے کی کس قدر بھرپور ترجمانی کی گئی ہے اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء کرام جب چاہیں سفارش کر کے اللہ تعالیٰ سے بخشوا سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو ان کی سفارش کے برعکس مجال انکار نہیں' بلکہ اس واقع سے اندازہ ہوتا ہے کہ اولیاء کرام' اللہ تعالیٰ کو سفارش ماننے پر مجبور بھی کر سکتے ہیں۔ آیئے ایک نظر قرآنی تعلیمات پر ڈال کر دیکھیں کیا اللہ کے حضور اس نوعیت کی سفارش ممکن ہے یا نہیں؟ سفارش سے متعلق چند قرآنی آیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔

ترجمہ: ''کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔'' (سورہ بقرہ آیت ۲۵۵)

۲ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی۔

ترجمہ: ''وہ فرشتے کسی کے حق میں سفارش نہیں کرتے سوائے اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ تعالیٰ راضی ہو۔'' (سورۃ انبیاء آیت ۲۸) ۳

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِیْعًا۔

ترجمہ: ''کہو سفارش ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے'' (سورہ زمر آیت ۴۴) ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش کی جو حدود و قیود بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔

اولاً۔ سفارش صرف وہی شخص کر سکے گا جسے اللہ تعالیٰ سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔

ثانیاً۔ سفارش صرف اسی شخص کے حق میں ہو سکے گی جس کے لئے اللہ تعالیٰ سفارش کرنا پسند فرمائے گا۔

ثالثاً۔ سفارش کی اجازت دینے یا نہ دینے' قبول کرنے یا نہ کرنے کا سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

قرآن مجید کی ان مقرر کردہ حدود میں رہتے ہوئے قیامت کے دن انبیاء وصلحاء' اللہ تعالیٰ سے سفارش کرنے کی اجازت کیسے حاصل کریں گے اور پھر یہ سفارش کا طریقہ کیا ہو گا اس کا اندازہ بخاری و مسلم کی طویل حدیثِ شفاعت سے کیا جا سکتا ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ''قیامت کے روز لوگ باری باری حضرت آدم علیہ السلام' نوح علیہ السلام' ابراہیم علیہ السلام' موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری سفارش کیجئے لیکن انبیاء کرام اپنی معمولی لغزشوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ سے خوف محسوس کرتے ہوئے سفارش سے معذرت کر دیں گے بالآخر لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے تب آپ' اللہ تعالیٰ سے حاضری کی اجازت طلب کریں گے اجازت ملنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر پڑیں گے اور اس وقت تک سجدے میں پڑیں رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا تب اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا'' اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! سر اٹھاؤ سفارش کرو تمہاری سفارش سنی جائے گی۔'' چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کریں گے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حد کے اندر سفارش کریں گے جو قبول ہو گی۔ کتاب وسنت میں جائز سفارش کی جو حدود و قیود بیان کی گئی ہیں قرآن مجید میں انبیاء کرام کے دیئے گئے واقعات ان کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں ہم یہاں مثال کے طور پر صرف ایک پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنا چاہتے ہیں حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک منصبِ رسالت کے فرائض انجام دیتے رہے قوم پر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا تو نبی کا مشرک بیٹا بھی ڈوبنے والوں میں شامل تھا جسے دیکھ کر یقیناً بوڑھے باپ کا کلیجہ کٹا ہو گا چنانچہ اللہ تعالیٰ رب العزت کی بارگاہ میں سفارش کے لئے ہاتھ پھیلا کر عرض کیا:

﴿ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحَاكِمِیْنَ ﴾

ترجمہ: ''اے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے تو سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے۔'' (سورۃ ہود آیت ۴۵) جواب میں ارشاد ہوا۔

﴿ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴾

ترجمہ: ''اے نوح! جس بات کی تو حقیقت نہیں جانتا اس کی مجھ سے درخواست نہ کر' میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنالے۔'' (سورہ ہود آیت ۴۶) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس تنبیہ پر حضرت نوح علیہ السلام اپنے لختِ جگر کا صدمہ تو بھول ہی گئے اپنی فکر لاحق ہو گئی چنانچہ فوراً عرض پرداز ہوئے۔

﴿ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴾

ترجمہ: ''اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ چیز تجھ سے مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو میں برباد ہو جاؤں گا۔'' (سورہ ہود آیت ۴۷) یوں ایک جلیل القدر پیغمبر کی اپنے بیٹے کے حق میں کی گئی سفارش بارگاہ الٰہی میں رد کر دی گئی اور پیغمبر زادہ اپنے شرک کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہو کر رہا۔ کتاب وسنت کی تعلیمات جان لینے کے باوجود اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ ہم فلاں حضرت

صاحب یا پیر صاحب کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں لہٰذا وہ ہمیں قیامت کے روز سفارش کر کے بخشوا لیں گے تو اس کا انجام اس شخص سے کیسے مختلف ہو سکتا ہے جو اپنا کوئی جرم بخشوانے کے لئے حکومت کے کسی کارندے کو بادشاہ سلامت کے پاس اپنا سفارشی بنا کر بھیجنا چاہے جبکہ وہ کارندہ خود حاکم وقت کے جاہ و جلال سے تھر تھر کانپ رہا ہو اور سفارش کرنے سے بار بار معذرت کر رہا ہو لیکن مجرم شخص یہی کہتا چلا جائے کہ حضور! بادشاہ سلامت کے دربار میں آپ ہی ہمارے سفارشی اور حمایتی ہیں آپ ہی ہمارا وسیلہ اور واسطہ ہیں۔ تو کیا ایسے مجرم کی واقعی سفارش ہو جائے گی یا وہ خود اپنی حماقت اور نادانی کے ہاتھوں تباہ برباد ہو گا؟

﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾

ترجمہ: "اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں آخر تم کہاں سے دھوکا کھا رہے ہو۔ (سورہ فاطر' آیت ۳)

☆☆☆

دین خانقاہی

اسلام کے نام پر دین خانقاہی درحقیقت ایک کھلی بغاوت ہے 'دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف 'عقائد و افکار میں بھی اور اعمال و افعال میں بھی 'امر واقعہ یہ ہے کہ دین اسلام کی جتنی رسوائی خانقاہوں 'مزاروں 'درباروں اور آستانوں پر ہو رہی ہے شاید غیر مسلموں کے مندروں 'گرجوں اور گردواروں پر بھی نہ ہوتی ہو 'بزرگوں کی قبروں پر قبے تعمیر کرنا 'ان کی تزئین و آرائش کرنا، ان پر چراغاں کرنا 'پھول چڑھانا 'انہیں غسل دینا 'ان پر مجاوری کرنا 'ان پر نذر و نیاز چڑھانا 'وہاں کھانا اور شیرینی تقسیم کرنا 'جانور ذبح کرنا 'وہاں رکوع و سجود کرنا

[1] اردو ڈائجسٹ ستمبر ۱۹۹۱ء [2] نوائے وقت '۱۱ اکتوبر ۱۹۹۱ جمعہ میگزین صفحہ ۵

ہاتھ باندھ کر باادب کھڑے ہونا 'ان سے مرادیں مانگنا 'ان کے نام کی چوٹی رکھنا 'ان کے نام کے دھاگے باندھنا 'ان کے نام کی دھائی دینا 'تکلیف اور مصیبت میں انہیں پکارنا 'مزاروں کا طواف کرنا 'طواف کے بعد قربانی کرنا اور سر کے بال مونڈوانا 'مزار کی دیواروں کو بوسہ دینا وہاں سے خاک شفا حاصل کرنا 'ننگے قدم مزار تک پیدل چل کر جانا اور الٹے پاؤں واپس پلٹنا یہ سارے افعال تو وہ ہیں جو ہر چھوٹے بڑے مزار پر روز مرہ کا معمول ہیں اور جو مشہور اولیاء کرام کے مزار ہیں ان میں سے ہر مزار کا کوئی نہ کوئی الگ امتیازی وصف ہے مثلاً: بعض خانقاہوں پر بہشتی دروازے تعمیر کئے گئے ہیں جہاں گدی نشین اور سجادہ نشین نذرانے وصول کرتے اور جنت کی ٹکٹیں تقسیم فرماتے ہیں کتنے ہی امراء 'وزرائ 'اراکین اسمبلی 'سول اور فوج کے اعلیٰ عہدیدار سر کے بل وہاں پہنچتے ہیں اور دولت دنیا کے عوض جنت خریدتے ہیں 'بعض ایسی خانقاہیں بھی ہیں جہاں مناسک حج ادا کئے جاتے ہیں 'مزار کا طواف کرنے کے بعد قربانی دی جاتی ہے 'بال کٹوائے جاتے ہیں 'اور مصنوعی آب زم زم نوش کیا جاتا ہے 'بعض ایسی خانقاہیں بھی ہیں جہاں نومولود معصوم بچوں کے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں 'بعض ایسی خانقاہیں بھی ہیں جہاں کنواری دوشیزائیں خدمت کے لئے وقف کی جاتی ہیں۔ بعض ایسی خانقاہیں ہیں جہاں اولاد سے محروم خواتین "نوراتا" بسر کرنے جاتی ہیں[1] انہی خانقاہوں میں سے بیشتر بھنگ 'چرس 'افیون 'گانجا اور ہیروئن جیسی

منشیات کے کاروباری مراکز بنی ہوئی ہیں 'بعض خانقاہوں میں فحاشی بدکاری اور ہوس پرستی کے اڈے بھی بنے ہوئے ہیں[2] بعض خانقاہیں مجرموں اور قاتلوں کی محفوظ پناہ گاہیں تصور کی جاتی ہیں

[1]ملتان کے علاقہ میں ایسی بہت سی خانقاہیں جہاں بے اولاد خواتین نوراتوں کے لئے جاکر قیام کرتی ہیں اور صاحب مزار کے حضور نذر ونیاز پیش کرتی ہیں 'مجاوروں کی خدمت اور سیوا کرتی ہیں اور یہ عقیدہ رکھتی ہیں کہ اس طرح صاحب مزار انہیں اولاد سے نواز دے گا 'عرف عام میں اسے نوراتا کہا جاتا ہے۔ [2] ویسے تو اخبارات میں آئے دن مزاروں اور خانقاہوں پر پیش آنے والے المناک واقعات لوگوں کی نظروں سے گزرتے ہی رہتے ہیں ہم یہاں مثال کے طور پر صرف ایک خبر کا حوالہ دینا چاہتے ہیں جو روزنامہ ''خبریں ''مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی ہے وہ یہ کہ ضلع بھاولپور میں خواجہ حکیم الدین میرائی کے سالانہ عرس پر آنے والی بھاولپوری یونیورسٹی کی دوطالبات کو سجادہ نشین کے بیٹے نے اغوا کرلیا جبکہ ملزم کا باپ سجادہ نشین منشیات فروخت کرتے ہوئے پکڑا گیا۔

ان خانقاہوں کے گدی نشینوں اور مجاوروں کے حجروں میں جنم لینے والی حیاء سوز داستانیں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے 'ان خانقاہوں پر منعقد ہونے والے سالانہ عرسوں میں مردوں 'عورتوں کا کھلے عام اختلاط 'عشقیہ اور شرکیہ مضامین پر مشتمل قوالیاں[1] ڈھول ڈھمکے کے ساتھ نوجان ملنگوں اور ملنگنیوں کی دھمالیں 'کھلے بالوں کے µ µ

کسے شئے دی نئیں دا تا کول تھوڑ اے 'پوری کرداں سوالیاں دی لوڑ اے گل جھوٹ نہیں اللہ دی سونہہ میری 'توں سچے دلوں دیکھ منگ کےµپوری سرکار سب دی تمنا کرو ہر بھکاری کی داتا جی جھولی بھروµ مظہر ذات رب قدیر آپ ہیں 'دستگیر آپ ہیں شاہ بغداد پیران پیر آپ ہیں ' دستگیر آپ ہیںµ وحدت' وحدت' وحدت' وحدت' وحدت تیرے خزانہ میں سوائے وحدت کے کیا رکھا ہے ؟µ ہر طرف آج رحمت کی برسات ہے 'آج کھلنے پر قفل مہمات ہے ہر سو جلوہ آرائی ذات ہے 'کوئی بھرنے پہ کشکول حاجات ہےµ ابن زہرہ کو بنایا گیا اولیاء انبیاء کو بلایا گیا مرحبا 'مرحبا' مرحبا 'مرحبا' مرحبا جاگنے کو مقدر ہے انسان کا عرس ہے آج محبوب سبحان کا [1]µ قوالی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے اولیاء کرام نے قوالی کا سہارا لیا اور یوں برصغیر میں قوالی اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بنی 'نامور قوال نصرت فتح علی خان نے اپنے انٹرویو میں دعوی کیا ہے کہ اسپین 'فرانس 'اور دوسرے بہت سے ممالک میں لاتعداد لوگ ہماری قوالی سننے کے بعد مسلمان ہوگئے (نوائے وقت فیملی میگزین ۱۲ تا ۱۸ مئی ۱۹۹۲) چنانچہ ہم نے چند نامور قوالوں کے کیسٹ حاصل کرکے سنے جن کے بعض حصے بطور نمونہ یہاں نقل کئے جارہے ہیں 'ان قوالیوں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قوالیوں کے ذریعہ اولیاء کرام کس قسم کے اسلام کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے اور آج اگر لاتعداد لوگ مغربی ممالک میں قوالیاں سن کر واقعی مسلمان ہوئے ہیں تو وہ کس قسم کے مسلمان ہوئے ہیں۔

[1]ساتھ عورتوں کے رقص 'طوائفوں کے مجرے 'تھیٹر اور فلموں کے مظاہر عام نظر آتے ہیں۔دین خانقاہی کی انہی رنگ رلیوں اور عیاشیوں کے باعث گلی گلی 'محلے محلے 'گاؤں گاؤں 'شہر شہر 'نت نئے مزار تعمیر ہو رہے ہیں۔رحیم یار خان (ضلع پنجاب پاکستان) میں دین خانقاہی کے علمبرداروں نے پیشہ ور ماہرین آثار قدیمہ سے بھی زیادہ مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے چودہ سو سال بعد رانجھے خاں کی بستی کے قریب برلب سڑک ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر تلاش کرکے اس پر نہ صرف مزار تعمیر کرڈالا بلکہ ''صحابی رسول خمیر بن ربیع کا روضہ مبارک ''کا بورڈ لگا کر اپنا کاروبار بھی شروع کردیا ہے[2] گزشتہ چند سالوں سے ایک نئی رسم دیکھنے میں آرہی ہے وہ یہ کہ اپنی خانقاہوں کی رونق بڑھانے کے لئے بزرگوں کے مزارات پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک سے عرس منعقد کئے جانے لگے ہیں۔مسلمانوں کی اس حالت زار پر آج علامہ اقبال رحمہاللہ کا یہ تبصرہ کس قدر درست ثابت ہورہا ہے۔

جنھاں جنھاں کرلئی پہچان مولا علی دی 'اوہناں تائیں مل گئی امان مولا علی دی دم علی دم علی مولا علی مولا علی مولا علی [2] ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۸ مئی ۱۹۹۰ءµ نظر کرم دی کردہ سوہنا ' خالی جھولیاں بھردا سوہنا جیھڑا وی ایھہ ورد پکاندا ' مرشد بیڑی پار لگاندا علی مولا علی مولا علی مولا دم علی علی دم علی علیµ ہاڑاں تے طوفانان وچ کنارا مولا علی اے 'دکھیاں دے دلاں دا سہارا مولا علی اے علی داں ملنگ میں تے علی دا منگ میں تے علی دا ملنگ [1]µ دل گناہ گار کا نہیں توڑدا ' خالی داتا کدے وی نہیں موڑدا جھولی بھر دے گا مراداں نال تیری توں ' سچے دلوں دیکھ منگ کے علی ساڈے دلا وچ 'علی ساڈے ساہواں وچ 'علی ساڈے آسے پاسے 'علی اے نگاہواں وچ علی داں ملنگ میں تے علی دا منگ میں تے علی دا ملنگ

ہونکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے دین خانقاہی کی تاریخ میں یہ دلچسپ اور انوکھا واقعہ بھی پایا جاتا ہے کہ ایک بزرگ شیخ حسین لاہور (سنہ ۱۰۵۲ھ) ایک خوبصورت برہمن لڑکے "مادھولال" پر عاشق ہوگئے 'پرستاران اولیاء کرام نے "دونوں بزرگوں کا مزار شالیمار باغ لاہور کے دامن میں تعمیر کر دیا جہاں ہر سال ۸ جمادی الثانی کو دونوں بزرگوں کے مشترک نام "مادھولال حسین" سے بڑی دھوم دھام سے عرس منعقد کرایا جاتا ہے 'جسے زندہ دلان لاہور عرف عام میں میلہ چراغاں کہتے ہیں۔ "حضرت مادھولال" کے دربار پر کندہ کتبہ بھی بڑا انوکھا اور منفرد ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "مزار پر انوار 'مرکز فیض وبرکات 'راز حسن کا امین 'معشوق محبوب نازنین 'محبوب الحق 'حضرت شیخ مادھو قادری لاہوری "یوں تو یہ مزار اور مقبرے تعمیر ہی عرسوں کے لئے کئے جاتے ہیں 'چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں میں نہ معلوم کتنے ایسے عرس منعقد ہوتے ہیں جو کسی گنتی اور شمار میں نہیں آتے 'لیکن جو عرس ریکارڈ پر موجود ہیں ان پر ایک نظر ڈالئے اور اندازہ کیجئے کہ دین خانقاہی کا کاروبار کس قدر وسعت پذیر ہے 'اور حضرتِ ابلیس نے جاہل عوام کو کی اکثریت کو کس طرح اپنے شکنجوں میں جکڑ رکھا ہے۔ تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں ایک سال کے اندر ۶۳۴ عرس شریف منعقد ہوتے ہیں گویا ایک مہینے میں ۵۳ یا دوسرے الفاظ میں روزانہ ۱.۷۔ یعنی پونے دو عرس منعقد ہوتے ہیں جو عرس ریکارڈ پر نہیں یا جن کا اجراء دوران سال ہوتا ہے ان کی تعداد بھی شامل کی جائے تو یقیناً یہ تعداد دو عرس یومیہ سے بڑھ جائے گی [1] ان اعداد وشمار کے مطابق مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سرزمین پر اب ایسا کوئی سورج طلوع نہیں ہوتا جب یہاں عرسوں کے ذریعے شرک وبدعت کا بازار گرم کر کے اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب کو دعوت نہ دی جاتی ہو۔ (العیاذ باللہ)

[1] یہ اعداد وشمار شمع اسلامی قانونی ڈائری ۱۹۹۲ء سے لئے گئے ہیں۔

ایمان کیا ہے؟

وَالْإِيْمَانُ قَوْلٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْأَرْكَانِ وَعَقْدٌ بِالْجِنَانِ، يَزِيْدُ بِالطَّاعَةِ وَيَنْقُصُ بِالْعِصْيَانِ۔ (۱)

ترجمہ...: ایمان زبان سے اقرار، اعضاء سے عمل اور دل کے عقیدے کا نام ہے۔ یہ اطاعت سے بڑھتا اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔

تشریح...: (۱) قضاء وقدر کی بحث سے فارغ ہو کر مصنف رحمہ اللہ ایمان کی تعریف کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔

ایمان کی لغوی تعریف:

"ایک امانت دار خبر دینے والے کی کسی غیبی معاملے سے متعلق خبر کی تصدیق کرنا۔" اس تصدیق کو ایمان اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ ہم خبر دینے والے کو امین مانتے ہیں۔ ایک ایسی بات کی خبر پر جو ہم نے نہیں دیکھی ہوتی۔ یعنی ہم کسی شخص کی ثقاہت کی وجہ سے اس کی خبر پر اعتماد کرتے ہیں۔

مثلاً آپ کو کوئی بتائے کہ فلاں علاقے میں فلاں فلاں واقعہ پیش آیا ہے۔ آپ وہاں جائے بغیر اور اس واقعہ کو دیکھے بغیر اس کی بات کی تصدیق کر دیں تو اس کو لغت میں ایمان کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

شریعت کی اصطلاح میں ایمان ایک شرعی حقیقت کا نام ہے۔ اہل اصول کے ہاں حقیقت کی تین قسمیں ہیں۔

۱... حقیقت شرعی

۲... حقیقت عرفی

۳... حقیقت لغوی

لہٰذا یہاں ایمان کی تعریف میں ہم اسے ایک حقیقت شرعی کہیں گے نہ کہ حقیقت لغوی یا حقیقت عرفی۔ مثلاً لغت میں صلوٰۃ محض دعا کو کہتے ہیں۔ لیکن شریعت میں اس سے مراد یہ ہے کہ: "معروف صلوٰۃ (نماز) جو تکبیر سے شروع کی جاتی ہے اور سلام پر ختم کی ہوتی ہے۔ یعنی اقوال و افعال کا وہ مجموعہ جسے تکبیر سے شروع کیا جاتا اور سلام پر ختم کیا جاتا ہے

اسے "اَلصَّلٰوۃُ ... نماز" کہا جاتا ہے۔"

اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، حج۔ یہ تمام شرعی حقائق ہیں اور ایمان بھی ایک شرعی حقیقت ہے۔

اور اس سے مراد قول باللسان، اعتقاد بالقلب اور عمل بالجوارح ہے۔ قول باللسان سے مراد شہادتین کا اقرار، ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل ہیں۔ اعتقاد بالقلب سے مراد یہ ہے کہ جس بات کا آپ زبان سے اقرار کر رہے ہیں آپ کا دل بھی اس کی تصدیق کرے۔ اور عمل بالجوارح سے مراد یہ ہے کہ انسان کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں استعمال ہوں اور گناہوں سے رکے رہیں۔ لہٰذا ایمان محض زبان سے انکار کا نام نہیں اور نہ ہی محض تصدیق قلبی یا عقیدہ و اقرار کے بغیر محض عمل کا نام ہے۔ بلکہ ان تینوں شروط کا پایا جانا ضروری ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ **يَزِيْدُ بِالطَّاعَاتِ:** سے مراد یہ ہے کہ جب انسان نیکی کے کام کرتا ہے تو اس کا ایمان بڑھتا ہے۔ **وَيَنْقُص بِالْمَعْصِيَةِ:** اور گناہ کرنے سے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ایمان کی کمی و بیشی کی قرآن سے دلیل ملتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ، ﴾ (الانفال:۲)

"(اصل) مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو انھیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔"

مذکورہ بالا آیت سے یہ دلیل ملتی ہے کہ جب انسان قرآن سنتا ہے تو اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور جب قرآن سے دور ہوتا ہے تو ایمان میں کمی آتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ يَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى وَّ الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا، ﴾ (مریم:۷۶)

"اور اللہ ان لوگوں کو جنھوں نے ہدایت پائی، ہدایت میں زیادہ کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے بہتر اور انجام کے لحاظ سے کہیں اچھی ہیں۔"

اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَ اِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ط فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ، ﴾ (التوبۃ:۱۲۴)

"اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اس نے تم میں سے کس کو ایمان میں زیادہ کیا؟ پس جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو تو اس نے ایمان میں زیادہ کر دیا اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔" یعنی جب بھی قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان بڑھ جاتا۔

ارشاد پاک ہے:

﴿وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ، ﴾ (التوبہ:۱۲۵)

"اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی میں زیادہ کر دیا اور وہ اس حال میں مرے کہ وہ کافر تھے۔"

یعنی جن کے دلوں میں نفاق اور شک ہوتا تھا ان کی غلاظت میں مزید اضافہ ہو جاتا۔ کیونکہ وہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا جوں جوں قرآن نازل ہوتا توں توں ان کے شک وشبہ میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

ایمان کی زیادتی کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ، ﴾ (المدثر :۳۱)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ایمان میں زیادہ ہو جائیں اور اہل کتاب اور ایمان والے تاکہ شک نہ کریں۔'' جب اللہ تعالیٰ نے جہنم کے داروغہ کے بارے میں بتایا اور یہ بتایا کہ جہنم کے داروغے ۱۹ فرشتے ہیں، گذشتہ آسمانی کتابوں میں بھی یہی بتایا گیا ہے تو اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔ جبکہ کفار کہنے لگے: جہنم پر صرف ۱۹ فرشتے ہی کیوں مقرر کیے گئے ہیں؟ کیا جہنم والے ان پر غالب نہیں آسکتے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ط كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ، ﴾ (المدثر :۳۱)

''اور ہم نے جہنم کے محافظ فرشتوں کے سوا نہیں بنائے اور ان کی تعداد ان لوگوں کی آزمائش ہی کے لیے بنائی ہے جنھوں نے کفر کیا، تاکہ وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی ہے، اچھی طرح یقین کر لیں۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ایمان میں زیادہ ہو جائیں۔ اور وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی ہے اور ایمان والے شک نہ کریں۔ اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو کفر کرنے والے ہیں کہیں: اللہ نے اس کے ساتھ مثال دینے سے کیا ارادہ کیا ہے؟ اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ باتیں بشر کی نصیحت ہی کے لیے ہیں۔'' اگرچہ ان کی تعداد ۱۹ ہے لیکن وہ فرشتے ہیں۔ اور فرشتے انسانوں جیسے نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق اس طرح فرمائی ہے اور انہیں اتنی قوت دی ہے کہ صرف ایک فرشتہ بھی ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں پر غلبہ پا سکتا ہے۔ اس آیت مبارکہ میں محل شاہد ﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے الفاظ ہیں۔ جو اس بات کی دلیل ہیں کہ ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ جہاں تک ایمان کی کمی کی بات ہے تو یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ جس چیز میں اضافہ ہو سکتا ہے اس میں کمی بھی ہو سکتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے لیے نقلی دلائل بھی ہیں۔ مثلاً حدیث مبارکہ میں ہے:

((اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً ، فَأَعْلَاهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَدْنَاهَا ، إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ۔))

”ایمان کے ستر سے زیادہ درجات ہیں۔ ان میں سب سے بلند ”لا الہ الا اللہ“ کا اقرار اور سب سے کم تر درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ اور حیاء بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔“[1]

[1]مسند احمد (۱۵/۲۱۲) ۹۳۶۱، بخاری(۹)، مسلم (۳۵)، ابوداؤد (۴۶۷۶)، ابن ماجہ (۵۷)، ترمذی (۲۶۱۴)، نسائی (۸/۱۱۰)، یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایمان میں کمی وبیشی ہوتی ہے۔ اس کے ۶۰ یا ستر سے زیادہ حصے ہیں۔ جب یہ تمام حصے مکمل ہو جائیں تو ایمان کامل ہو جاتا ہے اور جب ان میں سے کوئی کم پڑ جائے تو ایمان میں بھی کمی آ جاتی ہے۔ اسی لیے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

”أَدْنَاہَا إِمَاطَةُ الْأَذَی عَنِ الطَّرِیْقِ۔“

اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں درجہ بندی ہے۔ اسی طرح سرور کونین کا فرمان ہے:

مَنْ رَأَیٰ مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ، فَإِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ، فَإِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ أَضْعَفُ الْإِیْمَانِ۔

”تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس کو ختم کرے اگر اس کے پاس اتنی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“[1]

یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ ایمان سے کمزوری آتی ہے۔ کبھی ایمان کامل ہوتا ہے اور کبھی ناقص اور کمزور۔ جو شخص محض دل سے برائی کو برا جانتا ہے اس کا ایمان انتہائی کمزور ہے۔ اس سے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں۔ لہٰذا جو شخص دل سے بھی برائی کو برا نہیں سمجھتا وہ مومن ہی نہیں۔ سو، معلوم ہوا کہ ایمان کبھی مضبوط ہوتا ہے، کبھی کمزور ہوتا ہے اور کبھی مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے:

((وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْإِیْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔))

”اس سے نیچے رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہوتا۔“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کم ہوتے ہوتے کبھی انتہائی کمزور درجے تک پہنچ

[1]مسند احمد (۱۸/۴۲) (۱۱۴۶۰)، مسلم (۴۹)، ابوداؤد (۱۱۴۰، ۴۳۴۰)، ابن ماجہ (۱۲۷۵)، ترمذی (۲۱۷۲)، نسائی (۸/۱۱۲-۱۱۱)۔ راوی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

جاتا ہے۔ اس کی ایک دلیل درج ذیل فرمان خداوندی بھی ہے:

﴿وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ط هُمْ لِلْكُفْرِ یَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ ط یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ ﴾ (آل عمران:۱۶۷)

''اور تا کہ وہ ان لوگوں کو جان لے جنھوں نے منافقت کی اور جن سے کہا گیا: آؤ اللہ کے راستے میں لڑو، یا مدافعت کرو تو انھوں نے کہا: اگر ہم کوئی لڑائی معلوم کرتے تو ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔ وہ اس دن اپنے ایمان (کے قریب ہونے) کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔'' یعنی ان کے دلوں میں ایمان انتہائی کمزور ہو گیا حتیٰ کہ وہ کفر کے زیادہ قریب ہوگئے۔ ان کے دلوں میں ایمان انتہائی تھوڑا رہ گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ بعض اوقات ایمان اس قدر کمزور ہو جاتا ہے کہ انسان کفر کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح حدیث شفاعت میں بھی ہے کہ:

((إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَلَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ: أَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ أَدْنٰى مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنَ الْإِيْمَانِ۔))

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جس شخص کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہے اسے جہنم سے نکال لو۔''[1]

یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کمزور ہو کر بعض اوقات رائی کے دانے کے برابر رہ جاتا ہے جو کہ انتہائی چھوٹی چیز ہے۔ اس قدر ایمان انسان کو قیامت کے دن

[1]یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ مسند احمد (۱۸/۹۱) (۱۱۵۳۳)، بخاری (۲۲)، مسلم (۱۸۴)۔

جہنم سے نکالنے کا سبب بن جائے گا۔ اور یہ ایمان کی فضیلت کی دلیل ہے کہ اس قدر ایمان رکھنے والا بھی ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ اور بلاشبہ لوگوں کے ایمان برابر نہیں ہیں۔ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان تمام لوگوں کے ایمان کے برابر ہو، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان اور ایک فاسق مسلمان کا ایمان برابر ہوں۔

مُرجئہ کے نزدیک ایمان تصدیق کا نام ہے۔ اس کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور اس میں درجات نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان اور ایک فاسق ترین شخص کا ایمان برابر ہے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ مُرجئہ کے خلاف اہل سنت والجماعت سلفی اہل حق کا مؤقف یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ایمان برابر درجے کا نہیں ہوتا۔ اس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ کبھی مضبوطی اور کبھی کمزوری آتی ہے۔ کبھی کامل اور کبھی ناقص ہوتا ہے۔ مُرجئہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ''اِرجاء'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے تاخیر۔ مُرجئہ چونکہ عمل کو ایمان سے مؤخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان محض تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ اہل ایمان اصل ایمان میں برابر ہیں، ان میں درجہ بندی نہیں۔ اس لیے ان کو مرجئہ کہا جاتا ہے۔ مُرجئہ کے باہم بھی بہت سے فرقے ہیں اور ہر فرقہ کے اقوال مختلف ہیں۔

پہلا قول:

یہ ہے کہ ایمان محض قلبی معرفت کا نام ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنے پروردگار کو پہچانتا ہے وہ مومن ہے۔ یہ جہمیہ کا قول ہے۔ اس قول کے مطابق ابلیس (شیطان) بھی مومن ہے۔ کیونکہ وہ اپنے رب کو پہچانتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ (الحجر:۳۹)

"اس نے کہا اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔" ان کے نزدیک فرعون اور باقی تمام کافر بھی مومن ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے رب کو پہچانتے تھے لیکن محض تکبر اور عناد کی وجہ سے ظاہری طور پر انکار کرتے تھے۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے پروردگار کو نہ پہچانتا ہو۔ یہ بدترین قول ہے۔ اس قول کے مطابق ان کے نزدیک روئے زمین پر ایک بھی کافر نہیں۔

دوسرا قول:

یہ ہے کہ محض معرفت قلبی کافی نہیں بلکہ ایمان کے لیے تصدیق قلبی بھی ضروری ہے۔ یہ اشاعرہ کا قول ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دل سے تصدیق تو کافر بھی کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾ (الانعام:۳۳)

"بے شک ہم جانتے ہیں کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ یقیناً تجھے وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں۔ چنانچہ بلاشبہ وہ تجھے نہیں جھٹلاتے اور لیکن وہ ظالم اللہ کی آیات ہی کا انکار کرتے ہیں۔"

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (النمل:۱۴)

"اور انھوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا۔ حالانکہ ان کے دل ان کا اچھی طرح یقین کر چکے تھے۔ پس دیکھ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔" الغرض کفار بھی دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے۔ لیکن محض تکبر، عناد، لوگوں میں اپنے جھوٹے مرتبے کی حفاظت کے لیے اور اپنے باطل ادیان کی حمیت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ ابوطالب نے اپنی وفات کے وقت کہا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کی وفات کے وقت توحید کے اقرار کی دعوت دی تھی۔ اس کے پاس موجود کفار کی ایک جماعت نے اسے کہا: "کیا تو عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ رہا ہے۔ وہ بے جا حمیت کا شکار ہو گیا اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ کہا: "میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں۔" اور اسی حالت میں مر گیا۔ حالانکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب پہچانتا تھا۔[1]

لہٰذا وہ اپنے اشعار میں کہتا ہے:

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِأَنَّ دِينَ مُحَمَّدٍ

مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيّةِ دِيْنًا

لَوْلَا الْمُلَامَةُ أَوْ حذَارُ مَسَبَّةٍ

لَوَجَدْتَنِيْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِيْنًا

"یقینا میں جان چکا ہوں کہ بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین کائنات کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔ اگر مجھے ملامت یا طعنوں کا ڈر نہ ہوتا تو تم مجھے کھلم کھلا اس کی حمایت کرتے ہوئے پاتے۔" اسے قبول اسلام سے صرف ملامت اور لوگوں کے طعنوں کے خوف نے روکے رکھا اور اس کی جاہلی حمیت نے اس کو کفر پر قائم رہنے پر مجبور کیا۔ حالانکہ وہ پہچانتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن اس کے باوجود حالت کفر میں مرا۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے استغفار کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ (التوبہ:۱۱۳)

"اس نبی اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، کبھی جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ قرابت دار ہوں، اس کے بعد کہ ان کے لیے صاف ظاہر ہو گیا کہ یقیناوہ جہنمی ہیں۔"

[1]مسند احمد (۳۹/۷۸) (۲۳۶۷۴)۔ بخاری (۱۳۶۰، ۳۸۸۴، ۴۶۷۵)۔ مسلم (۲۴) راوی مسیب بن حزن ہیں۔ رضی اللہ عنہ

لہٰذا ایمان محض دل کی تصدیق کا نام نہیں۔ کیونکہ بہت سے کفار دل سے تو تصدیق کرتے ہیں لیکن تکبر اور عناد کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

تیسرا قول:

یہ ہے کہ ایمان محض تصدیق قلبی اور زبان سے اقرار کا نام ہے۔ یہ فقہاء مُرجئہ اور احناف کا قول ہے۔ وہ کہتے ہیں: "ایمان زبان سے اقرار اور دل میں یقین رکھنے کا نام ہے۔" گویا یہ اعمال کو ایمان کا حصہ نہیں مانتے۔

چوتھا قول:

یہ ہے کہ ایمان محض زبان سے اقرار کا نام ہے۔ یہ کرامیہ کا قول ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ منافق بھی مومن ہیں۔ کیونکہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ ایمان کے بارے میں مُرجئہ کے مختلف فرقوں کے اقوال ہیں جو سب کے سب غلط اور گمراہی پر مبنی ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا قول:

صحیح قول وہ ہے جو اہل سنت والجماعت سلفی اہل حق اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ایمان زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ہے۔ یہ نیکیوں سے بڑھتا اور گناہوں سے کم ہوتا ہے۔

*****

قَالَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ: ﴿وَمَا أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ.﴾ (۱) فَجَعَلَ عِبَادَةَ اللّٰهِ، وَإِخْلَاصَ الْقَلْبِ وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ كُلَّهُ مِنَ الدِّيْنِ۔

ترجمہ…: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں، ابراہیم حنیف کے دین پر۔ اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت، اخلاص قلب، اقامت نماز، ادائیگی زکوٰۃ سب کو دین کے حصے قرار دیا ہے۔

تشریح…: (۱) ایمان قول، اعتقاد اور عمل کا نام ہے، نیکیوں سے بڑھتا اور گناہوں سے کم ہوتا ہے۔ اس کی ایک دلیل درج ذیل فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوْٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ.﴾ (البینہ:۵)

''انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں۔ اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں، ابراہیم حنیف کے دین پر۔ اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔ یہی ہے دین سیدھی ملت کا۔'' یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان قول، عمل اور اعتقاد کا نام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں چیزوں کو مضبوط دین کہا ہے اور دین اور ایمان ہم معنی ہیں۔ دِیْنُ الْقَیِّمَہ سے مراد مضبوط دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت مبارکہ میں اپنی عبادت، اپنے لیے اخلاص، اقامت نماز اور ادائیگی زکوٰۃ کو دین کہا ہے۔ حالانکہ ان میں بعض چیزیں عقیدہ سے تعلق رکھتی ہیں، بعض اقرار سے اور بعض عمل سے۔ *****

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلي لله عليه وسلم ''اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً، أَعْلَاهَا شَهَادَةُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ۔'' (۱) فَجَعَلَ الْقَوْلَ وَالْعَمَلَ مِنَ الْإِيْمَانِ۔

ترجمہ...: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں جن میں سے بلند ترین لا الہ الا اللہ کی گواہی اور سب سے نچلی شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول وعمل کو ایمان قرار دیا ہے۔

تشریح...: (۱) ایمان کی گذشتہ تعریف کی ایک دلیل یہ حدیث مبارکہ بھی ہے۔

((اَلْإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً : أَعْلَاهَا: قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ۔))

''ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں۔ ان میں سے سب سے بلند مرتبہ لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے۔ اور سب سے کم درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔''[1]

اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول، عمل اور اعتقاد کو ایمان کا نام دیا ہے کیونکہ لا الہ الا اللہ کہنا قول ہے۔ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا عمل اور حیاء اعتقاد ہے۔ حیاء کو ایمان کی شاخ اس لیے کہا کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہے اور ایمان بھی قلبی اعمال میں سے ہے۔ یہ حدیث اہل سنت والجماعت سلفی اہل حق کے قول کی دلیل ہے کہ ایمان: قول، عمل اور اعتقاد سے مرکب ہے۔ اور اس حدیث میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ایمان کا ایک اعلیٰ مرتبہ بھی ہے اور ادنیٰ مرتبہ بھی، جو ایمان کی کمی وبیشی کی دلیل ہے۔

* * * * *

وَقَالَ تَعَالَىٰ: ﴿فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (التوبة:۱۲۴) (۱) وقال: ﴿لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا﴾ (الفتح:۴)

(۲) ترجمہ...: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔'' نیز فرمایا: تاکہ ان کا ایمان بڑھ جائے۔''

تشریح...: (۱) یہ آیت مبارکہ ایمان میں اضافے کی دلیل ہے۔ اس میں مُرجئہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان ایک ہی حالت میں رہتا ہے۔ جبکہ درست بات یہ ہے کہ اس میں فرق آتا رہتا ہے۔ اس میں کمی وبیشی ہوتی ہے اور ﴿فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ کے الفاظ اس مسئلہ میں

[1] اس کی تخریج پیچھے گزر چکی ہے۔

بالکل واضح ہیں کہ قرآن کے نزول، اس کی سماعت اور اس پر عمل کرنے کی وجہ سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۴)۔۔۔ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا. ﴾ (الفتح:۴)

''وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی، تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں زیادہ ہو جائیں۔ اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔'' یہ آیت حدیبیہ کے واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جب مومنین کی آزمائش کی گئی تھی۔ کفار نے انہیں مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر سکینت نازل فرمائی۔ انہوں نے اللہ ورسول کے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی کفار کے ساتھ صلح کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ صلح نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ مکہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ لیکن اللہ ورسول کے حکم کے آگے جھک گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو مسلمانوں کے لیے مفید اور کفار کے لیے باعث ذلت بنا دیا اور اس کے اچھے نتائج نکلے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ بندی ہو گئی۔ مسلمانوں کو موقع مل گیا۔ جو مدینہ کی طرف ہجرت کرنا چاہتا تھا یا مسلمان ہونا چاہتا تھا وہ بغیر کسی رکاوٹ کے اس میں کامیاب ہو گئے۔ اور صلح کی وجہ سے کسی نے ان کو نہ روکا۔ بالآخر مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی۔ مکہ مکرمہ فتح ہو کر اسلامی مملکت میں داخل ہو گیا اور کفار کا غلبہ ختم ہو گیا۔ یہ تمام اس عظیم صلح کے فوائد وثمرات تھے جسے مسلمان ناپسند کرتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے انجام کار مسلمانوں کے لیے بہتر بنا دیا۔ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سکون بخشا اور انہوں نے اپنی بہادری کی وجہ سے کوئی مخالفت یا من مانی نہیں کی۔ اگرچہ ان میں سے اکثر مسلمانوں کی ذلت سمجھتے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اسے مسلمانوں کے لیے باعث عزت بنائے گا اور اس کے نتائج مسلمانوں کے حق میں بہتر نکلیں گے۔ اس آیت میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک جاتا ہے اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

*****

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلي لله عليه وسلم ''يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَفِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ بُرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ أَوْ ذُرَّةٍ مِنَ الْإِيْمَانِ۔'' فَجَعَلَهُ مُتَفَاضِلًا۔'' (۱)

ترجمہ۔۔۔: اور رسول اللہ کا فرمان ہے: ''آگ سے ہر وہ شخص نکل جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو گا، خواہ اس کے دل میں گندم، جو یا ریت کے ذرے کے برابر بھی ایمان ہوا۔'' گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بڑھنے والا بتایا ہے۔ تشریح۔۔۔: (۱) اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ: جس شخص نے یقین قلب کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہا ہو گا اسے قیامت کے دن آگ سے نکال لیا جائے گا چاہے اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو۔ بشرطیکہ وہ اس کلمے کے معنی پر یقین رکھنے والا ہو۔ ایسا نہیں کہ وہ اس کا زبان سے اقرار تو کرے مگر اس کے معنی پر یقین قلب نہ ہو۔ جیسے منافقین، کہ یہ کلمہ ان کے لیے نافع نہ ہو گا۔ اس حدیث میں ان کا ردّ بھی ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کا نام

ہے۔ اور اس حدیث میں ان لوگوں کا بھی رڈ ہے جو یہ رائے رکھتے ہیں کہ: ایمان صرف تصدیق قلب کا نام ہے۔ اور یہ کہ ایمان ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہتا ہے، نہ بڑھتا ہے اور نہ ہی کم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائیں گے:

((اِنْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ، فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ، مِنَ النَّارِ، مِنَ النَّارِ، فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ۔))[1]

(اللہ عزوجل کے سامنے چوتھی بار سجدہ ریز ہونے کے بعد ربّ العالمین فرمائیں گے: اے میرے محبوب نبی محمد!) جاؤ اور جس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے کم سے کم سے تر حصہ کے برابر بھی ایمان ہو، اسے جہنم سے نکال لو۔ جہنم کی آگ سے اسے نکال لو۔" چنانچہ میں جاؤں گا اور ایسے لوگوں کو نکال لوں گا۔ تو، اس حدیث مبارک سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ؛ ایمان گھٹتے گھٹتے کبھی رائی کے دانہ سے بھی کم تر کم حصے تک چلا جاتا ہے۔ مگر اللہ عزوجل کے ہاں اس کی بھی قدر و قیمت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) اس حدیث سے یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ؛ اسی کا نام ضعیف ایمان ہے۔ لیکن جب یہ کمزور تر ایمان قول "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے اور اس کلمہ مبارکہ کے معنی والے عقیدہ کے ساتھ تو پھر یہ اس مومن، مسلمان آدمی کو نفع دیتا ہے۔ اسے جہنم میں چلے جانے کے باوجود اس سے نکلوا لیتا ہے۔ اس لیے کہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ ربّ العالمین کے ساتھ شرک و کفر کرنے والے ہی رہیں گے۔ جہاں تک اہل ایمان کا تعلق ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں نہیں رہیں گے، اگرچہ ان کا ایمان نہایت کمزور ہو اور اگرچہ انہیں بعض گناہوں کی سزا کے لیے جہنم میں داخل ہی کیوں نہ کیا جائے گا۔ بلکہ وہ اپنے ایمان کے سبب اس سے باہر نکل آئیں گے۔

*****

[1]صحیح البخاری: ۷۵۱۰۔ صحیح مسلم: ۱۹۳/ ۳۲۶۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

ایمان بالغیب کا بیان

ایمان کی تعریف اور اہل سنت کے نزدیک تعریف ایمان بیان کرنے کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے اس کے دلائل ذکر کیے۔ اب وہ بتا رہے ہیں کہ ایمان کی ایک قسم ایمان بالغیب بھی ہے۔ ایمان بالغیب سے مراد ماضی یا مستقبل کے وہ معاملات ہیں جن کا لوگوں نے مشاہدہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ یا تو وہ گزر چکے ہیں یا ایسے معاملات ہیں جو صحیح احادیث میں بیان ہوئے ہیں لیکن ابھی رونما نہیں ہوئے۔ ان دونوں قسم کی باتوں میں عقل کا کوئی دخل نہیں بلکہ ان میں محض نقل پر ہی اعتماد کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نقل کردہ سچی خبریں ہیں۔

چنانچہ ماضی یا مستقبل کے جن غیبی معاملات کی اللہ ربّ العالمین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے ان سب پر ایمان لانا اور اپنی عقل و فہم کو ان میں دخل دیے بغیر ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ ایسی چیزیں ہیں جو ہماری عقل و فکر سے بالاتر ہیں۔ ان کی بنیاد محض اللہ

ورسل کی خبر کی تصدیق وتسلیم پر ہے۔ اصل ایمان تو ہے ہی ایمان بالغیب۔ ظاہری باتوں کو ماننا تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے ایمان کہا جاتا ہے یعنی جو چیز مشاہدہ میں آجائے اور دکھائی دے اس کو تو ہر کوئی مان لیتا ہے۔ لہٰذا یہ کوئی ایمان نہیں ہے۔ اسی لیے جب قیامت آجائے گی تو اس وقت کسی کا ایمان لانا قابل قبول نہ ہوگا۔ یا جب موت کا وقت آجاتا ہے اور انسان ان غیبی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے جو اسے بتائی جاتی تھیں تو اس وقت ایمان مقبول نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ۔))

"بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک موت کا غرغرہ نہ کرنا شروع کردے۔"[1]

یعنی جب تک اس کی روح حلق تک نہ آجائے۔ کیونکہ جب روح حلق تک آجاتی ہے اور انسان ان چیزوں کا مشاہدہ کرلیتا ہے جو اسے بتائی جاتی تھیں تو ایمان وعمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

﴿لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴾ (ق:۲۲)

"بلاشبہ یقینا تو اس سے بڑی غفلت میں تھا۔ سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ دور کردیا، تو تیری نگاہ آج بہت تیز ہے۔" اس آیت مبارکہ میں بندے کو بتایا گیا ہے کہ جب اس کی روح قبض کی جائے گی اور وہ ان چیزوں کو دیکھ لے گا جن کے بارے میں اسے زندگی میں بتایا جاتا تھا تو اس وقت ایمان لانا اس کے لیے نفع بخش نہیں ہوگا۔

اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ج يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾ (الانعام:۱۵۸)

"وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں۔ یا تیرا رب آئے، یا تیرے رب کی کوئی نشانی آئے، جس دن تیرے رب کی کوئی نشانی آئے گی کسی شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہ دے گا، جو اس سے پہلے ایمان نہ

[1] جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کے راوی ہیں۔ مسند احمد (۱۰/۳۰۰)، ترمذی (۳۵۳۷) امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

لایا تھا۔ یا اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کمائی تھی۔ کہہ دے انتظار کرو، بے شک ہم (بھی) منتظر ہیں۔" اس سے مراد وہ دن ہے جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا اور جو شخص اس وقت ایمان لائے گا یا توبہ کرے گا تو اس کا ایمان اور توبہ قبول نہیں کیے جائیں گے۔ کیونکہ اس وقت ایمان لانا حسی اور مشاہداتی چیز پر ایمان کہلائے گا نہ کہ ایمان بالغیب۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلۡ كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ وَ لَمَّا يَاۡتِهِمۡ تَاۡوِيۡلُهٗ ط كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيۡنَ.﴾ (یونس:۳۹)

"بلکہ انھوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا جس کے علم کا انھوں نے احاطہ نہیں کیا۔ حالانکہ اس کی اصل حقیقت ابھی ان کے پاس نہیں آئی تھی۔ اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے۔ سو دیکھ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ. الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ وَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ.﴾ (البقرہ:۲تا۳)

"یہ کتاب، اس میں کوئی شک نہیں، بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔ وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے اور اس میں سے، جو ہم نے انھیں دیا ہے، خرچ کرتے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ متقین کی سب سے پہلی صفت ایمان بالغیب ہے۔ یعنی وہ باتیں جن کا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا لیکن صادق ومصدوق کی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر اسی طرح ایمان لائے جیسا کہ انہوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہو۔ کیونکہ وہ اللہ ربّ العالمین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ غیبی اور مستقبل کے معاملات میں عقل وفکر پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ غیب وحاضر کو جاننے والی ذات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت شدہ باتوں پر اعتماد کیا جائے جو اپنی مرضی سے بات نہیں کرتا تھا بلکہ وحی کی بنیاد پر بولتا تھا۔ ماضی کی بہت سی باتوں کی خبریں بھی اس میں داخل ہیں۔ مثلاً آدم وملائکہ کا واقعہ، اقوام نوح وابراہیم، اصحاب مدین، عاد وثمود اور دیگر گزشتہ امتوں کے واقعات۔ ان سب کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے، اس لیے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ یہ ماضی کے غیبی امور ہیں۔ مستقبل کے غیبی امور کا بھی یہی معاملہ ہے۔ مثلاً علامات قیامت، قیامت سے پہلے کیا ہوگا؟ آخری زمانہ میں کیا ہوگا؟ اسی طرح قبر کے عذاب اور اس کی نعمتوں سے متعلق خبریں، قیامت کے دن اور اس میں پیش آنے والے واقعات پر ایمان، نئی زندگی اور دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان اور جنت وجہنم پر ایمان، یہ سب ایمان بالغیب میں داخل ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی ایمان بالغیب میں داخل ہے کیونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہوا نہیں بلکہ محض اس کی کائناتی اور قرآنی آیات اور اس کے پیغمبروں کی باتوں پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر ایمان لائے ہیں۔ ہم سچی صحیح احادیث، واضح آیات اور شب وروز دکھائی دینے والی اس کی مخلوقات اور اس کی بادشاہی جیسے قطعی دلائل پر اعتماد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ذات، اسماء وصفات اور اس کی عبادت کی فرضیت پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس کائنات کا ازخود وجود میں آجانا یا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا اس کو پیدا کرنا ناممکن ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَيۡرِ شَيۡءٍ اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ. اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بَل لَا يُوۡقِنُوۡنَ.﴾ (الطور:۳۵تا۳۶)

"یا وہ کسی چیز کے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں۔ یا وہ (خود) پیدا کرنے والے ہیں؟ یا انھوں نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین نہیں کرتے۔"

کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے ایک ذرہ، گندم یا جو کا دانہ یا آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز پیدا کی ہے؟ کفار میں سے بھی کسی نے باوجود اپنے شدید کفر اور عناد کے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ وہ یہ دعویٰ کر ہی نہیں سکتے تھے کہ انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ط بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا،﴾ (الفاطر: ۴۰)

"مجھے دکھاؤ زمین میں سے انھوں نے کون سی چیز پیدا کی ہے۔ یا آسمانوں میں ان کا کوئی حصہ ہے۔ یا ہم نے انھیں کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اس کی کسی دلیل پر قائم ہیں؟ بلکہ ظالم لوگ، ان کے بعض بعض کو دھوکے کے سوا کچھ وعدہ نہیں دیتے۔" گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج کرتے ہوئے فرمایا: یہ جن کی تم اللہ ربّ العالمین کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے؟ تو ان میں سے کسی نے بھی دعویٰ نہیں کیا کہ اس کے معبود نے کوئی چیز پیدا کی ہے۔ کیونکہ یہ دعویٰ کرنا کسی کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ تمام آسمانوں، زمینوں، جنوں اور انسانوں کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ وہ ہی پیدا کرتا ہے اور کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر اس کی تخلیق کے سلسلے میں اعتراض نہیں کرتا کہ وہ یوں کہے: اس چیز کو فلاں نے پیدا کیا ہے، اس چیز کو فلاں نے پیدا کیا ہے۔ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چیلنج کرتے ہوئے فرمایا: اس دعوے پر اپنے دلائل پیش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے۔

﴿قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ ج قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ط قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ط اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ط قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ،﴾ (الرعد: ۱۶)

"کہہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دے اللہ۔ کہہ پھر کیا تم نے اس کے سوا کچھ کارساز بنا رکھے ہیں جو اپنی جانوں کے لیے نہ کسی نفع کے مالک ہیں اور نہ نقصان کے؟ کہہ دے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتے ہیں؟ یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہوتے ہیں؟ یا انھوں نے اللہ کے لیے کچھ شریک بنا لیے ہیں جنھوں نے اس کے پیدا کرنے کی طرح پیدا کیا ہے، تو پیدائش ان پر گڈمڈ ہو گئی ہے؟ کہہ دے اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ایک ہے، نہایت زبردست ہے۔" اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور وہی پیدا کرتا ہے۔ کوئی اس دعوے پر اعتراض نہیں کرتا، نہ ہی کوئی کسی چیز کی تخلیق پر قادر ہے۔ بلکہ عقل اس کو تسلیم کرتی ہے۔ کوئی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی خالق ہے۔ لہٰذا تنہا اللہ تعالیٰ ہی خالق کائنات ہیں اور کائنات کے تمام لوگ خواہ وہ کافر ہوں یا مومن اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ خالق صرف اللہ ہی ہے۔

﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ،﴾ (لقمان: ۲۵)

"اور بلاشبہ اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو ضرور ہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ کہہ دے سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔"

نیز فرمایا:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ج فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ (الزخرف:۸۷)

"اور یقیناً اگر تو ان سے پوچھے کہ انھیں کس نے پیدا کیا تو بلاشبہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر کہاں بہکائے جاتے ہیں۔" جب خالق اللہ تعالیٰ ہے تو حکم بھی اسی کا چلتا ہے۔ وہی احکام دیتا ہے، قوانین بناتا اور کسی کام سے منع کر سکتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ غیب کی ان تمام باتوں میں عقل وفہم کا کوئی دخل نہیں اور نہ ہی کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے بغیر ان میں سے کسی بات کا اقرار یا انکار کر سکتا ہے۔

*****

ويَجِبُ الْإِيْمَانُ بِكُلِّ مَا أَخْبَرَ بِهِ النَّبِيُّ صلي لله عليه وسلم (۱)؛ صَحَّ بِهِ النَّقْلُ عَنْهُ (۲) فِيْمَا شَاهَدْنَاهُ أَوْ غَابَ عَنَّا. نَعْلَمُ أَنَّهُ حَقٌّ وَّصِدْقٌ، وَسِوَاءٌ فِيْ ذٰلِكَ مَا عَقَلْنَاهُ أَوْ جَهِلْنَاهُ، وَلَمْ نَطَّلِعْ عَلَى حَقِيْقَةِ مَعْنَاهُ۔ (۳)

ترجمہ...: ہر اس بات پر ایمان لانا واجب ہے جس کی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، آپ سے صحیح سند سے منقول ہو۔ خواہ وہ ان معاملات کے متعلق ہو جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں یا ان کے متعلق جو ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ہم اسے حق اور سچ جانتے ہیں۔ برابر ہے کہ ہمیں اس کی سمجھ آئے یا ہم اس سے جہالت میں ہوں اور ہمیں اس کی حقیقی علت سمجھ نہ آئے۔

تشریح...: (۱) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا تمام احادیث کے انکار کے مترادف ہے۔ لہٰذا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں پر ایمان لاتے ہیں خواہ وہ ہماری عقل کے دائرے میں آئیں یا نہ آئیں۔ ہماری عقلوں کی اس معاملہ میں کوئی حیثیت نہیں، کیونکہ وہ تمام چیزوں کو جاننے سے عاجز ہیں۔ تمام اشیاء کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

(۲)... چنانچہ جب کوئی حدیث صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو خواہ وہ غیبی امور کے متعلق ہی ہو اس پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا واجب ہے۔ اور اگر کسی حدیث کی سند صحیح نہ ہو تو اس پر ایمان لانا ہم سے مطلوب ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ائمہ محدثین کے نزدیک (کسی بات پر ایمان لانے کے لیے) اس کی سند کا صحیح ہونا لازمی ہے۔ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس میں نکتہ چینی کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں۔

(۳)... یعنی جس چیز کا ہم نے مشاہدہ کیا ہو اور جس کا مشاہدہ نہ کیا ہو ان میں کوئی فرق نہیں۔ اور ہر دو پر اسی طرح ایمان لانا واجب ہے گویا کہ ہم نے اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں آپ کو اس صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے جو اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ لہٰذا اسے

ایسے ہی سمجھیں جیسے آپ نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہو، خواہ کوئی بات ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ عقل کی اس میں کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ غیبی معاملات کو عقل نہیں سمجھ سکتی۔ مثلاً انسانی عقل عذاب قبر کا تصور نہیں کر سکتی کہ یہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جاتی ہے۔ اسی لیے بعض لوگ کہتے ہیں: میّت تو مٹی بن جاتی ہے اور اگر ہم قبر کھودیں تو ہمیں وہاں کوئی آگ یا باغ دکھائی نہیں دیتا۔ ہم کہتے ہیں: یہ دنیا کی طرح دکھائی دینے والی چیز نہیں بلکہ یہ تو آخرت کا جہان ہے جسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی آپ اسے محسوس کر سکتے ہیں۔ کسی چیز کے صحیح ہونے اور وجود کے لیے لازمی نہیں کہ وہ دکھائی بھی دے۔

بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو آپ دیکھ سکتے ہیں، نہ ان کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان کا ادراک کر سکتے ہیں۔ حالانکہ وہ موجود ہیں۔ مثلاً دو شخص ایک دوسرے کے قریب سو جائیں، ان میں سے ایک تو بڑی پر سکون اور میٹھی نیند سوئے اور دوسرے کو پراگندہ خواب دکھائی دیتے ہوں۔ وہ نیند میں بے چین اور پریشان ہوتا ہے۔ لیکن ان دونوں کو ایک دوسرے کا احساس نہیں ہوتا۔ حالانکہ وہ ایک دوسرے کے قریب لیٹے ہوئے ہیں۔

جب دنیا میں یہ ہو سکتا ہے تو آخرت کے معاملات میں کیوں نہیں ہو سکتا جن کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا؟ ایسے ہی مردوں کو سمجھ لیجئے کہ ان میں سے ایک دوسرے کے قریب ہوتا ہے لیکن وہ ایک دوسرے کی نعمتوں اور عذاب کو محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ ہر ایک کو صرف اپنی ہی حالت محسوس ہوتی ہے۔ یہ اس اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے آخرت کے امور کو مخفی رکھا ہے اور عذاب قبر بھی امور آخرت میں سے ہے۔ چنانچہ ہم اگرچہ عذاب قبر کو محسوس نہیں کرتے اور نہ ہی وہ ہمیں دکھائی دیتا ہے لیکن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے اسے ہم سے پوشیدہ رکھا ہے کیونکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

لَوْلَا أَلَّا تُدَافِنُوْا لَسَأَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ أَهْلِ الْقُبُوْرِ مَا أَسْمَعَنِيْ ۔ [1]

''اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں قبر والوں کا وہ عذاب سنا دے جو اس نے مجھے سنایا ہے۔'' چنانچہ میّت کو قبر میں مارا جاتا ہے تو اس کی چیخ و پکار کو جنوں اور انسانوں کے علاوہ ہر مخلوق سنتی ہے۔ اگر انسان اسے سن لے تو مر جائے۔ سو، ان امور کا ہم سے مخفی رہنا اللہ تعالیٰ کی ہم پر رحمت ہے کہ ہم اسے دیکھ اور سن نہیں سکتے۔ لہٰذا آخرت کے معاملات کو دنیا کے معاملات کی طرح نہیں سمجھنا چاہیے اور آخرت کے مراحل میں سے پہلا مرحلہ عذاب قبر کا ہے۔ یہی آخرت کی پہلی منزل ہے اور قبر میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ ایک غیبی جہان ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

*****

مِثْل حَدِیْثِ الْاِسْرَاءِ وَالْمِعْرَاجِ۔ (۱)

ترجمہ…: مثلاً اسراء اور معراج کی حدیث۔ تشریح…: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو غیب کی خبریں بتائی ہیں ان میں سے ایک اسراء اور معراج کا واقعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ،﴾ (الاسراء:۱)

''پاک ہے وہ (اللہ ربّ العالمین) جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو حرمت والی مسجد سے بہت دور کی اس مسجد تک لے گیا جس کے ارد گرد کو ہم نے بہت برکت دی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بلاشبہ وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

یعنی مکہ مکرمہ سے فلسطین کی مسجد اقصیٰ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گئے۔ مکہ اور فلسطین کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ اونٹ اس کو ایک ماہ میں طے کرتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی رات میں وہاں گئے اور اسی میں واپس بھی لوٹ آئے۔ (واقعہ یوں ہے کہ) نبی معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں سوئے ہوئے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام آئے۔ آپ کو براق پر سوار کیا اور بیت المقدس لے گئے (یاد رہے براق اس چوپائے کا نام ہے جس پر انبیاء سواری کرتے تھے اور اس کا قدم وہیں جا کر لگتا ہے جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کو نماز پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی روح اور جسم سمیت بیداری کی حالت میں نہ کہ نیند میں آسمان پر چڑھایا، لے جایا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ معراج کا تذکرہ سورۃ نجم کے شروع میں اور اسرا کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں ہے۔

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ﴾

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت سیر کروائی۔'' ''سَرٰیٗ'' کا لفظ عربی زبان میں ''رات کے وقت سفر کرنے'' پر بولا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسراء کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

﴿لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا﴾

''تاکہ ہم اس کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس رات نبی مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان اور زمین کی بادشاہی میں اپنی عجیب وغریب نشانیاں دکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت وجہنم اور ان میں موجود لوگوں کو دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے جو چاہی اپنی وحی کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو

فرمائی اور سات آسمانوں کے اوپر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر اتر آئے۔ اسی ایک رات میں مکہ واپس پہنچ گئے اور اگلے دن لوگوں کو سارا واقعہ بتلایا۔ یہ سن کر اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی آپ کی تصدیق کر چکے تھے اور ایمان کامل رکھتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کو جھوٹ نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لیے جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ کا ساتھی کہتا ہے؛ وہ رات کو بیت المقدس گیا تھا، آسمان پر چڑھا اور ایک ہی رات میں واپس بھی آ پہنچا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو ایسا ہی ہو گا۔ میں آسمانوں کی باتوں پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں تو کیا اس بات کی تصدیق نہیں کروں گا۔" لیکن کفار اور کمزور ایمان والے لوگوں نے اس واقعے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھٹھا کرنے کا بہانہ بنالیا اور کمزور ایمان والوں میں سے بعض مرتد ہو گئے۔ کفار کو اس پر بہت خوشی ہوئی۔

لیکن اسراء اور معراج حق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا امت محمدیہ کو عطا کردہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ چنانچہ اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ یہ سارے واقعات بیداری کی حالت میں پیش آئے نہ کہ نیند کی حالت میں۔ کیونکہ خواب کا تو کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔ کفار قریش بھی انکار نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا اگر یہ خواب ہوتا تو وہ بھی اس کا انکار نہ کرتے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ''اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ'' کے الفاظ فرمائے ہیں۔ ''عبد'' کا لفظ روح اور جسم کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔ نہ تو تنہا روح کو ''عبد'' کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی تنہا جسم کو۔

*****

وَكَانَ يَقْظَةً لَامَنَاماً (۱) فَإِنَّ قُرَيْشًا أَنْكَرَتْهُ وَاَكْبَرَتْهُ وَلَمْ تَكُنْ تُنْكِرُ الْمَنَامَاتِ۔ (۲) وَمِنْ ذَالِكَ: أَنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ لَمَّا جَاءَ إِلَي مُوْسَي عَلَيْهِ السَّلَامُ لِيَقْبِضَ رُوْحَهُ لَطَمَهُ فَفَقَأَ عَيْنُهُ فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ عَيْنَهُ۔ (۳)

ترجمہ...: یہ حالت بیداری میں ہوئی تھی نہ کہ حالت نیند میں۔ کیونکہ قریش نے اس کا انکار کیا اور اسے ناممکن جانا۔ جبکہ وہ نیند کی حالت (میں دیکھی ہوئی چیزوں) کا انکار نہیں کرتے تھے۔ ایسی احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت (موت کا فرشتہ) آپ علیہ السلام کی روح قبض کرنے آیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو تھپڑ مارا۔ اس کی آنکھ پھوٹ گئی اور وہ اپنے رب کی طرف لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ درست کر دی۔

تشریح...: (۱) اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر نیند کی حالت میں ہوتا تو قریش والے اس کا انکار نہ کرتے۔ کیونکہ خواب کا تو کوئی بھی انکار نہیں کرتا۔ تو ثابت ہوا کہ یہ خواب نہیں تھا۔ ہاں البتہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی حالت میں بھی یہ دیکھا تھا۔ لیکن یہ اسراء اور معراج کا موقعہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک اور واقعہ ہے۔

(۲)... کفار قریش خوابوں کا انکار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کفار و مومنین میں سے کوئی بھی خوابوں کا انکار نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔
(۱)... اور جن باتوں کی تصدیق کرنا واجب ہے ان میں سے ایک موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت کا قصہ بھی ہے۔ موسیٰ سے مراد موسیٰ بن عمران کلیم اللہ علیہ السلام ہیں۔ (واقعہ یوں ہے کہ)

آپ علیہ السلام کے پاس ملک الموت (آپ کی آزمائش کرنے کے لیے) انسانی شکل میں آیا اور آپ علیہ السلام کو بتایا کہ میں آپ کی روح قبض کرنے والا ہوں۔ جناب موسیٰ علیہ السلام نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا (کیونکہ آپ بہت غیرت مند تھے)۔ اس سے ملک الموت کی آنکھ پھوٹ گئی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور کہا۔ اے اللہ! تو نے مجھے ایک ایسے بندے کے پاس بھیج دیا جو مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ کو ٹھیک کر دیا اور اُس سے فرمایا:

((اِذْہَبْ إِلَیْہِ، فَقُلْ لَہُ یَضَعُ یَدَہٗ عَلٰی جِلْدِ ثَوْرٍ، فَمَا أَصَابَتْ مِنْ جِلْدِ الثَّوْرِ، فَلَہٗ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ سَنَۃٌ یَعِیْشُھَا۔))

''اس کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ وہ اپنا ہاتھ کسی بیل کی جلد پر رکھیں۔ بیل کی جلد کے جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں، ہر بال کے بدلے ان کی زندگی ایک سال مزید بڑھ جائے گی۔'' ملک الموت دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان کہہ سنایا تو موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: وَبَعْدَ ذالک؟ ''اس کے بعد کیا ہوگا'۔' ملک الموت نے کہا: موت۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: اِذَنْ اَلْاٰنَ یَا رَبِّ ''تو پھر اے میرے پروردگار ابھی (قبول) ہے۔''[1]

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر بالآخر مرنا ہی ہے تو اے پروردگار میں ابھی مرنے کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ ملک الموت نے آپ علیہ السلام کی روح قبض کرلی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے ایسا اس لیے کیا کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ ملک الموت ہے۔ جب انہیں علم ہوگیا کہ وہ ملک الموت اور اللہ کا فرستادہ ہے تو آپ نے اس کی بات مان لی۔

[1] امام احمد رحمہ اللہ نے اسے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے (۱۴/۲۶۴-۲۶۵) (۸۶۱۶) اس حدیث کے تمام رواۃ ثقہ اور صحیح بخاری کے رواۃ ہیں سوائے ابن لہیعہ کے۔ لیکن مسند احمد میں یہ حدیث صحیح سند سے بھی مروی ہے (۱۳/۸۴) (۸۶۴۶)، بخاری (۱۳۳۹، ۳۴۰۷)، مسلم (۲۳۷۲/۱۵۷) انہوں نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی بیان کی ہے۔

وَمِنْ ذَالِکَ اَشْرَاطُ السَّاعَۃِ۔ (۱)

ترجمہ...: انہی (امور غیبیہ) میں سے علامات قیامت بھی ہیں۔ تشریح...: (۱) مستقبل کی وہ غیبی خبریں جن پر ایمان لانا واجب ہے علامات قیامت بھی انہیں میں سے ہیں۔ أشراط: یہ ''شَرْطٌ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے۔ علامت جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ط فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ،﴾ (محمد:۱۸)

"تو وہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے قیامت کے کہ وہ ان پر اچانک آجائے۔ پس یقیناً اس کی نشانیاں آچکیں۔ پھر ان کے لیے ان کی نصیحت کیسے ممکن ہو گی، جب وہ ان کے پاس آجائے گی۔" یعنی قیامت کے قائم ہونے کی علامات آچکی ہیں اور اس کا وقوع بہت قریب ہے۔ جب یہ قائم ہو جائے گی تو اس وقت ان کے لیے ایمان لانے اور تصدیق کا کوئی راستہ نہیں رہے گا اور نہ ہی ان کی توبہ قبول ہو گی۔ قیامت کی بہت سی علامات ہیں۔ ان میں سے بعض ابتدائی، بعض درمیانی اور بعض آخری دور کی ہیں۔ ابتدائی علامات تو پوری ہو چکی ہیں۔ ان میں سے ایک نبی معظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے۔ کیونکہ آپ قیامت (کے قریب مبعوث ہونے والے) نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔))

"مجھے قیامت کے ساتھ اس طرح مبعوث کیا گیا ہے جیسے یہ دو (انگلیاں) ہیں۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔[1]

[1]مسند احمد (۱۹/۲۷۱) (۱۲۲۴۵)۔ بخاری (۶۵۰۴)۔ مسلم (۲۹۵۱)، ترمذی (۲۲۱۴) راوی انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی الساعۃ ہیں۔ یعنی آپ کے بعد قیام قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مسلمانوں کو حاصل ہونے والی فتوحات، اسلام کا پھیلاؤ، اس کی کامیابی، لوگوں کے درمیان فتنوں اور جنگوں کا ظہور اور خونریزی، یہ سب قیامت کی علامات ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خبر دی ہے۔

علامات متوسطہ:

ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے عجائبات پے درپے رونما ہو رہے ہیں اور ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں جو مسلسل جدت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ نئے نئے عجائبات ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ یہ نئی نئی ایجادات، تیز ترین ذرائع مواصلات اور ممالک کا ایک دوسرے کے قریب ہو جانا یہ سب علامات قیامت ہی تو ہیں جو ظاہر ہو چکی ہیں۔

آخری علامات:

پھر آخری زمانے میں دس علامات پے درپے ظاہر ہوں گی۔

پہلی علامت:

امام مہدی رحمہ اللہ کا خروج ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل بیت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کا نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح محمد بن عبد اللہ ہو گا۔ وہ اسلام کو پھیلائیں گے اور عدل کو عام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے دین اسلام کی مدد

فرمائیں گے۔ زمین اس طرح عدل سے بھر جائے گی جیسے پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی۔ پھر انہی کے زمانے میں مسیح دجال کذاب نکلے گا، جو بھینگا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ایک حکمت کے تحت اس کے ہاتھوں سے بہت بڑا فتنہ ظاہر کروائیں۔

(۲)... پھر دجال کے آخری زمانے میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ دجال کو قتل کریں گے اور اسلامی حکومت قائم کریں گے۔ یعنی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلے کریں گے۔ آپ ایک عرصہ تک زندہ رہیں گے پھر جب ان کی موت کا وقت جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے آپہنچے گا تو وہ فوت ہو جائیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ اَہْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ،﴾ (النساء :۱۵۹)

"اور اہل کتاب میں کوئی نہیں مگر اس کی موت سے پہلے اس پر ضرور ایمان لائے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہو گا۔" یعنی تمام اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ آخری زمانے میں فوت ہوں گے اور آپ علیہ السلام کو باقی انبیاء کی طرح دفن کیا جائے گا۔

(۳)... پھر یاجوج وماجوج کا خروج ہو گا۔ یہ انسانوں میں سے ہی دو قبیلے ہوں گے۔ یہ بہت فتنہ پرور، خونریزی کرنے والے اور اہل ایمان کو تنگ کرنے والے ہوں گے۔

(۴)... پھر سورج مغرب سے طلوع ہو گا اور یہ بڑی علامات میں سے آخری علامت ہے۔ لہٰذا جب سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا تو ایمان اور توبہ کی قبولیت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

(۵)... پھر عدن کی گھاٹی سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو شام کی طرف جمع کر دے گی۔ وہ جہاں رات گزاریں گے یہ بھی ان کے ساتھ ٹھہرے گی۔ جہاں وہ دن کو آرام کریں گے یہ بھی وہیں رکی رہے گی حتیٰ کہ انہیں میدان محشر میں پہنچا دے گی۔

*****

مِثْلَ خُرُوْجِ الدَّجَّالِ (۱) وَنُزُوْلِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ علیہا الصّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فَيَقْتُلَهُ۔

ترجمہ...: مثلاً دجال کا نکلنا، عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول اور دجال کو قتل کرنا۔

تشریح...: (۱) دجال دجل سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے جھوٹ۔ چونکہ دجال بہت زیادہ

جھوٹا ہوگا، اس لیے اس کو دجال کہتے ہیں۔ اور اس کو مسیح اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ زمین میں بہت تیزی سے چلے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو مسیح اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بھینگا ہوگا۔ اس کی ایک آنکھ (مٹی ہوئی) خراب ہوگی۔ وہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ ہے۔ حالانکہ اللہ بھینگا نہیں ہے۔ مزید برآں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان "کافر" لکھا ہوا ہوگا، ہر ایک اسے پڑھے گا۔ الغرض وہ خبیث، فسادی اور گمراہی کا سوداگر ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ہدایت کے مسیح جناب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو بھیجے گا۔ ان کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مریض کے جسم پر ہاتھ پھیریں گے تو وہ اللہ کے حکم سے شفایاب ہو جائے گا۔ یعنی فقط حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے سے ہی وہ اللہ کے حکم سے تندرست ہو جائے گا۔ پھر مسیح ہدایت گمراہی کے مسیح کو قتل کر دے گا۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام اسے تلاش کریں گے۔ فلسطین میں باب لُد کے قریب اسے قتل کر دیں گے۔ لُد فلسطین میں ایک بستی کا نام ہے۔ پھر آپ علیہ السلام شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلے کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کا اختیار ختم کر دیں گے۔ الغرض آپ شریعت محمدیہ کے پیروکار بن کر حکومت کریں گے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع بن کر رہیں گے۔

*****

وَخُرُوْجُ يَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ۔(۱)

ترجمہ...: اور یاجوج وماجوج کا نکلنا۔

تشریح...: (۱) یاجوج اور ماجوج انسانوں کے ہی دو قبیلے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کا قصہ یوں بیان ہوا ہے کہ ایک عظیم مومن بادشاہ ذوالقرنین کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں حکومت بخشی۔ چنانچہ وہ اسلام اور توحید کی دعوت کو پھیلانے کے لیے اطراف واکناف عالم میں پھرے اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے کے لیے نکلے۔ جب وہ سدین (دو عظیم پہاڑ) کے درمیان پہنچے تو وہاں ان کا سامنا ایسے لوگوں سے ہوا جو بالکل کوئی بات نہیں سمجھتے تھے۔ انہیں ڈرانے

دھمکانے والے یاجوج وماجوج تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَ مَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا ، قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ﴾ (الکہف: ۹۴تا۹۵)

"انھوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج اس سرزمین میں فساد کرنے والے ہیں، تو کیا ہم تیرے لیے کچھ آمدنی طے کر دیں، اس (شرط) پر کہ تو ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دے۔ اس نے کہا: جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہ بہتر ہیں۔" یعنی حضرت ذوالقرنین نے ان سے اجرت لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا کچھ دے رکھا ہے جو میرے لیے کافی ہے۔ پھر آپ نے ان سے کہا مطلوبہ سامان لا دو۔ پھر اس نے دونوں بڑے پہاڑوں کے درمیان ایک اتنی بڑی اور مضبوط دیوار کھڑی کر دی کہ کوئی اسے توڑ سکتا

تھا اور نہ ہی پھلانگ سکتا تھا۔ یہ دیوار انسانیت پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام کی صورت اختیار کر گئی۔ اسی لیے ذوالقرنین نے فرمایا: یہ میرے رب کی رحمت ہے۔ لیکن آخری زمانے میں یاجوج وماجوج اس دیوار کو توڑنے کے لیے کمر ہمت باندھیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۔ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ۔ وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ﴾ (الکہف: ۹۷تا۹۹)

"پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ اس پر چڑھ جائیں اور نہ وہ اس میں کوئی سوراخ کر سکے۔ کہا: یہ میرے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو وہ اسے زمین کے برابر کر دے گا۔ اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے۔ اور اس دن ہم ان کے بعض کو چھوڑیں گے کہ بعض میں ریلا مارتے ہوں گے۔" یعنی اس دیوار پر کوئی نہیں چڑھ سکتا لیکن آخری زمانے میں اللہ تعالیٰ انہیں اس دیوار کو توڑنے کی قدرت بخشیں گے۔ وہ اہل زمین کے خلاف نکل کھڑے ہوں گے جس سے خونریزی، فساد اور ایسے ایسے مسائل جنم لیں گے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ احادیث میں مذکور ہیں جبکہ انسانوں کے پاس ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں ایک بیماری لگا دے گا جس سے ان کی گردنوں میں کیڑوں جیسے پیدا ہو جائیں گے۔ وہ سب ہلاک ہو جائیں گے، مسلمانوں کو ان سے نجات مل جائے گی۔ زمین کے کیڑے مکوڑے ان کے جسموں کو کھا کے موٹے ہو جائیں گے اور اللہ کا شکر ادا کریں گے۔ الغرض یہ علاماتِ قیامت میں سے بڑی بڑی علامات ہیں۔

*****

وَخُرُوْجُ الدَّابَّةِ (۱) وَطُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا (۲)

ترجمہ...: دابہ کا نکلنا، سورج کا اپنے مغرب سے طلوع ہونا۔

تشریح...: (۱) قیامت کی ایک علامت زمین سے ایک چوپائے کا نکلنا بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ۔﴾ (النمل: ۸۲)

"اور جب ان پر بات واقع ہو جائے گی تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے، جو ان سے کلام کرے گا کہ یقیناً فلاں فلاں لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔"

اگرچہ اس کے متعلق بہت سی احادیث ہیں لیکن اس کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ ایک چوپایہ ہوگا جو زمین سے نکلے گا۔ مگر اس کے نکلنے کی کیفیت، مقام، جگہ کا اللہ ہی کو علم ہے۔

(۲)... سورج مشرق سے طلوع ہوتا اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ سورج کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کائنات میں یہ طریقہ ہے کہ وہ ہمیشہ اور مسلسل زمین کے گرد مشرق سے مغرب کی جانب گردش کرتا ہے نہ کہ زمین سورج کے گرد گھومتی اور سورج ساکن ہے۔ جیسا کہ بعض ملحدین کا نظریہ ہے۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی زمین ساکن ہے اور شمس وافلاک اس کے گرد گردش کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے بتلایا ہے اور مشاہدے سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ الغرض یہ مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہوتا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا تھا۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ط قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ط وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ،﴾ (البقرہ:۲۵۸)

”کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، اس لیے کہ اللہ نے اسے حکومت دی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے۔ اس نے کہا میں زندگی بخشتا اور موت دیتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: پھر اللہ تو سورج کو مشرق سے لاتا ہے، پس تو اسے مغرب سے لے آ۔ تو وہ جس نے کفر کیا تھا حیرت زدہ رہ گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

جب نمرود نے دعویٰ کیا کہ وہ رب ہے اور مارتا اور زندگی عطا کرتا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سامنے اس عظیم معجزے کا تذکرہ کیا جس نے اسے بوکھلا دیا، کہ اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق سے لاتا ہے اگر تو اپنے آپ کو رب سمجھتا ہے تو اسے مغرب سے لا کر دکھا۔ یعنی اللہ کے ارادے کے برعکس کر کے دکھا۔

﴿فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ﴾ (البقرہ:۲۵۸)

”تو وہ جس نے کفر کیا تھا حیرت زدہ رہ گیا۔“ کیونکہ وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا اور یہ کام صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔

چنانچہ سورج کے بارے میں اللہ کی سنت ہے کہ وہ مشرق سے آتا اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ یعنی زمین کے گرد گردش کرتا ہے۔ وہ جس طرف ہوتا ہے زمین کو روشن کرتا ہے اور دن بن جاتا ہے۔ جب وہ اس جانب سے غائب ہو جاتا ہے تو رات چھا جاتی ہے۔ تاوقتیکہ وہ دوسری مرتبہ چکر لگائے اور یوں زمین کے گرد سورج کی گردش کی بناء پر دن رات کا سلسلہ جاری ہے جو کہ اللہ کی قدرت کا مظہر ہے۔ جب یہ نظام خراب ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس دنیا کو ختم کرنا چاہے گا تو سورج کی گردش الٹ کر دی جائے گی۔ وہ مغرب سے طلوع ہونے لگے گا اور اس کا مغرب سے طلوع قیامت کے قریب ہونے، اس کائنات کے نظام کے خاتمے، دنیا کی انتہا اور آخرت کی ابتداء کی علامت ہو گا۔

*****

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے حقوق کا بیان(۱)

(۱) مؤلف رحمہ اللہ نے اس عقیدہ (کی کتاب) کے آغاز میں ایمان باللہ، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان لانے کے بارے میں گفتگو فرمائی ہے۔ اس کے بعد اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم اجمعین کے حقوق بیان کرنے کے لیے یہ فصل قائم کی ہے تاکہ ہر مسلمان کو ان مسائل کی بصیرت حاصل ہو جائے جن میں خواہش پرست اور بدعتی لوگوں نے صحابہ کرام اور ازواج پیغمبر رضی اللہ عنہم کے حق کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے۔ اور تاکہ مسلمان ان گمراہ لوگوں کے خود ساختہ شبہات اور خواہشات سے متاثر نہ ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حقوق کی صراحت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حقوق نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں داخل ہیں۔ اصل حق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور ان دیگر لوگوں کے حقوق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں ہی داخل ہیں۔ لہٰذا یہ ایک اہم فصل ہے۔ اس پر توجہ دینا اور اس کے احکام کی معرفت انتہائی اہم ہے۔ علاوہ ازیں مصنف رحمہ اللہ نے اس فصل میں مسلمانوں کے حقوق، کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے مسلمان کی تکفیر نہ کرنے، لوگوں کے بارے میں غلو نہ کرنے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دلیل کے بغیر کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ نہ دینے کا بھی ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ان تمام مسائل میں اکثر گمراہ لوگ پڑے ہیں اور انہوں نے حق کی مخالفت کی ہے۔ لہٰذا اہل سنت والجماعت پر واجب ہے کہ انہیں بیان کریں اور ان کی وضاحت کریں۔

وَمُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلي لله عليه وسلم خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ۔ (۱)

ترجمہ...: اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔

تشریح...: (۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں۔ آپ کے بعد تا قیام قیامت کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ (الاحزاب:۴۰)

''محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں اور لیکن وہ اللہ کا رسول اور تمام نبیوں کا ختم کرنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' خاتم سے مراد وہ ذات گرامی ہے جس کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ لیکن اس کی شریعت تا قیام قیامت باقی رہے گی۔ یہ شریعت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہمارے پاس ایسی کامل شکل میں موجود ہے گویا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ انبیاء کو اس وقت بھیجا جاتا تھا جب رسالت کے آثار مٹ جاتے تھے۔ گذشتہ امتوں میں جہالت عام ہو جاتی تھی تو ہر نبی کے بعد ایک نیا نبی آکر دین کی تجدید کرتا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم یہ کامل، تغیر و تبدل سے محفوظ اور قیامت تک انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے والی شریعت لے کر آئے تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہی ہیں۔ لہٰذا لوگوں کے لیے ایک نئے رسول کی بعثت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((إِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ: كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِيْ۔))

''میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ ان میں سے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت ہے۔'' [1]

لہٰذا رسالت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و شریعت قیامت تک باقی اور قائم رہے گی۔ البتہ آپ کے بعد دین کی تجدید کرنے والے اہل علم آتے رہیں گے جو لوگوں کے سامنے شریعت کی وضاحت کرتے رہیں گے اور لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے رہیں گے جن سے لوگ جاہل ہوں گے۔ جیسا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔)) [2]

''بے شک اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے آغاز میں ایک ایسے شخص کو کھڑا کرتے رہیں گے جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔'' نیز فرمایا:
((إِنَّمَا الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ۔)) [3]

''بے شک صرف علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔''

چنانچہ اس امت کے علماء شریعت کی وضاحت و بیان اور لوگوں کی رہنمائی کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہی قرآن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾

''وہ اللہ کا رسول اور تمام نبیوں کا ختم کرنے والا ہے۔''

[1]ابن عبد البر نے استذکار (۹/۵۵۶) اور حاکم نے مستدرک (۱/۱۷۲) (۳۱۹) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ ایسی ہی حدیث حاکم نے حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی ہے۔ [2] أخرجه أبو داؤد (۴۲۹۱) من حديث أبي هريرة، وإسناده صحيح، وانظر: جامع الأصول ((۱۱/ ۳۲۰۔ ۳۲۴) [3] أحمد في المسند (۳۶۶/ ۴۵۔۴۶) (۲۱۷۱۵)، وأبو داؤد (۳۶۴۱)، وابن ماجه (۲۲۳)، والترمذي (۲۲۱۹)، وهو حديث صحيح -

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

((إِنَّهُ سَيَأْتِيْ بَعْدِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلَاثُوْنَ كُلُّهُمْ يَدَّعِيْ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ، لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔))

"بے شک عنقریب میرے بعد ۳۰ دجال آئیں گے۔ ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"[1]

چنانچہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آئے گا وہ کافر ہے۔ کیونکہ وہ اللہ ورسول کی بات کو جھٹلاتا ہے اور مسلمانوں کے اجماع کی مخالفت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسی لیے اہل علم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہر شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ مثلاً مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور ان کے بعد بھی جو کوئی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ بھی کافر ہے۔ اسی طرح علماء نے قادیانیوں کو بھی کافر قرار دیا ہے جو پاکستان میں ہیں اور غلام احمد قادیانی کی نبوت کے قائل ہیں۔ یہ سب کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج ہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ رسول اللہ کے بعد بھی کوئی رسول مبعوث ہو سکتا ہے۔ قادیانی غلام احمد کی طرف نسبت کر کے ہی اپنے آپ کو قادیانی کہلاتے ہیں۔ ہر مسلمان پر یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں۔ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اور جو کوئی آپؐ کے بعد دعویٰ نبوت کرے وہ جھوٹا ہے۔ جہاں تک آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی بات ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی شریعت لے کر آئیں گے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہوں گے اور آپ کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اس کے علاوہ کوئی شریعت نہیں لائیں گے۔

[1]یہ حضرت ثوبان کی صحیح حدیث کا ٹکڑا ہے جو کہ مسند احمد (۷۹/۳۷-۷۸) (۲۲۳۹۵)، ابو داؤد (۴۲۵۲) اور ترمذی (۲۲۱۹) میں ہے۔

لہٰذا ان کو مجددین میں سے ہی شمار کیا جائے گا اور آپؐ کا پیروکار ہی سمجھا جائے گا۔

لہٰذا آخری زمانے میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا آپؐ کے فرمان "أَنَا خَاتَمُ النبيين" کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں اور نہ ہی یہ اس آیت کے مخالف ہے۔ ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب:۴۰)

* * * * *

وَسَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (۱)

ترجمہ...: اور رسولوں کے سردار ہیں۔

تشریح...: (۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار اور ان سب سے افضل ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔))[1]

”میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور یہ اظہار فخر نہیں۔“

اور اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ آپ سے پہلے ہر نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ جبکہ آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات تمام انبیاء کو مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھائی۔ آپ کو تمام آسمانوں سے اوپر لے جایا گیا اور یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں پہنچا۔ لہٰذا آپ مطلق طور پر تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض انبیاء بعض انبیاء سے افضل ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ،﴾ (البقرہ:۲۵۳)

[1]یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مسند احمد (۱۰/۱۷) (۱۰۹۸۷)، ابن ماجہ (۴۳۰۸) اور ترمذی (۳۱۴۸)، (۳۶۱۵) میں موجود ہے۔

”یہ رسول، ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان کے بعض کو اس نے درجوں میں بلند کیا۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں دیں اور اسے پاک روح کے ساتھ قوت بخشی۔ اور اگر اللہ چاہتا تو جو لوگ ان کے بعد تھے آپس میں نہ لڑتے، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آچکیں۔ لیکن انھوں نے اختلاف کیا۔ تو ان میں سے کوئی تو وہ تھا جو ایمان لایا اور ان سے کوئی وہ تھا جس نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے۔ اور لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

لیکن ہمارے لیے اس پیغمبر کو ناقص سمجھنا یا ناقص ثابت کرنے کے لیے یہ بحث کرنا جائز نہیں جس پر کسی پیغمبر کو فضیلت دی گئی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ((لَا تُفَاضِلُوْا بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ۔)) ”تم انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔“ [1] نیز فرمایا:

((لَا تُفَضِّلُوْنِيْ عَلٰى يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى۔))

”تم مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو۔“[2]

لہٰذا مفضول انبیاء کی تنقیص جائز نہیں کیونکہ انبیاء کا اللہ کے ہاں ایک خاص مقام ومرتبہ

[1]یہ حدیث مسند احمد (۱۷/۴۵۹) (۱۱۳۶۵)، بخاری (۲۴۱۲) اور مسلم (۲۳۷۴)، میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [2] بخاری (۳۴۱۶)۔ مسلم (۲۳۷۷)۔

ہے اور ان میں سے ایک کے دوسرے سے افضل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ مفضول ناقص ہے۔ بلکہ تمام انبیاء کرام کا اللہ کے ہاں وہ مقام ہے کہ کوئی دوسرا اس تک نہیں پہنچ سکتا۔

لَا يَصِحُّ إِيْمَانُ عَبْدٍ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِرِسَالَتِهِ (١) وَيَشْهَدُ بِنُبُوَّتِهِ۔ (٢)

ترجمہ...: جب تک کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہ لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی نہ دے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔" تشریح...: (۱) جب تک کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اقرار نہ کرلے اس کا ایمان صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی بھی تردید ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت یا آپؐ کی رسالت کی عمومیت کا انکار کرنے کے باوجود بزعم خویش خود کو مومن اور انبیاء کے پیروکار سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو ہیں لیکن صرف عربوں کے۔ گویا وہ آپ کی رسالت کے عام ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے ساتھ کھلا کفر ہے۔

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا،﴾ (النساء:٦٥)

''پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے۔ پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے۔ اور تسلیم کرلیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔"

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ،﴾ (النساء:٦٥)

''اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔" سو جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے۔ خواہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح عیسیٰ یا موسیٰ علیہما السلام پر ایمان لانے کا دعویدار ہو۔ اور اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو تینوں ادیان کو قریب لانا چاہتے اور وحدت ادیان چاہتے ہیں۔ وہ وحدت ادیان کے پرچارک ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ تینوں ہی مبنی بر حق ہیں۔ جبکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾

''کہہ دے اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔" لہٰذا ان کی یہ بات درست نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر سب لوگوں کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ (الاعراف:۱۵۸)

"وہ (اللہ) کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی صرف اس کی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پس تم اللہ پر اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ۔ جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔"

نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کی اتباع کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ چنانچہ جو شخص آپؐ کی مخالفت کرنے کے باوجود یہ سمجھتا ہے کہ وہ یہودیوں یا عیسائیوں کے دین پر برقرار ہے، وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ تاآنکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کا رسول نہ مانے محض آپ کی رسالت کو مان لینا کافی نہیں۔ بلکہ آپ کو تمام لوگوں کا رسول ماننا ضروری ہے۔

(۲)... گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی لا الہ الا اللہ کی گواہی کے بعد آتی ہے۔ ان دونوں میں سے ایک گواہی دوسری کے بغیر درست نہیں ہو سکتی۔

وَلَا یُقْضٰی بَیْنَ النَّاسِ فِیْ یَوْمِ الْقِیَامَةِ إِلَّا بِشَفَاعَتِهِ (۱) وَلَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ أُمَّةٌ إِلَّا بَعْدَ دُخُوْلِ أُمَّتِهِ (۲) صَاحِبُ لِوَائِ الْحَمْدِ۔ (۳)

ترجمہ...: قیامت کے دن آپؐ کی سفارش کے بغیر لوگوں کو فیصلہ نہیں سنایا جائے گا۔ کوئی امت آپؐ کی امت سے پہلے جنت میں داخل نہیں ہوگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حمد کا جھنڈا ہوگا۔ تشریح...: (۱) یہ باتیں آپ کے فضائل میں سے ہیں کہ: (۱)... آپؐ کی بعثت کے بعد کوئی شخص آپؐ پر ایمان لائے بغیر اور آپؐ کی عام رسالت کا اقرار کیے بغیر مومن نہیں ہو سکتا۔ (۲)... قیامت کے دن بندوں کے درمیان فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے بغیر نہیں ہوگا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب میدان حشر میں کھڑے بہت عرصہ گزر جائے گا تو لوگ سفارش کے لیے انبیاء کے پاس جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں اور وہ اتنے لمبے قیام سے راحت پا سکیں۔ چنانچہ پہلے وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ پھر نوح، پھر ابراہیم، پھر موسیٰ، پھر عیسیٰ علیہم السلام کے پاس آئیں گے۔ لیکن یہ سب پیغمبر معذرت کر لیں گے۔ پھر سب لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے۔ چنانچہ آپؐ سفارش کر دیں گے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار عاجزی اور دعا کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کی سفارش کو قبول فرما کر لوگوں کا فیصلہ کر دیں گے۔ لہٰذا شفاعت عظمیٰ آپ کے فضائل میں سے ہے اور مقام محمود بھی۔ یعنی جس پر تمام پہلے اور بعد والے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

(۲)... امت محمدیہ اگرچہ سب سے آخر میں آئی ہے لیکن یہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔ کوئی امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے بغیر جنت میں نہیں جا سکے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جنت کا دروازہ کھولیں گے اور جنت میں داخل ہونے والی سب سے پہلی امت یہی ہوگی۔

(۳)... "لواء" اس علامت یا جھنڈے کو کہتے ہیں جسے امیر لشکر اختیار کرتا ہے تاکہ اس کے پیروکار اس علامت پر جمع ہو جائیں۔ قیامت کے دن جھنڈا رسالت مآب نبی آخر الزمان محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہو گا۔ باقی تمام رسول آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ یہ آپؐ کی فضیلت کا اظہار ہو گا۔

*****

وَالْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ (۱) وَالْحَوْضُ الْمَوْرُوْدُ (۲) وَہُوَ إِمَامُ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبُهُمْ (۳) وَصَاحِبُ شِفَاعَتِهِمْ (۴)۔

ترجمہ...: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام محمود پر فائز ہوں گے۔ اس حوض کے مالک ہوں گے جس پر تمام لوگ پانی پینے آئیں گے۔ آپ تمام انبیاء کے امام وخطیب ہیں اور ان کی سفارش کرنے والے ہیں۔

تشریح...: (۱)... مقام محمود کی وضاحت شفاعت عظمیٰ کے بیان میں گزر چکی ہے۔ (۲)... حوض کی بھی ہم وضاحت کر چکے ہیں۔

(۳)... آپ تمام انبیاء کے امام ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معراج) اسراء کی رات ان سب کو نماز پڑھائی تھی۔ اور جب تمام انبیاء اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خطیب ہوں گے۔ (۴)... اس کے بارے میں گفتگو بھی مقام محمود کی تشریح میں ہو چکی ہے۔

*****

اللہ کے تصور پر تمام اہل مذاہب کا اتفاق

اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ دنیا میں تمام مذہبی جماعتیں خدا کے اقرار پر متفق ہیں سناتن دھرمی ہوں یا آریہ سماج، عیسائی ہوں یا یہودی، بدھ ہوں یا جینی یہ تمام جماعتیں مسلمانوں کی طرح خدا کی ہستی اور وجود پر بالکل اتفاق رکھتی ہیں شیخ سعدیؔ بوستان میں کیا خوب فرماتے ہیں۔

جہاں متفق بر الہٰتش

فرو ماندہ در کنہ ماہیتش

زیادہ سے زیادہ باہمی جھگڑا یہ ہے کہ دیگر مذاہب میں اللہ کی صفات مکمل طور پر بیان نہیں ہوئیں یا یہ کہ اللہ کی صفاتِ عالیہ کی تصویر ان کتابوں میں کچھ غلط آگئی ہے باقی نفسِ وجودِ خدا پر ان تمام مذاہب کا بالکل اتفاق ہے۔ تمام ادیان وملل کا یہ اتفاق بجائے خود اللہ کی ہستی پر ایک دلیل قاطع ہے کیونکہ ایسا اتفاق ادیان عالم کا کسی کذب محض پر عقلاً ناممکن ہے اب ہم اس جگہ کئی طرح سے ہستی خدا پر دلائل نقل کریں گے جن سے انشاء اللہ تعالیٰ عقل

انسانی کی بہت کچھ تسلی وتشفی ہو جائے گی۔ لیکن تبرکاً آئمہ ءکرام کے چند سادہ دلائل بھی تفسیر کبیر سے نقل کرتے ہیں جو اہل فہم وصاحبان بصیرت کے لئے معقول وواضح ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ دہریوں کے حق میں تلوار تھے اور وہ لوگ ان کے قتل کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے زیر تفسیر'' اوکصیّب من السماء'' یوں نقل کیا ہے کہ ایک دن امام رحمہ اللہ اپنی مسجد میں بیٹھے ہی تھے کہ اچانک ایک غول انہیں لوگوں کا ننگی تلواریں لئے ہوئے ان کے قتل کے ارادہ سے ان پر آن چڑھا۔ تو امام رحمہ اللہ نے کہا کہ تم لوگ پہلے مجھے ایک بات کا جواب دے دو پھر جو چاہو سو کرو۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں وہ بات پیش کرو تو انہوں نے کہا کہ تم لوگ اس شخص کے بارے میں کیا کہو گے جو تم سے یہ کہے کہ میں نے دریا میں ایک کشتی دیکھی ہے جس میں قسم قسم کے مال کے بوجھ بھرے ہوئے ہیں اور دریا کی موجیں جدھر ہواؤں کا زور ہوتا ہے اسکو ادھر ادھر نہیں کر سکتیں۔ اور مختلف قسم کی ہوائیں چلتی ہیں۔ لیکن وہ کشتی برابر سیدھی چلی جاتی ہے اور کوئی اس کا خبر گیر نہیں۔ نہ کوئی ملاح ہے جو اس کو چلائے۔ اپنے آپ ہی چلتی ہے تو کیا یہ بات عقلاً درست ہے یا نہیں؟ تو ان سب لوگوں نے کہا کہ اس بات کو عقل بالکل قبول نہیں کرتی۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ نے کہا۔ سبحان اللہ! بڑا تعجب ہے کہ ایک کشتی کا دریا میں سیدھا چلا جانا بغیر کسی ملاح اور چلانے والے کے عقل تجویز نہیں کر سکتی اور اس دنیا کے کاروبار مختلف حالات اور اطوار میں باوجود اس کے اتنا فراخ ہونے کے، بغیر کسی بے انتہا ہونے کے، بغیر کسی محافظ کے، کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ تو وہ لوگ سب کے سب رو پڑے اور کہنے لگے کہ تو نے بے شک سچ کہا ہے اور سب نے اپنی تلواریں میان میں کر لیں اور تائب ہو گئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ استدلال سورہ بقرہ کی آیتِ کریمہ رکوع 19 سے ماخوذ ہے ارشاد ہے ''اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر 164)۔

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل

ہارون رشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے وجود باری تعالی پر سوال کیا تو انہوں نے آوازوں کے مختلف ہونے اور سروں کی تبدیلی اور لغات کے اور زبان کے رنگارنگ ہونے سے حجت پکڑی۔ ارشاد ہے۔ وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِكُمۡ وَاَلۡوَانِكُمۡ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ (روم آیت نمبر 22) خلق وزبان اور جملہ مخارج کے وحدت کی باوجود لغت و آواز کا شدید اختلاف ہستی خدا پر بے شک دلیل ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل

امام شافعی رحمہ اللہ سے کچھ دہریہ لوگوں نے پوچھا کہ وجودِ صانع پر کیا دلیل ہے تو انہوں نے کہا کہ توت کا پتہ، اس کا مزہ اور رنگ وبو اور طبیعت تم لوگوں کے نزدیک ایک ہے یا نہیں۔ ان لوگوں نے کہا ہاں ایک ہے۔ تو امام صاحب نے کہا کہ ریشم کا کیڑا اسکو کھاتا ہے تو اسکے پیٹ سے ریشم نکلتا ہے اور شہد کی مکھی اس کو کھاتی ہے تو اس کے پیٹ سے شہد نکلتا ہے اور بکری کھاتی ہے تو اس کے پیٹ سے مینگنیاں نکلتی ہیں۔ اور مشک ہرن اس کو کھاتے ہیں تو ان کے نافوں سے مشک نکلتا ہے تو یہ بتاؤ کہ مختلف اثر اس میں کس نے رکھا ہے۔ حالانکہ طبیعت ایک ہے۔ تو ان لوگوں نے اس جواب کو اچھا سمجھا اور ان کے ہاتھ پر اسلام لے آئے اور وہ سترہ آدمی تھے۔

امام احمد بن حنبل کی دلیل

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے یہ حجت پیش کی کہ ایک بڑا مضبوط اور چکنا قلعہ ہے۔ کوئی اس میں سوراخ نہیں ہے اس کی باہر کی جانب تو ایسی ہے جیسے چاندی پگھلی ہوئی ہوتی ہے اور اس کا اندر خالص سونے کی طرح، پھر اس کی دیواریں یکایک پھٹیں اور قلعہ کے اندر سے ایک حیوان سماعت اور بصارت والا نکلا تو ضرور اس کا کوئی فاعل ہونا چاہیئے۔ مراد امام کی قلعہ سے انڈا ہے اور حیوان سے مراد چوزہ ہے۔

امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی دلیل

ایک ملحد وزندیق شخص نے امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے سامنے وجودِ صانع کا انکار کیا۔ تو امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے اس سے کہا کہ تو کبھی سمندر میں کشتی پر سوار ہوا ہے اس نے کہا ہاں! کیوں نہیں۔ انھوں نے کہا کہ کبھی اس میں خوف بھی تمہیں پیش آیا ہے اس نے کہا کہ جی کیوں نہیں ایک دن بڑی ہولناک ہوائیں چلیں جنہوں نے کشتیوں کو توڑ ڈالا اور ملاحوں کو غرق بھی کر دیا تو میں ایک تختہ پر لیٹ گیا تو وہ تختہ بھی مجھ سے چھوٹ گیا تو لہروں کے جوش نے مجھے دھکیلتے دھکیلتے ایک کنارہ پر ڈال دیا تو امام جعفر رحمہ اللہ نے کہا کہ پہلے تو تمہارا اعتقاد کشتی وملاح پر تھا پھر اس تختہ پر کہ شاید تجھے نجات دلوادے۔ پھر جب یہ سب چیزیں تیرے ہاتھ سے نکل گئیں تو تو نے اپنے کو ہلاکت کے لئے بالکل سونپ دیا یا اس کے بعد بھی سلامتی کی امید کچھ رکھتا تھا یا نہیں۔ اس نے کہا کہ اس کے بعد بھی امید سلامت کی رکھتا تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ اب کس سے؟ تو وہ شخص چپ ہو گیا تو امام جعفر نے کہا کہ جس سے تو اس وقت امید رکھتا تھا اور جس نے تجھے اس وقت ڈوبنے سے بچایا وہی اللہ ہے۔ تو وہ شخص ان کے ہاتھ پر اسلام لے آیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کے دل میں کسی بالا دست ذات کے سہارا ہونے کا خیال موجود ہے ایک عارف باللہ کا شعر اسی معنی میں ہے۔

تو دل میں آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے (اکبر آلہ آبادی)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک وجدانی دلیل۔

دہریوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اللہ کے وجود پر سوال کیا تو انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ والدین چاہتے ہیں کہ ہمارے یہاں لڑکا ہو اور ان کی خواہش کے برخلاف لڑکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر کبھی لڑکی کی خواہش ہوتی ہے تو لڑکا پیدا ہو جاتا ہے یہ بات وجود صانع پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ارشاد ہے ''هُوَالَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ'' اور دوسری جگہ ارشاد ہے'' لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَآءُ اِنَاثًا وَ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ'' (سورہ الشوریٰ آیت نمبر 49) اسی معنے میں کسی کا شعر کیا خوب ہے۔

ہم نے چاہا بہت پر نہ چاہا اس نے

چاہا اس کا ہوا چاہا ہمارا نہ ہوا

ارسطو کا استدلال

ایک استدلالِ خدا کے اثبات پر ارسطو کا نقل کرتا ہوں اس نے لکھا ہے کہ عالم کے تمام اجزا میں کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ تمام اجسام یا بڑھتے رہتے ہیں یا گھٹتے رہتے ہیں۔ یعنی پرانے اجزاء فنا ہوتے جاتے ہیں اور ان کی بجائے نئے آتے رہتے ہیں۔ اجزاء کا یہ بدلتے رہنا ہی ایک قسم کی حرکت ہے اسی لئے تمام عالم متحرک ہے۔ اور جو چیز متحرک ہے ضرور ہے کہ اسکے لئے کوئی محرک ہو۔ اب دو صورتیں ہیں یا یہ سلسلہ کسی حد تک ختم ہو گا یعنی اخیر میں ایک ایسی چیز ثابت ہو گی جو بالذات یا بواسطہ تمام اشیاء کی محرک ہے اور خود متحرک نہیں۔ یہی خدا ہے یا یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہو گا اس صورت میں غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا۔ اور یہ محال ہے۔

وجودِ باری پر متکلمین کا استدلال

متکلمین اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ عالم دو صورت سے خالی نہیں ہو گا یا جوہر ہو گا یا عرض ہو گا۔ اور جوہر اور عرض دونوں حادث ہیں عرض کا حادث ہونا تو ظاہر ہے (کیونکہ وہ پیدا ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے جیسے بو، رنگ، خوشی وغیرہ) جوہر اس لئے کہ کوئی جوہر عرض سے خالی نہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ جو چیز عرض... بھی قدیم ہو۔ کیونکہ دو چیزیں جو لازم وملزوم ہوں۔ ان میں سے ایک چیز اگر قدیم ہو گی تو ضروری ہے کہ دوسری چیز بھی قدیم ہو۔ ورنہ لازم وملزوم میں فصل زمانی لازم آئے گی اور یہ محال ہے۔ اور جب ثابت ہوا کہ جوہر وعرض دونوں حادث ہیں تو ان کا حادث ہونا عالم کا حادث ہونا ہے تو اب ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی علت ہو اب اگر علت بھی حادث ہے تو اسکے لئے کوئی علت درکار ہو گی اس صورت میں اگر یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم ہو گا تو وہی خدا ہے۔ اور ختم نہ ہو گا تو دور وتسلسل لازم آئے گا اور دور وتسلسل باطل ہے (الکلام مؤلفہ شبلی حصہ دوم ص 33)۔

مولانا رومی رحمہ اللہ کا استدلال

وجودِ باری کے استدلال میں اشاعرہ کا وہ مسلک مشہور ہے جس میں تسلسل کے باطل کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ لیکن مولانا روم نے اک ایسا استدلال کیا ہے جس کو تسلسل کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ فرماتے ہیں۔ یہ تو مسلم ہے کہ علت کو معلول پر ترجیح ہے یعنی علت میں کوئی ایسی خصوصیت ہوتی ہے جو معلول میں نہیں ہوتی ورنہ اگر دونوں ہر حیثیت سے برابر ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک معلول ہو اور دوسرا علت۔ یہ امر بھی مسلم ہے کہ ممکنات کا وجود بالذات ہے یعنی وجوہ خود اس کی ذاتی صفت نہیں بلکہ اس کا وجود علت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کائنات میں علت و معلول کا سلسلہ توہدایتہ نظر آتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ سلسلہ کسی ایسی ذات تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے جو واجب الوجود ہے یعنی وجود خود اس کا ذاتی ہے یا اسی طرح الی غیر النہایہ چلا جاتا ہے پہلی صورت میں خدا ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہی واجب الوجود خدا ہے۔ دوسری صورت میں لازم آتا ہے کہ علت پر کوئی ترجیح نہ ہو بلکہ دونوں مساوی الدرجہ ہوں۔ کیونکہ جب کائنات کسی واجب الوجود پر ختم نہ ہو گی۔ تو علت و معلوم دونوں ممکن بالذات ہوں گے اور جب دونوں ممکن بالذات ہوئے تو علت کو معلول پر کیا ترجیح ہے؟

ہستی خدا پر امام غزالی رحمہ اللہ کا استدلال

قدمِ عالم کا مسئلہ یونانی فلاسفہ کے نزدیک ایک محکم مسئلہ ہے استدلال میں حسب ذیل مقدمات سے کام لیا جاتا ہے۔

(1) جو چیز ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اس کو واجب کہتے ہیں۔

(2) جو چیز نہ کبھی موجود تھی اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے وہ ممتنع ہے۔

(3) جو چیز ہمیشہ سے نہیں ہے لیکن وجود میں آئی اور فنا ہو جائے گی وہ ممکن ہے۔

(4) جو چیز ممکن ہے وہ موجود ہونے سے پہلے بھی ممکن تھی کیونکہ اگر ممکن نہ ہوتی تو واجب ہوتی یا ممتنع۔ اگر واجب ہوتی ہو تو ہمیشہ سے موجود ہوتی۔ اور اگر ممتنع ہوتی تو کبھی وجود میں نہ آتی۔

(5) صفت کے لئے موصوف کا وجود ضروری ہے مثلاً اگر سیاہی کا وجود ہے تو ضروری ہے کہ سیاہی کسی خاص شے میں پائی جائے۔

ان مقدمات کے بعد عالم کے قدیم ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے کہ عالم وجود میں آنے سے پہلے ممکن تھا(بربنائے مقدمہ 4)۔

اور چونکہ ممکن ہونا ایک صفت ہے اور صفت کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اسلئے ضروری ہے کہ کوئی چیز موجود تھی جس کے ساتھ امکان کا یہ وصف قائم تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب عالم موجود نہ تھا اس وقت بھی کوئی شے تھی جس سے یہ عالم وجود میں آیا۔ مثلاً دیکھو ایک صراحی جو اس وقت موجود ہے جب نہیں موجود تھی تب بھی کوئی شے (مٹی) موجود تھی جو ایک خاص صورت پکڑ کے اب صراحی بن گئی۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے اس استدلال کو رد فرمادیا ہے کہ یہ مسلّم نہیں کہ ہر قسم کی صفات کے لئے موصوف کا وجود خارجی ضرور ہو۔ امتناع بھی تو ایک صفت ہے اس کا موصوف کہاں ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ شریک باری ممتنع ہے تو ظاہر ہے کہ امتناع کے صفت کا موصوف شریک باری ہے لیکن کیا شریک باری خارج میں موجود ہے اور کلی ہونا ایک وصف ہے اسکا موصوف خارج میں کیونکر پایا جاسکتا ہے خارج میں جو چیز موجود ہوگی وہ جزئی ہو کر ہوگی کلی نہیں ہوسکتی۔ پس یہ ادعا صحیح نہ رہا کہ صفت کا موصوف خارج میں موجود ہوتا ہے جس سے قدم عالم کا مسئلہ بالکل غلط نکلا۔ اب غیر موجود کو وجود بخشااور اسکا احداث جس ذات نے کیا ہم اسی کو اللہ کہتے ہیں۔ (الغزالی مؤلفہ شبلی ص 101)

وجودِ باری پر شکل کے حدوث سے استدلال

مادّہ حادث ہے دلیل ملاحظہ ہو۔ کہ مادہ پر جو پہلی صورت تھی جب اس صورت کے سوا دوسری صورت آتی ہے تو اب وہ حال سے خالی نہیں۔ یا تو صرف اول مثلاً کر دیت تھی۔ صورت ثانیہ کے وقت جو مر بیعت ہے۔ زائل ہوگی یا نہیں۔ اگر نہیں زائل ہوتی تو اجتماع نقیضین لازم آتا ہے اگر زائل ہوگئی تو صورت ثانیہ حادث ہوئی۔ کیونکہ پہلے کے زوال کے بعد یہ صورت پیدا ہوتی ہے پس جب صورت ثانیہ حادث ہوئی اور ظاہر ہے کہ صورت کے ساتھ مادہ کا تلازم ہے تو مادہ بھی حادث ہوا کیونکہ مادہ کا وجود اگر پہلے ہو جائے تو صورت کے ساتھ تلازم نہ رہا حالانکہ یہ ضروری ہے کما لایخفی علی المبتدی فضلا عن الماھر۔ پس جب مادہ حادث ٹھہرا تو اب ضروری ہے کہ اس کیلئے علتِ محدثہ ہو اور یہی موجد و محدث اللہ ہے۔

تخلیق مادّہ سے وجود باری کا استدلال

مادّہ معدوم ہے ظاہر ہے کہ جب ہم کسی مرغی کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اس کا وجود اپنے مادہ سے ہوا ہے جو کہ انڈا ہے اور پھر سوال ہوتا ہے کہ آخر انڈا کہاں سے پیدا ہوا تو نہایت آسانی سے جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ انڈا دوسری مرغی سے حاصل ہوا ہے۔ لیکن جب سلسلہ کلام آگے بڑھایا جائے اور کہا جائے کہ اچھا یہ انڈا مرغی سے پیدا ہوا لیکن یہ مرغی کس سے پیدا ہوئی اور یہ انڈا مرغی سے پیدا ہوا ہے تو لا محالہ ایک حد انتہا میں ایسی پیدا ہوگی جہاں سلسلہ جا کر رک جائے گا۔ کیونکہ پوچھا جائے گا کہ اچھا پہلی مرغی کے وجود کا مادہ یعنی پہلا انڈا کس سے پیدا ہوا۔ اگر کہو مرغی سے تو اس سے پہلے کوئی مرغی نہیں جس سے یہ انڈا ہوا۔ کیونکہ ہم نے پہلی مرغی کی بابت سوال کیا ہے اگر اس سے پہلے کوئی اور مرغی ہو تو یہ پہلی مرغی نہیں ہوگی۔ پس لا محالہ پہلا انڈا دور اور تسلسل کو حذف کرنے کے سبب معدوم محض رہا ہوگا۔ جسے اللہ کی عنایتِ کاملہ نے ظہور اور وجود دیا۔ اور اس کو نیستی سے نکال کر ہست کیا۔ کیا ہی سچ ہے۔ " خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۔ ہم ایسی ہی موجد و مبدع ذات کا نام اللہ قرار دیتے ہیں۔

وجودِ باری پر اختلافِ اشکال سے ایک اور استدلال

مادہ (جسکو آریہ اور دہریہ لوگ قدیم کہتے ہیں) ابتدائی حالت اور آغازِ دنیا میں کسی نہ کسی شکل سے ضرور متشکل ہوگا۔ اور یہ امر تو بالکل ظاہر ہے کہ جس شکل سے بھی وہ متشکل ہو وہ شکل حادث ہوگی۔ کیونکہ اگر حادث نہ ہوتی تو زائل بھی نہ ہوتی کیونکہ قدیم کو زوال نہیں۔ اس امر کو دنیا کے کل اہل عقل و اہل مذاہب حتی کے آریہ حضرات بھی مانتے ہیں۔ چنانچہ سوامی جی بارھویں سملاس ص 573 میں لکھتے ہیں۔ ازلی قدیم کا دور ہونا نا ممکن ہے پس جبکہ

اشکال کا زوال ہم بدیہی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ حالت ترتیب میں مادہ کی پہلی شکل نہیں رہتی اب بعد ازاں بھی ردوبدل ہوتا رہتا ہے لہٰذا شکل حادث ٹھہری اور یہ ضرور ہے کہ مادہ کسی نہ کسی شکل سے متشکل ہو کیونکہ شکل دائرہ یا احاطہ خطین یا خطوط مثلث یا خطوط مربع کا مثلاً نام ہے تو اب شکل کے حدوث سے مادہ کا حدوث لازم آیا۔ کیونکہ جو محل حوادث ہوتا ہے وہ خود حادث ہوتا ہے اب ہم کہتے ہیں کہ جب مادہ کا حدوث دلیل مذکور سے ثابت ہو گیا تو ضروری ہے کہ حادث کے لئے کوئی علتِ محدثہ ہو۔ کیونکہ شئے حادث بوجہ حدوث ممکن الوجود ہے اور چونکہ ممکن کے وجود وعدم میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح بلا مرجح ناجائز ہے اسلئے ایک علت مرجحہ کا ثبوت لازماً ماننا پڑتا ہے اسی مرجح اور محدث کا دوسرا نام ہم اللہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ خداوندِ عالم نے صورتوں کے اختلاف اور اشکال کے تغیر و تبدل کو اپنی ذات پاک کی آیات بینات میں شمار کیا ہے۔

نیستی سے ہستی دیکھ کر وجودِ باری کا استدلال

آریہ حضرات خدا تعالی کو فلاسفہ کی طرح محض ایک بہرا گونگا لولا بوچا بے زور بے اختیار کا خدا مانتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ خدا نیستی سے ہستی نہیں کر سکتا۔ کسی شئے کی تخلیق و ایجاد، تکوین و تصویر اسکے اختیار میں نہیں۔ بنابریں وہ روح و مادہ کو بھی غیر مخلوق غیر حادث اور انادی پدارتھ یعنی قدیم بالذات کہتے ہیں۔ اور کسی نیست و غیر موجود کے ہست و موجود ہونے کا سخت انکار کرتے ہیں۔ سیتارتھ پرکاش بھی سوامی جی نے جس قدر توہمات کئے ہیں ان کا جواب حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانیؔ مونگیری نے "نیست سے ہست" رسالہ میں مکمل کر دیا ہے ہم اس جگہ دو ایک دلیل خود سوامی جی کی کتاب ہی نقل کرتے ہیں جس سے نیستی سے ہستی کا ثبوت صاف ملے گا۔

نیستی سے ہستی پر دلیل اوّل

سوامی جی لکھتے ہیں کہ : "جو شے انادی (قدیم) ہے وہ کبھی دور نہیں ہو سکتی (سیتارتھ پرکاش باب 12 نمبر 72) فنا کا دور ہونا ناممکن ہے (باب 12 نمبر 51) چونکہ حسب اعتقاد آریہ سماج پرلے کے وقت اجسام متصلہ کا اتصال جاتا رہتا ہے اور ان پر انفصال طاری ہو جاتا ہے۔ (بھومکا ص 210)۔

اسلئے سوال یہ ہے کہ مادہ (پرماتو) میں یہ وصف اتصال قدیم ہے یا حادث۔ اگر قدیم ہے تو بوقت پرلے (فنا) ہے اس وصف (اتصال) کو زائل نہ ہونا چاہیئے کیونکہ جو شے انادی (قدیم) ہے اس کا دور ہونا ناممکن ہے (سیتارتھ) اور اگر یہ وصف اتصال پرماتو (مادہ) میں حادث ہے (جیسا کہ حسبِ قاعدہ مذکورہ بالا لازم آیا) تو نیستی سے ہستی ہو گئی۔

نیستی سے ہستی پر دلیل ثانی

اور چونکہ یہ بھی قاعدہ ہے کہ جو اشیاء غیر فانی ہیں ان کی صفات بھی غیر فانی ہیں۔ (ستیارتھ باب 7 نمبر 97) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس کو قدیم کہا جائے اس کی صفات بھی قدیم، غیر حادث ہوں گی۔ کیونکہ اگر صفات حادث ہوں تو قدیم محلِ حوادث بن جائے گا۔ اور محلِ حوادث خود حادث ہے

جیسا کہ سوامی جی فرماتے ہیں فانی جواہروں کے صفات بھی فانی ہوتے ہیں۔(باب 7 نمبر 79) اسلئے مادہ جو اتصال وانفصال کا محل بنتا رہتا ہے خود حادث ہو گا۔ اب اگر یہ حادث مادہ کسی اور مادہ سے بنے تو اس مادہ پر بھی یہی سوال ہو گا پس اگر یہ حادث مادہ ثانی کسی مادہ ثالث سے بنے تو اس پر بھی یہی سوال وارد ہو گا۔ وھکذا۔ تسلسل ودور باطل ہونے کی وجہ سے آخر ایک وقت ایسا ماننا پڑے گا کہ جب وہ نیست تھا اور ہست بحکم خدا ہوا۔

نیسی سے ہستی پر دلیل ثالث

بھومکا مترجمہ بابو نہال سنگھ آریہ ص322 کا مضمون ہے اس پر میشور نے پرتھوی یعنی زمین کے بنانے کے لئے پانی سے رس کو لیکر مٹی کو بنایا۔ اس طرح اگنی کے رس سے پانی کو پیدا کیا اور آگ کو ہوا سے اور ہوا کو آکاش سے اور آکاش کو پرکرتی (مادہ) سے اور پرکرتی کو اپنی "قدرت" سے پیدا کیا۔ پس نیستی سے ہستی کا ثبوت یوں ہے کہ ہم پوچھتے کہ قدرت نے پرکرتی کو پیدا کیا تو پرکرتی معدوم تھی یا موجود اگر موجود تھی تو پھر قدرت کے پیدا کرنے کے معنی کیا ہوئے۔ اور اگر معدوم (نیست) تھی جیسا کہ بھومکا ص210 کی عبارت اس پر گواہ ہے جس وقت یہ ذروں سے مل کر بنی ہوئی دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی اسوقت ست پرکرتی (یعنی کائنات کی غیر محسوس جن کو ست کہتے ہیں) وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرے) تھے بلکہ اس وقت صرف پربرہم کی سامرتھ (قدرت) یہ علت موجود تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا محض خداوندی قدرت سے پیدا ہوئی اور خدا کی زبردست ہستی نے نیست سے ہست کیا۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بہت خوب کہا۔

بامرش وجود از عالم نقش بست

کہ داند جز او کردن از نیست ہست (بوستاں)

نیستی کے بعد ہستی کے امثلہ

مثال اوّل:۔

(حسب اصول آریہ سماج) ابتدائے عالم میں انسان بغیر والدین کے پیدا ہوئے کیونکہ ابتدائی پیدائش (ایشوری سرشٹی) تھی۔(ستیارتھ ص 293 سملاس 8) پس آریہ کو بھی تسلیم ہے کہ آغاز دنیا میں نیستی سے ہستی پر میشور نے کی تھی۔

مثال ثانی:۔

ہم اس وقت ساکن ہیں تو حرکت یقیناً نیست ہے ہم چلنے لگیں تو وہ (نیست) حرکت موجود ہو جاتی ہے۔

مثال ثالث:۔

ہم اس وقت چپ ہیں تو ہماری گویائی یقینا معدوم (نیست) ہے۔ اب یہ معدوم گویائی جب ہم بولنے لگیں تو موجود ہو جاتی ہے۔ اسی طرف اللہ تعالی نے اشارہ فرمایا ہے۔ ''اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (سورہ ذاریات) کہ قیامت یا فناء عالم کے بعد ہستی اسی طرح ہوگی جس طرح خموشی کے بعد گویائی ہست ہوتی ہے۔ پس نیستی کے بعد ہستی کا انکار کرنا محض تحکم اور بلا دلیل امر ہے۔ اب یہ ہستی اور وجود بخشنا خدا تعالی کا کام ہے۔

نباتات کا تنوع، ہستی باری پر دلیل ہے

عالم نباتات پر غور کیجئے کہ بعض تو بیل بن کر زمین پر پھیلتے ہیں بعض اپنے قد پر کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر بعض کے پتے بڑے بڑے جیسا کہ ناریل اور کیلا، اور بعض کے باوجودیکہ درخت بڑا تن آور ہوتا ہے بہت ہی چھوٹے پتے جیسے املی، اور بعض کے پتے کم ہلتے ہیں اور بعض کے ایسے کہ ایک منٹ میں سو بار سے زیادہ حرکت کرتے ہیں جیسے پیپل، پھر بعض کے پھلوں میں اندر کا مغز کارآمد اور باہر کا چھلکا جیسے بادام اور بعض کا برعکس جیسے کھجور۔ بعض درخت تو بڑے تن آور ہوتے ہیں مگر پھل بہت ہی چھوٹے جیسے جامن اور بعض اس کے برعکس جیسا کہ تربوز بینگن وغیرہ۔ پھر پھلوں میں مٹھاس ہے تو صدہا قسم کی ترشی ہے تو وہ بھی گوناگوں۔ بعض ایسے ہیں کہ جن میں صرف پھل آتا ہے پھول نہیں جیسے گولر۔ بعض میں پھول آتا ہے پھل نہیں جیسے گلاب۔ اور بعض ایسے ہیں جن میں نہ پھل آتا ہے نہ پھول صرف ان کے پیڑ سے کام لیا جاتا ہے جیسے نیشکر۔ گنا۔ جن میں پھول آتا ہے ان پھولوں کی خوشبو ایک دوسرے سے کس قدر الگ ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نباتات کے یہ کرشمے مادہ کا کام ہیں یا اپنی طبیعت اور نیچر کی کاریگری ہے۔ مادہ فاعلہ نہیں منفعلہ ہوتا ہے پس مادہ کی طرف فعلیت فاعلیت کا انتساب ہی غلط ہے پھر اگر طبیعت و نیچر کو ان سب اختلافات و صدہا احوال کے لئے علت مان بھی لیں تو علت واحدہ کے معلول میں اتنے عظیم الشان متضاد و تفاوت کیونکر پیدا ہوا۔ (ماخوذ از تفسیر حقانی)۔

حکیم سنائی رحمہ اللہ کے دو مشہور شعر اسی طرزِ استدلال کے متعلق مشہور ہیں۔ لکھتے ہیں۔

چرا در یک زمین چندیں نبات مختلف بینم

ز نخل و نار و سیب و بید و چوں آبی و چوں زیتون

اگر علت طبائع شد وجود جملہ را چوں شد

یکے ممسک یکے مسہل یکے دارو یکے طاعون (شعر العجم)

اگر علت طبیعت ہے تو علت واحدہ کے معلول میں یہ اختلاف کیوں ہے کہ کوئی معلول ممسک ہے کوئی مسہل کوئی تریاق اور کوئی زہر۔ پس معلوم ہوا کہ موثر حقیقی کوئی اور ہے جو متضاد خواص و اثرات کا فاعل و جاعل ہے۔

مظاہر عالم کی تسخیر اور اس کی محکم تدبیر خدا کی ہستی پر دلیل ہے سورج چاند ستارے اپنے حسن وعظمت کے باوجود، اور زمین، دریا، پہاڑ، ہوا، ابر، برق، رعد اپنی وسعتِ قوت اور جلالت کے علی الرغم ایک محکم نظام حکمت کے ماتحت مقہور ومسخر ہیں۔ تولازماًان کے سوا کوئی اور ہے جو ان سب کا خالق اور سب پر فرماں رواہے۔ ان غور کرو کہ وہ کون ہے جو ان سب کا خالق اور سب پر آمر ومتصرف ہے اس سوال کو قرآن نے بار بار اٹھایا ہے اور اس کا جواب مشرک عربوں کی زبان سے بھی نقل کیا ہے کہ اس عالم کا خالق ایک عزیز حکیم ہے" وَلَئِنْ سَأَلْتُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ۔ (زخرف آیت نمبر 9)۔(اگر تم ان سے پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ جواب دیں گے ان کو عزیز وعلیم نے بنایا ہے)۔ کیونکہ جو شخص اس کائنات کے مظاہر پر غور کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا۔ کہ ان میں سے کسی کی طرف اس کائنات کی تخلیق کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ اس کائنات کی خالق کوئی ایسی ہی ذات ہو سکتی ہے جو عزت و کبریائی اور علم وحکمت کی تمام صفات کے ساتھ متصف ہو۔

یہاں اس امر کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ ان مظاہر میں سے جو جتنے ہی زیادہ شاندار ہیں ان کی پیشانی پر تذلل کا داغ اسی قدر زیادہ ابھرا ہو انظر آتا ہے۔ دنیا نے سورج، چاند کی سب سے زیادہ پرستش کی ہے حالانکہ ذلت و اطاعت، سجود وہبوط اور کسوف وخسوف کے جو آثار ہم ان میں دیکھتے ہیں دوسری کسی چیز میں بھی نہیں دیکھتے۔ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کی ہر قوت شتر بے مہار کی طرح اپنے رخ پر بڑھتی چلی جارہی ہے نہ وہ کسی نظام قاہر کی پابند معلوم ہوتی ہے نہ کسی بڑی قوت کی محکوم ومطیع۔ لیکن پھر دفعتہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مخفی ہاتھ اس کی باگ موڑ کر ایک سمت سے دوسری سمت پر لگا دیتا ہے۔ کتنی بار ہم سن چکے ہیں کہ بعض بڑے بڑے اجرامِ سماویہ کسی خاص رخ پر بڑھ چلے اور اگر اسی رخ پر بڑھتے چلے جاتے تولازم تھا کہ ہمارے کرۂ زمین سے ٹکرا جاتے اور کرہ زمین پاش پاش ہو کے رہ جاتا چنانچہ اسی طرح کے مشاہدات کی بنا پر کبھی کبھی بعض ماہرین فلکیات نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اتنی مدت کے اندر یہ زمین فلاں جرم سماوی سے ٹکرا جائے گی۔ لیکن جب وہ متعین وقت آیا دفعتہ اس جرم نے اپنا رخ اس طرح بدل دیا گویا کسی سوار نے مرکب کی باگ موڑ دی۔ اور وہ عظیم خطرہ جو ہماری اس دنیا کے بالکل سر پر آگیا تھا یکایک دفع ہو گیا۔

تھی خبر گرم کہ غالبؔ کے اُڑیں گے پرزے

دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشہ نہ ہوا

غور کرو وہ راکب کون ہے۔ کون ہے جو عناصر اور اجرام واجسام کی باگیں تھامے ہوئے ہے جس حد تک چاہتا ہے ان کو ڈھیلا کرتا ہے اور پھر جہاں چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ اور اسکے بعد وہ ایک انچ بھی بڑھنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔ کیا محض یہ محض اتفاق سے مقدم ہے۔ کیا یہ اندھی بہری قوتوں کی اپنی صواب دید سے سب کچھ ہو رہا ہے۔ کیا عقل بشری اور قلبِ انسانی کو ان جوابات سے تشفی وطمانیت مل سکتی ہے۔ قرآن اس کا جواب یہ دیتا ہے۔ کہ" اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا۔ وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔ (فاطر)

(اللہ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو کوئی اسکے بعد ان کا تھامنے والا نہیں ہے۔ بے شک وہ نہایت حلیم اور بخشنے والا ہے۔) کون ہے جو اس جواب کی سچائی کا انکار کر سکتا ہے۔ یہ وہ تدبیر و نظام ہے جو اس مادی دنیا کے قویٰ و عناصر کے درمیان ہم دیکھتے ہیں (ماخوذ از رسالہ ترجمان القرآن نومبر دسمبر 1944ء۔

ایجاداتِ عالم اللہ کی ہستی پر دلیل ناطق ہیں

انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ میں ایک مقالہ کسی اہل علم نے پڑھا تھا۔ اس کا اقتباس مع کچھ ایجادات کے ہم اس جگہ نقل کرتے ہیں۔ اس کے پڑھنے سے اندازہ ہو گا کہ فکر و غور کے بعد وجودِ صانع کی معرفت بہت کچھ آسان نظر آنے لگتی ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے سچ فرمایا ہے۔

برگ سبز درختاں در نظر ہوشیار

ہر ورقش دفتریست از معرفت کردگار

ناظرین کرام ! جب دنیا کی چھوٹی چھوٹی (میز، کرسی، قلم، دوات، کاغذ، بجلی، تار، ریل، وغیرہ) چیزیں اپنے آپ نہیں بن گئیں۔ کسی کاریگر کے بنانے سے بنی ہیں تو پھر یہ آدمی اور حیوان، زمین اور آسمان، کس طرح بنے درخت کیونکر اگے۔ پہاڑ کہاں سے آئے۔ سورج چاند ستارے روشن ہوئے تو کس طرح؟ کیا یہ سب اپنے آپ بن گئے۔ کیا کسی آدمی نے نہیں بنایا۔ کیا یہ کسی درخت، پہاڑ، دریا کی کاریگری ہے۔ یا سورج، چاند ستارے جمادات نبادات اپنے آپ بن گئے؟ نہیں... بلکہ ان کی بنانے والی کوئی ایسی ذات جس کی طاقت۔ جس کی صنعت جس کی حکمت جس کی سمجھ سب سے بڑھ کر ہے وہی خدا ہے، اسی کا نام اللہ ہے۔ اس اجمال کی تھوڑی ہی تفصیل عرض ہے جو قابل حفظ ہے۔ کائنات میں اوّل چیز ہوا ہے جو دم بھر کے لئے نہ ملے تو انسان کا وہی حال ہو جو بن پانی کے مچھلی کا۔ انسان دم گھٹ کر مر جائے۔

دوم پانی ہے۔ اگرچہ اس کے پئے بغیر تھوڑے عرصہ تک آدمی زندہ رہ سکتا ہے لیکن اگر پانی بالکل ہی نہ ملے تو انسان پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر جان دیدے۔ پانی ہمارے پینے نہانے۔ لباس اور برتن دھونے ہی کے کام نہیں آتا، بلکہ اسکے بغیر نہ غلہ پیدا ہو نہ جانور زندہ رہ سکیں۔ نہ ہوا ہی سانس لینے کے قابل رہے۔ دیکھتے نہیں گرمیوں میں جب بارش نہیں ہوتی۔ ہوا میں پانی کی ملاوٹ کم ہو جاتی ہے اور لو چلنے لگتی ہے تو کیسی مشکل ہوتی ہے۔ سوم روشنیؔ (چاند، سورج وغیرہ) ہے۔ یہ نہ ہو تو گھپ اندھیرے میں کسی شے کو نہ دیکھ سکیں۔ ٹکرا ٹکرا کر مر جائیں۔

چہارم زمینؔ ہے۔ یہ نہ ہو تو ہم کہاں رہیں، گھر بنائیں تو کیونکر، ٹھہریں تو کس پر، کھانے کی چیزیں لائیں تو کہاں سے، کھانا پکائیں تو کس جگہ۔

پنجم سب سے بڑی چیز خود ہماری جانؔ ہے۔ اگر یہی نہ ہو تو ہم کون اور ہماری حقیقت کیا۔ مٹی کے ڈھیلے اور ہم میں کچھ فرق نہ ہو گا۔ اب دیکھنے اور سمجھنے کے قابل یہ بات ہے کہ یہ چیزیں ہمیں کس نے عنایت کی ہیں۔ آؤ اسی پر غور کریں اور سوچیں، ماں باپ تمہیں روٹی کھلاتے ہیں، کپڑا پہناتے ہیں تو اپنے مقدور کے موافق۔ استاد علم پڑھاتا ہے تو اپنے علم کے بموجب۔ حاکم کسی مجرم کو سزا دیتا ہے تو اپنے اختیار کے اندر۔ اسی طرح جو چیزیں ہمیں ہر

وقت برتنے کے لئے ملی ہوئی ہیں ان کے عطا کرنے والے کو پہچاننے کے واسطے ضروری ہے کہ دیکھیں کس میں اتنا مقدور ہے کہ وہ ایسی بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق کرسکے۔ جس میں اتنی طاقت معلوم ہو گی ہم اسے ہی ان چیزوں کا عطا کرنے والا قرار دے سکیں گے۔ پس اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہوا، پانی، زمیں، روشنی اور لاکھوں چیزیں دینے کی طاقت کس میں ہے۔ اس امر کے معلوم کرنے کے لئے ہم دنیا کی بڑی بڑی چیزوں میں سے ایک ایک کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں کتنی قدرت ہے اور ان میں کوئی بھی ایسی ہے جسے ان سب چیزوں کا بنانے والا فاطر ومبدع قرار دے سکیں۔

ہوا کی طاقت

سب سے پہلے ہوا کو لیں اور دیکھیں اس میں کتنی قوت ہے شاید آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ بڑی طاقت والی شے ہے کیونکہ جب آندھی آتی ہے تو بڑے بڑے درختوں کا جڑ سے اکھیڑ کر پھینکتی ہے۔ کبھی کبھی عالیشان مضبوط مکانوں کا بھی ستیاناس کر دیتی ہے۔ لیکن ہم اس کی طاقت کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ دیکھیں وہ خود بخود کیا کر سکتی ہے اس مر کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایک برتن لو۔ اس میں ہوا بھری ہوتی ہے اس کے منہ کو اس طرح بند کر دو کہ وہ کسی طرح نکلنے نہ پائے۔ اب اس برتن کو کسی جگہ الگ رکھ دو اور دیکھو کہ اس برتن کی ہوا کیا کر سکتی ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں سال برتن پڑا رہے۔ تو نہ تو اپنے آپ ہوا اس میں سے نکل......

سکے گی نہ برتن کو کہیں لے جاسکے گی اور نہ اور کسی قسم کی کوئی بات اس سے ہو سکے گی۔ جس سے ظاہر ہے کہ وہ ایسی محتاج اور بے بس ہے کہ جب تک اسے کوئی برتن میں سے نہ نکالے۔ اپنے آپ نہیں نکل سکتی۔ پھر ایسی چیز میں بھلا یہ قدرت کہاں کہ اوروں کو کوئی چیز بنا کر دے۔

پانی کی طاقت

پانی کو لو تو اس کا بھی یہی حال ہے برتن میں ڈال کر اسے ابھی رکھ دیکھو۔ ہوا کی طرح یہ بھی کچھ نہ کر سکے گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کا محتاج ہے۔ اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتا اور اسی واسطے اسے بھی کسی چیز کا بنانے والا نہیں مان سکتے۔

درختوں وجانوروں کی طاقت

ہوا اور پانی کے سوا اور لاکھوں چیزیں ہیں آیئے ان میں سے دو چار کی طاقت کا اندازہ کریں۔ پہلی ہی نظر میں اونچے اونچے درخت نظر آتے ہیں۔ جن کی صورت و شکل دیکھکر حیرت ہوتی ہے یا جنگل پہاڑ، دریا، اور سمندر میں نئی نئی صورت نئی نئی شکل کے جانور دکھائی دیتے ہیں جن کو دیکھ کر عقل چکراتی ہے۔ مگر کیا ان میں سے کسی درخت مثلاً بڑ، پیپل نے ہمیں یہ آرام کی چیزیں عطا کی ہیں یا کسی حیوان مثلاً شیر، مگرمچھ، بیل، گائے نے؟ اس کا جواب دینے سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ خود ان کا کیا حال ہے وہ تو ہوا، پانی اور روشنی وغیرہ کے ایسے محتاج ہیں کہ انکے بغیر دم بھر نہیں رہ سکتے۔ پھر کیونکر مان لیں کہ ان میں سے کسی نے یہ چیزیں ہمیں بنا کر دی ہیں۔ درختوں اور جانوروں کی نسبت ایسا خیال کرنا کہ ان میں سے کسی نے ہمیں یہ چیزیں عطا کی ہیں، بہت ہی بیہودہ اور نکمی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ خود ہم سے بھی قوت وطاقت میں بہت کم ہیں۔ دیکھو ہم سب آدمی مل کر چاہیں تو سارے درختوں

کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکیں۔ سارے جانوروں کو ایک ایک کر کے مار ڈالیں، درختوں کو ہوا، پانی اور روشنی وغیرہ پہنچنے پر بھی ہم انہیں چاہیں تو بڑھنے نہ دیں بلکہ سرسبز وشاداب ہی ہونے نہ دیں۔ جانوروں کو ایسا تنگ کریں کہ وہ کھانے پینے کی سب چیزیں سامنے موجود پائیں مگر ہم انہیں ایک بھی نہ لینے دیں وہ ہزاروں جتن اور جان توڑ محنت و کوشش کریں مگر کچھ نہ کر سکیں، بے بس ہو کر بھوکے پیاسے مر جائیں پھر ایسی چیزوں کو کیا منہ کہ ہم ان کو نعمتوں کا دینے والا قرار دیں۔

پہاڑ کی طاقت

زمین کی سطح پر پہاڑوں سے بڑی کوئی چیز نظر نہیں آتی مگر کیا ان میں بھی یہ طاقت ہے کہ انہوں نے ہمیں یہ چیزیں بنا کر دی ہوں۔ وہ تو درختوں اور جانوروں سے بھی زیادہ بے بس ہیں جانور جہاں چاہے جا سکتا ہے ہزاروں کام کی چیزیں بنا سکتا ہے جو چیز چاہے اسکے لینے کے لئے کوشش کرتا ہے اور اکثر محنت کر کے حاصل کر لیتا ہے درخت گو کہیں جا تو نہیں سکتے مگر پھر بھی اپنی جگہ کھڑے کھڑے بڑھتے ہیں۔ زمین میں سے اپنی خوراک کھینچتے ہیں اور سرسبز وشاداب رہتے ہیں ان میں میوے لگتے ہیں، پھول آتے ہیں، بیج پیدا ہوتے ہیں، جن سے ان کی پود پھیلتی اور نسل بڑھتی ہے۔ لیکن پہاڑ جہاں کھڑے ہیں نہ ہل جل سکیں نہ کہیں جا اس کیں۔ پہلے دن سے جتنے اونچے بنے ہیں نہ اس سے اونچے بڑھ سکیں نہ نیچے ہو سکیں نہ ان کی پود پھیلے نہ نسل چلے۔ وہ تو پتھر ہیں نہ کسی کو پکڑ کر اپنے پاس لا سکیں نہ کسی کو اپنے اوپر سے ہٹا سکیں۔ پھر ایسی بے بس چیز میں یہ طاقت کہاں کہ ہمارے جیسے بااختیار جاندار کی ضرورتیں پوری کرے اور ہمیں وہ چیزیں بنا کر دے جو اس سے بھی زیادہ طاقت و قدرت کی ہیں۔

چاند وستاروں کی طاقت

ہوا و پانی کے ساتھ ایک بڑی ضروری چیز روشنی بھی ہے آؤ اس کی طاقت و قدرت بھی دیکھ لیں۔ لیمپ، چراغ اور آگ کی روشنی بھی کوئی شے ہے جسے ہم خود ایک ترکیب سے بناتے اور جب تک چاہتے ہیں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہاں البتہ کوئی شے ہے تو چاند اور سورج کی روشنی۔ اگرچہ ہم اسے بند مکان بنا کر پہونچنے نہیں دیتے مگر پھر بھی ہمارا اس پر کچھ قابو نہیں نہ تو دن میں سورج کی روشنی کو ہٹا سکیں نہ رات کو چاند کی روشنی کا کچھ بگاڑ سکیں لیکن دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ اسمیں اتنی قدرت ہے نہیں کہ اس نے ہمارے لئے کوئی اور چیز بنائی ہو رات کے وقت ستاروں کی چمک اور چاند کی روشنی کیا بہار دیتی ہے لیکن چاند اور اکثر ستاروں کی روشنی اپنی نہیں یہ مستعار ہے یہ منور بالذات نہیں......بلکہ منور بالغیر ہیں۔ کیونکہ ان میں جو روشنی ہے وہ سورج کی دی ہوئی ہے اس سے تمہیں ستاروں اور چاند کی روشنی کی حقیقت کھل گئی کہ وہ کوئی الگ شے نہیں اور اس لئے نہ ان کی روشنی اور نہ وہ خود اس قابل ہیں کہ وہ ہمارے لئے کوئی چیز بنائیں۔

سورج کی طاقت

سورج کی روشنی کی طاقت کے اندازہ کرنے کو تو جانے دو خود سورج ہی کو لو۔ اگر اسمیں یہ طاقت نہ پائی جائے کہ وہ ہمارے واسطے کوئی چیز بنا سکے۔ تو پھر اس سے نکلی ہوئی روشنی کا کیا مقدور کہ ایسا کر سکے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سورج سال بھر میں ایک معین انداز سے ادھر ادھر سرکتا ہے جتنے وقت ایک سال میں ہر روز ہمیں نظر آتا ہے اتنے ہی وقت دوسرے سال میں نظر آتا ہے جتنی دیر تک سال میں ہر رات کو ہماری نظر سے غائب رہتا ہے اتنی ہی دیر دوسرے سال میں بھی غائب رہتا ہے جتنی دور ہم سے آج ہے اتنی دور ہمیشہ رہا ہے نہ کبھی معین انداز میں دور ہوا۔ نہ نزدیک آیا۔ ایک چکر میں پڑا ہوا ہے رات ہو یا دن ایک ہی رفتار سے چل رہا ہے ہمیشہ مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوبتا ہے۔

ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ڈوبتے ڈوبتے اوپر چڑھنے لگا ہو۔ اور جدھر سے گیا تھا ادھر سے واپس آیا ہو یا کبھی شمال کو چل نکلا ہو یا جنوب کی طرف رخ کیا ہو۔ ہم جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ کبھی بیٹھتے ہیں، کبھی چلتے ہیں، ابھی مشرق کو جارہے تھے کہ جی گھبرایا مغرب کو چل کھڑے ہوئے یا شمال کی راہ لی۔ ادھر سے طبیعت اکتائی تو جنوب کی سیر کو روانہ ہو گئے۔ غرض نہ ہم ایک جگہ کے پابند ہیں، نہ ایک خاص طرف جانے کے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہم اپنے ارادہ سے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ مگر سورج کی مجال نہیں کہ وہ جس چال سے چل رہا ہے اسے بدل دے...... جدھر کو جانا ہو ادھر سے منہ موڑ کر اور طرف جا سکے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے اختیار میں نہیں جس طرح ہم ایک کل کو چلا دیتے ہیں اور جب تک نہ روکیں وہ ایک ہی طرح کام کئے جاتی ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک کل ہے جو کسی اعلیٰ طاقت نے چلا رکھی ہے اور جب یہ بات ہے تو اس خوب صورت منور سورج کا جو ہم سے بھی زیادہ مجبور ہے یہ حق نہیں کہ ہم اسے ان چیزوں کا بنانے والا مان لیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔

موجوداتِ عالم کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے

اوپر کے بیان سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو ان عجیب و نفیس موجوداتِ عالم کی ایجاد کر سکتی ہو اس سے تمہارے دل میں شاید یہ خیال پیدا ہو کہ کوئی آدمی ہی ایسا ہو گا جس نے ہماری ضرورت کی ان چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ لیکن یاد رکھو کہ یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ جس طرح ایک آدمی دنیا کی چیزوں کا محتاج ہے اسی طرح کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو احتیاج سے خالی نہیں۔ جس طرح انسان کو ہوا، پانی، روشنی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہے اور ان کے بغیر گزارا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بادشاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا فقیر، دنیا دار ہو یا تارک الدنیا (ولی)، چھوٹا ہو یا بڑا، پیر ہو یا پیغمبر، سب کے سب ان چیزوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ کسی کو اپنی جان پر اختیار نہیں۔ کوئی اپنی عمر بڑھا نہیں سکتا۔ کوئی اپنے آپ کو مرنے سے بچا نہیں سکتا۔ پس اس صورت میں کوئی آدمی بھی اس قابل نہیں کہ ہم اسے اپنی ضرورت کی چیزوں کا بنا دینے والا سمجھ سکیں۔ پس ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کی چیزیں نہ تو اپنے آپ بن گئی ہیں نہ دنیا کی مخلوق میں سے کسی نے بنائی ہیں۔ بلکہ کسی بالاتر اور باقدرت و پر حکمت ذات کی صنّاعی و خلاّقی کا یہ سارا عالم جلوہ نما ہے اور اسی نے یہ نہایت ہی مفید چیزیں تخلیق کی ہیں ہم ایسی مبدع و فاطر ذات کا نام اللہ تعالی رکھتے ہیں۔ پس مظاہر عالم اللہ کی ہستی پر زبردست دلیل ہیں۔

انتباہ

ہم سرسری نظر یں رات، دن، سورج، چاند، ہوا، پانی، پہاڑ، درخت کو دیکھتے ہیں اور ان کو آیۃ اللہ یعنی اللہ کی ہستی پر دلیلِ ناطق سمجھنے پر توجہ نہیں دے پاتے ورنہ جیسا کہ بدلالتِ واضحہ ثابت کر دیا گیا ہے یہ سب اشیاء ایک قادر کی ہستی کا صاف پتہ دیتی ہیں۔ عرفی رحمہ اللہ نے کیا خوب لکھا ہے۔

ہر کس نہ شناشندہ راز است و گرنہ

اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

موجوداتِ عالم کا نظم و ترتیب ہستی خدا پر شاہد عادل ہے

آج تحقیقات و تدقیقات نے بتایا ہے کہ ارسطو وافلاطون وغیرہ اس مسئلہ کو حل نہ کر سکے۔ البتہ جو قرآن مجید کا طریقہ استدلال ہے وہ ایک اچھوتا اور صاف و سادہ استدلال ہے جس کو بڑے بڑے فلاسفر و حکماء نے انتہائی غور و فکر کے بعد اللہ کے ثبوت میں پیش کیا۔ مثلاً دنیا میں جب ہم کسی چیز کو مرتب با قاعدہ دیکھتے ہیں تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ کسی دانش مند نے اسے ترتیب دی ہے اگر کسی جگہ چند چیزیں بے ترتیب دیکھیں تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزیں جمع ہو گئیں ہو نگی۔ لیکن جب وہ اس خاص ترتیب و سلیقہ سے چنی گئی ہوں کہ ایک ہوشیار صنّاع بھی بہ مشکل اس طرح چن سکتا ہو تو یہ خیال کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی۔ پس ناممکن ہے کہ نظام عالم جو اس قدر با قاعدہ مرتب اور موزوں ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو قرآن مجید میں اللہ کے وجود پر اسی سے استدلال ہے۔ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ اور وَمَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ "ترجمہ" یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر شے کو خوب پختہ طور سے بنایا۔ اللہ کی کاریگری میں تم کو کہیں فرق نظر نہیں آئے گا۔ پھر دوبارہ دیکھو کہیں کوئی دراڑ دکھائی دیتی ہے "(یعنی بالکل کامل اور بے نقص ہے) خلق کل شئ فقدرہ تقدیرا۔ (اللہ نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اس کا اندازہ معین کیا۔) یعنی موزوں اور صحیح اندازہ سے مرتب کیا ہے۔ لا تبدیل لخلق اللہ۔ یعنی اللہ نے ایسے اصول و ضوابط کے ماتحت عالم کو رکھا ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتے۔ اب جو چیز اسطرح کامل مرتب مستمر النظام ہو گی وہ خود بخود پیدا نہیں ہو گی بلکہ کسی صاحبِ قدرت اور صاحبِ اختیار نے پیدا کیا ہو گا۔ اور وہی اللہ ہے۔

اللہ کی ہستی کا انکار اس لئے نہیں ہو سکتا کہ وہ دکھائی نہیں دیتا۔

یہ سوال بالعموم ابنائے فطرت و رفقائے دہر کی طرف سے پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اس لئے قابلِ قبول نہیں کہ اس کو کسی نے دیکھا نہیں جواب یہ ہے کہ انسان مختلف چیزوں کو مختلف حواس سے جانتا ہے کسی کو دیکھ کر جیسے رنگ وغیرہ، کسی کو چھو کر، کسی کو سونگھ کر جیسے خوشبو وغیرہ، کسی کو چکھ کر جیسے ذائقہ والی چیز، کسی کو سنکر جیسے آواز وغیرہ۔ اگر کوئی شخص کہے آواز دکھا دو، خوشبو چکھا دو، ذائقہ سنگھا دو تب ہم ان چیزوں کا وجود مانیں گے تو یہ اس کا جہل ہے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز ہمارے حسیات سے معلوم ہو سکے اسکو تو مان لیں اور جو ان سے نہ معلوم ہو ان کا انکار کریں۔

اگر ایسا ہے تو گلاب کی خوشبو، لیموں کی ترشی، شہد کی شیرینی، لوہے کی سختی، آواز کی خوبی سے انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں نظر نہیں آتیں۔ بلکہ حواسِ مخصوصہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں گالی گلوچ کا اثر ہم محسوس تو کرتے ہیں لیکن ہم دیکھتے نہیں۔ اور یہ ان محسوسات کے علاوہ ہے۔ ان مثالوں کا یہ منشاء ہے کہ تمام چیزیں صرف دیکھنے سے ہی معلوم یا حاصل نہیں ہوتیں بلکہ پانچ مختلف حسیات سے ان کا علم ہوتا ہے۔

عقل، حافظہ، روح، نہ مدرک بالبصر ہے نہ مدرک بالحواس

عقل وروح وغیرہ ایسی ہی چیزیں ہیں جن کا علم ان حسیات کے علاوہ اور ذرائع سے ہوتا ہے مثلاً عقل، حافظہ، روح، ذہن ایسی چیزیں ہیں جنکا وجود مسلّم ہے لیکن کوئی عاقل بتا سکتا ہے کہ انمیں سے کسی شے کو کسی نے دیکھا، سنا، یا چکھا یا ان حواسِ خمسہ میں سے کسی کے ذریعہ سے دریافت کیا ہے۔ نہیں ہر گز نہیں۔ بلکہ ان چیزوں کا پتہ اثرات سے چلتا ہے۔ مثلاً جب ہم نے کسی کو بڑا بھاری بوجھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو سمجھا کہ اسمیں کچھ ایسا مادہ ہے جس کی وجہ سے یہ بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ ہم نے قوت وطاقت کو دیکھا نہیں، سونگھا نہیں، چکھا نہیں، چھوا نہیں، پھر بھی اس کی طاقت کا علم ہو گیا۔ علی ھذا القیاس جس قدر لطیف اشیاء ہیں انکا وجود انسان کی نظر سے غائب ہے۔ لیکن بلحاظ اپنے اثر کے معلوم ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات جو حد درجہ لطیف ہے بطور محسوسات کے دریافت نہ ہو سکنے سے اسکے وجود سے انکار کیوں کر درست ہو گا۔ الیکٹرسٹی کے ذریعہ سے جو خبریں پہنچتی ہیں کیا انکو کسی نے دیکھا ؟ سورج کی روشنی دنیا تک پہنچے کا ذریعہ کسی نے دیکھا ؟ جب نہیں دیکھا تو انکے وجود سے سوا مجنون کے انکار کرنے والا کون ہے۔ ان شواہد کے ہوتے ہوئے یہ کہنا صریح ظلم ہے کہ باری تعالیٰ کا وجود دیکھے جانے کے بعد قابلِ قبول ہے۔ قرآن میں اشارہ ہے لا تدرکہ الابصار ھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی آنکھوں سے اللہ کو بوجہ لطیف ہونے کے نہیں دیکھ سکتا۔ جسطرح سے عقل وحافظہ وروح قوت وغیرہ انسان کی قوت بصارت سے باہر ہے۔

ایک ہندو فلسفی کی شہادت

یہ بات تو ہنود میں بھی مسلّم ہے کہ انسان اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا چنانچہ نو سمرتی گیارھویں ادھیانے آٹھویں منتر میں یہ لکھا ہے کہ ارجن نے شری کرشن جی سے جب خدا کی جلالی وجمالی صورت دیکھنے کی خواہش کی تو جواب ملا کہ تو مجھے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا پس ان کا وھم ھباء و منشورا ہو گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ زمین وآسمان کے قادر کا وجود ہے گو اسکو کسی نے نہیں دیکھا۔

اشیاء کا خود بخود نہ ہو سکنا وجودِ باری پر دلیل ہے۔

اگر کوئی شخص آپ سے کہے کہ بازار میں ایک ایسی دکان ہے جس کا کوئی دکاندار نہیں ہے نہ کوئی اسمیں مال لانے والا ہے نہ بیچنے والا ہے نہ کوئی اس کی رکھوالی کرتا ہے دکان خود بخود چل رہی ہے۔ خود بخود اسمیں مال آجاتا ہے اور خود خریداروں کے ہاتھ فروخت ہو جاتا ہے تو کیا آپ ایسے شخص کی بات مان لیں گے۔ فرض کیجئے۔ ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ اس بستی میں ایک کارخانہ ہے جس کا نہ کوئی مالک ہے نہ کوئی انجینئر نہ مستری۔ کارخانہ خود بخود قائم ہو گیا ہے ساری مشینیں خود بخود بن گئیں۔ خود ہی سارے پرزے اپنی اپنی جگہ لگ گئے۔ خود ہی سب مشینیں چل رہی ہیں۔ سچ بتایئے جو شخص

آپ سے یہ بات کہے گا آپ حیرت سے اسکا منہ نہ تکنے لگیں گے کہ اسکا دماغ کہیں خراب تو نہیں ہو گیا ہے۔ اب غور کیجئے ایک معمولی دکان کے متعلق جب آپکی یہ عقل یہ نہیں مان سکتی کہ وہ کسی دکاندار کے بغیر قائم ہو گئی اور کسی چلانے والے کے بغیر چل رہی ہے۔ جب ایک ذراسے کارخانے کے متعلق آپ ماننے کیلئے تیار نہیں ہو سکتے کہ وہ کسی بنانے والے کے بغیر بن جائیگا اور کسی چلانے والے کے بغیر چلتا رہے گا تو یہ زمین و آسمان کا زبردست کارخانہ جو آپکے سامنے چل رہا ہے جس میں چاند سورج اور بڑے بڑے ستارے گھڑی کے پرزے کی طرح حرکت کر رہے ہیں کیا بغیر کسی بنانے والے کے خود بن گیا اور کسی چلانے والے کے بغیر خود چل رہا ہے۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد

ہیچ آہن خود بخود تیغے نہ شد

پس سورج چاند ستارے بھی خود بخود نہیں بن سکتے بلکہ کسی زبردست اور پر حکمت ذات کی ایجادات و تخلیق اور اسکے تدبیر و انتظام سے ہی پیدا ہوئے ہیں ایسی بالا دست و پر قوت ذات کا نام ہم اللہ تعالیٰ رکھتے ہیں۔

(ماخوذ از لیکچر مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی) پس باری تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت خود اس کی مصنوعات و مخلوقات ہیں۔ مولانا حالی لکھتے ہیں۔

مسلم نے حرم میں راگ گایا تیرا ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے انکار کسی سے بر نہ آیا تیرا

ہستی خدا پر استدلال

اللہ کی ہستی پر بمبئی میں ایک فاضل مقرر کی تقریر تھی۔ چار بجے دن کا وقت تھا۔ جب یہ پہنچے تو لوگوں نے کہا۔ آپ دیر کر کے آئے۔ انہوں نے اپنی گھڑی نکالی تو چند منٹ باقی تھے۔ کسی کی گھڑی میں 4 منٹ زیادہ کسی میں کم۔ یہ کہہ کر فاضل مقرر نے نتیجہ نکالا کہ جب یہ چھوٹی سی گھڑی جس کی اس قدر حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ وقت پر ٹھیک نہیں چل سکتی تو اتنے بڑے سورج چاند وغیرہ بغیر محافظ کے کیونکر چل سکتے ہیں جن کی بابت کبھی لیٹ ہونے یا خراب ہونے کا جھگڑا ابھی نہیں سنا؟ سچ ہے۔

کانٹا ہے ہر اک دل میں اٹکا تیرا آویزہ ہے ہر گوش میں لٹکا تیرا

مانا نہیں جس نے تجھکو جانا ہے ضرور بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

مظاہر فطرت کا انضباط و انقیاد اللہ کی ہستی پر دلیل ہے

ایک معمولی گھڑی بغیر کسی ماہر فن گھڑی ساز کے تیار نہیں ہو سکتی تو مظاہر فطرت سورج، چاند، ستاروں کا وجود اور ان کا نظم و انضباط اور مختلف ممالک اور موسموں میں انکی مقررہ معیاد کی پابندی، فعّالِ حقیقی کے بغیر ناممکن ہے۔

چاند سورج کے دعویٰ ایجاد سے صدیوں کی خاموشی ہستی باری کی دلیل

آج زمین کے کروی اور مسطح ہونے پر جھگڑا ہے اسی طرح سورج اور دوسرے سیّاروں کی حرکت و سکون کا جھگڑا ہے کہ زمین حرکت کر رہی ہے اور یہ سب ساکن ہیں یا یہ کہ زمین ساکن ہے اور یہ سب افلاک سورج چاند ستارے زمین کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ تھا خیال بطلیموس کا۔ بعد میں بطلیموس نظام غلط ٹھہرایا گیا ہے فیثا غورث کا نظریہ مرکزیتِ شمس کا یورپ نے تسلیم کیا یعنی زمین اور دوسرے اجرامِ فلکی سورج کے گرد گھومتے ہیں۔ چنانچہ 1622ء سے باضابطہ اس نظریہ کے قائل ہو گئے۔

مختصر یہ کہ زمین کے کرہ یا مسطح ہونے اور اجرامِ فلکی سورج چاند اور زمین کے حرکت و سکون کے مابین طول طویل جھگڑے اور طرح طرح کے نظریات پیدا ہوئے۔ لیکن آج تک کوئی یہ نہ کہہ سکا نہ کسی کے قلم نے یہ لکھا کہ زمین و سورج و سیاروں کا موجد یا صانع فلاں حکیم یا ڈاکٹر گذرا ہے بلکہ تمام لوگ ان محیّر العقول و پر شکوہ اجرامِ فلکی اور زمین کو صرف قدرت کا ایک شاہکار سمجھتے ہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ سیّارے یہ شمس و قمر جب کسی انسان کی تخلیق و ایجاد کی طرف منسوب نہیں اور خود بخود ہو بھی نہیں سکتے پس لامحالہ کوئی ہستی انسانی طاقت سے برتر و بالا دست ثابت ہوئی کہ اس نے اس کی تخلیق و تکوین فرمائی۔

زمین ہستی باری تعالیٰ پر دلیل ناطق ہے

سائنس آج اس ترقی پر پہنچی ہے۔ لیکن زمین کا ایک چپہ یا یاک چھوٹا سا طبق صوبہ یو، پی یا سی، پی کے برابر بلکہ اس کے ایک ضلع کے برابر بھی زمین کا ایک چپہ نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ یہ اللہ کی شان ہے جیسا کہ فرمایا:۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (طلاق آیت نمبر 12) وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ اَنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ'' (روم آیت نمبر 22) وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا'' (سورہ رعد آیت نمبر 3)۔

آج یہ جھگڑا اتحادی و محوری قوموں کا محض ہوسِ ملک گیری و جوع الارضی کے ماتحت ہے سورج، چاند اور سیاروں کے منافع کے لئے جھگڑا نہیں ہے بلکہ نفسِ زمین کی تحصیل کے لئے، جرمنی یا جاپان اربوں روپیہ فی سیکنڈ اور ہزاروں جانیں یومیہ برباد کرنے کی جگہ کیوں نہیں زمین کا ایک طبق اور طبق در طبق اپنے ممالک کے اوپر بنا کر اس کو گل و گلزار بنا ڈالیں۔ اس پر آبادیاں قائم کریں اپنی قوم کو بسائیں کاشت کاری زراعت سے ہرا بھرا کر دیں یا بڑے

بڑے اربابِ کمال موجدینِ سائنس برطانیہ میں بھی آباد ہیں۔ اتحادی سلطنتیں ان ہنرمندوں سے زمین کا کوئی طبق بنوا کر ان کے آگے ایک زمینی لقمہ ڈال کر ان کی جوع الارضی و جنگ کا خاتمہ کیوں نہیں کر ڈالتیں۔ کیوں اربوں کروڑوں جان و مال کا یومیہ نقصان برداشت کر رہی ہیں۔ لیکن کوئی نہیں جو اس جوہریت ارضی کے جواب میں ایسی ہی زمین بنا سکے جو نہ لوہا کی طرح سخت ہو کہ نباتات کی روئیدگی ناممکن ہو جائے اور نہ بالکل نرم ہو کہ اس میں عمارات اور مکانات کا قیام ناممکن ہو جائے بلکہ زمین بین بین ایک خاص جوہریت اور خاص طرح کی قابلیت کی نشو نما رکھتی ہو۔ چونکہ آج تک باوجود سخت احتیاج و افتاء کے ارباب سائنس اس کی ایجاد نہ کر سکے۔ اور نہ الیٰ یوم القیامت بنا سکیں گے اس سے معلوم ہوا کہ زمین اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت پر اعلیٰ دلیل ہے۔

نباتات الارض ہستی خدا پر دلیل ناطق ہیں

آج بھی جنگ میں غلوں کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ اسلئے کہ ان کو کھا کر فوج زندہ و طاقتور ہے۔ قدرتی طریقہ غلوں کے پیدا ہونے کا یہ ہے کہ زمین میں بیج ڈالا جاتا ہے اور سورج، چاند، ستارے و ہوا پانی اس کی پرورش کرتے ہیں۔ اور مختلف فصلوں میں مختلف معیاد تک پرورش پا کر تیار ہوتے رہتے ہیں یہ نشو نما یہ نباتات الارض اور اس کی پیدائش اللہ کی ہستی کی دلیل ہے اس معنی میں یہ شعر ہے۔

ہر گیاہے کہ از زمین روید

وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

کوئی نہیں جو قدرتی تخم مثلاً انار کا بیج لئے بغیر زمین سے انار پیدا کرے گلاب کا پودا بغیر سائنس کے زور کے گلاب کے پھول زمین پر کھلا دے۔ گیہوں کا تخم لئے بغیر گیہوں کا کھلیان تیار کر سکے۔ ان سب کو چھوڑو۔ سائنس کے ماہرین کا کوئی کمال دکھاؤ۔ انہوں نے علمیٔ اور غذائی چیزوں میں کسی ایک تخم کا اضافہ کیا ہو۔ انار، سیب، سنترے، کیلا، آم، تربوز، سردا جیسے قدرتی پھلوں کے علاوہ کسی اور پھل کا بیج سائنس و حکمت کے زور سے تیار کیا ہو۔ اور دنیا کی کسی زمین پر بویا جاتا ہو۔ اور کسی قوم کو بطور غذا ملا ہو۔ بلکہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ قدرتی تخم سے بھی تنہا کوئی کام نہیں چلا سکتے۔ جب تک اس زمین کی جوہری مٹی میں ہی نشو نما نہ ہو۔ کیا ہے کسی میں طاقت کہ اللہ کی زمین چھوڑ کر سورج، چاند ستاروں کے منافع چھوڑ کر کچھ بھی غلہ پیدا کر سکے۔ **فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا** کا مضمون صادق آتا ہے منشاء یہ ہے کہ یہ نباتات سارے کے سارے اور پھل پھول کے کل تخم اللہ کی ہستی پر دلیلِ ناطق ہیں۔ آج دنیا کے سارے بازاروں ساری منڈیوں ساری تجارت گاہوں میں جو کچھ غلے اور دانے موجود ہیں وہ سب نباتات الارض و قدرت کے خزانے ہیں۔ بالفرض اگر آج دنیا کے گوشہ گوشہ سے ہر قصبہ و بازار سے اور تمام دیہاتوں سے گیہوں و چنا کا تخم نایاب ہو جائے کل منڈیوں اور بازاروں سے لے کر دریا برد کر دیئے جائیں مطلب یہ کہ ہر طرح ناپید ہو جائیں اور گیہوں و چنا کا ایک دانہ نہ رہ جائے تو کیا اربابِ سائنس اپنے علم و حکمت کے زور سے گیہوں کے دانے اور گم شدہ تخم کو پیدا کر سکیں گے۔ حاشا و کلا۔ کوئی فیکٹری کارخانہ نہیں ہے کہ جس میں سائنس دان حضرات ایک دانہ ڈال کر سیکنڈوں میں ہزاروں دانے تیار کر ڈالیں اور اس طرح حکومت کی غلہ والی ضرورت کو پورا کر دیں۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے " **فَلۡيَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ اَنَّا صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا۔ ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا۔ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا حَبًّا۔ وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا۔ وَّ زَيۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا۔ وَّ حَدَآٮِٕقَ**

غُلْبًا۔ وَّ فَاكِهَةً وَّاَبًّا۔ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ''(عبس) اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ'' (واقعہ)۔

تخلیق انسان کا فطری طریقہ ہستی خدا پر دلیل ناطق ہے یہی حال انسانوں کی پیدائش کا ہے کہ بغیر قدرتی طریقہ کے کسی کی عقل وحکمت کے زور سے کسی اور کارخانہ سے پیدا نہیں ہوسکتے زوجین کے تعلق کے بغیر نطفہ شکم مادر میں قیام کے بغیر انسان کا پیدا ہونا آج بھی ناممکن ہے شکم مادر کے چھوٹے سے نگارخانے میں نطفہ کے مصور ہوئے بغیر انسان کا قالب آج بھی تیار نہیں ہو سکتا۔ قدرتی ساز وسامان مثلاً لوہا، ربڑ، پٹرول، آگ پانی کے اسٹیم کی رو سے ہوائی جہاز کا اڑالینا موٹر کار کا دوڑالینا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو عبدیت سے نکال کر الوہیت (خدائیت) کا خواب دکھا سکے۔ کسی سائنس وحکمت میں طاقت اگر ہے تو یہ کرے کہ مادہ بنا کر فیکٹریوں ومشینوں میں ڈال کر کاغذ بٹن کی طرح انسانوں کو پیدا کرے تا کہ جنگ کی ضرورت میں

کام آئیں اور اپنے علم وہنر کا سکہ بٹھا سکیں۔ لیکن یہ کہاں۔ یہ تخلیق انسانی صرف اللہ کی شان ہے۔ سائنس بچاری کو کیا دخل۔ سچ کہا اکبر الہ آبادی مرحوم نے

مذہب کبھی سائنس کا سجدہ نہ کرے گا

انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے

مجبوراً سائنس کی سرپرستی کرنے والی حکومتوں نے اسی زوجین کے قدرتی تعلق کو فروغ دینے کے لئے اب یہ کیا ہے کہ بچوں کے پیدا کرنے والے انسانی جوڑوں کو وہ مختلف انعام بانٹ رہی ہے۔ سات ارب روپیہ حکومت روس نے 1944ء میں بچوں کے پیدا کرنے پر صرف کیا ہے چنانچہ تازہ خبر آئی ہے کہ جس گھر میں تین بچے پیدا ہو جائیں ان کو چار سو (400) روپیہ انعام اور اسّی (80) روپیہ ماہوار وظیفہ۔ چوتھے بچے پر بارہ سو (1200) روپیہ انعام ایک سو بیس (120) روپیہ ماہوار وظیفہ۔ اسی طرح بڑھتا گیا ہے حتی کہ نویں بچے کے پیدا ہونے پر ساڑھے تین ہزار (3500) روپیہ نقد انعام اور ڈھائی سو (250) روپیہ ماہوار وظیفہ اور تمغے اور خطابات اس کے علاوہ تمغہ مادریت اور مدر ہیروئن عالی قدر مراتب دیئے جاتے ہیں۔ (صدق 23 اکتوبر 1944ء)

اور حکومتِ روس کی طرح برطانیہ، امریکہ، جاپان، ساری حکومتیں انعامات تقسیم نسلِ انسانی کی افزائش کے لئے مرد وزن کے جوڑوں پر کر رہی ہیں۔ دیکھا آپ نے تخلیق انسانی اب بھی کسی کے بس کی بات نہیں پس آج انسانوں کا یہ عجز، ارباب کمال کا یہ اللہ کی ہستی اور اسکے کمال قدرت پر دلیل ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجاً(فاطر آیت نمبر 11)هُوَالَّذِیْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ(آل عمران آیت نمبر 6)

اِمساکِ روح ہستی اللہ پر دلیل ناطق ہے

آج دنیا میں سینکڑوں جابر بادشاہ اور نامور ڈاکٹر اور حکماء وعقلا اور سائنس و حکمت کے ماہرین۔ ہزاروں سامانِ عشرت و اسباب حکمت اور علاج و معالجہ اور دوا کے بے شمار ذخیروں کے باوجود اسی طرح بے بسی و بے چارگی کی موت مرتے ہیں جس طرح جنگل میں کوئی گنوار چرواہا مرتا ہے۔ متنبی نے کیا اچھا لکھا ہے۔

يَمُوْتُ رَاعِي الضَّأنِ فِيْ جَهْلِه

مَيْتَةَ جَالِيْنُوْسَ فِيْ طِبِّهٖ

یہ روح اور قبض روح اور ارسالِ روح معرفتِ خدا کے لئے ایک روشن ثبوت ہے۔ فرمایا

وَ يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلاً۔(بنی اسرائیل آیت نمبر 85)۔ اَللّٰهُ يُتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِکُ الَّذِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذَالِکَ لَاٰيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَکَّرُوْنَ(زمر آیت نمبر 42)۔

اسی کا ترجمہ اکبر الہ آبادی نے کیا ہے۔

ضروری کام جو نیچر کا ہے کرنا ہی پڑتا ہے

نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے

معلوم ہوا کہ روح کسی کی تخلیق اور کسی کے کنٹرول کی چیز نہیں ہے۔ مرے ہوئے نوزائیدہ بچے میں ارباب سائنس کبھی روح یا حیات کی چیز نہیں ڈال سکتے جس طرح کسی ملک معظم کے زندہ جسم کو مرنے سے نہیں بچا سکتے۔ پس دیکھئے اللہ تعالیٰ جب روح کو روک لیتے ہیں تو کسی کا کچھ اجارہ نہیں رہ جاتا۔ اسکے ثبوت میں اپریل 1945ء کی ایک تازہ خبر سنئے۔ صدر جمہوریہ امریکہ مسٹر روز ویلٹ کل سہ پہر کو دفعتاً وفات پا گئے۔ صرف ایک مرتبہ یہ کہا کہ میرا سر درد سے پھٹا جاتا ہے اور معاً بے ہوش ہو گئے خدمتگاروں نے ہاتھوں ہاتھوں دوسرے کمرے میں لے جا کر لٹایا اور فوراً ڈاکٹروں کو بلایا انہوں نے آکر کہا کہ روح پہلے ہی مفارقت کر چکی ہے ؟ تار برقی کی خبر۔ اب سوچئے کہ دنیا کو اس بادشاہ کی ضرورت کتنی زیادہ تھی۔ جنگ کے خاتمہ اور قیام امن کے لئے اس کا وجود کتنا قیمتی تھا۔ دوا علاج کا دنیا میں سب سے زیادہ جو حقدار تھا وہ وہی تھا لیکن کیا طب جدید و سائنس کی کوئی حکمت، کوئی صناع، اس کے علاج کے لئے کامیاب ہو سکا۔ امریکہ، روس فرانس کے بڑے بڑے نامور ڈاکٹر جدید طریق علاج کے موجدین کچھ نہ کر سکے۔ تازہ جسم اور قلب کی مخفی حرارت عزیزیہ کی کچھ امداد نہ پہنچا سکے۔ یہ سب سائنس والے دیکھتے رہ گئے۔ حیات کی کوئی چیز زندگی کا کوئی گیس (آکسیجن) صرف چند لمحوں کے لئے

بھی اس کو زندہ نہ بنا سکا۔ ہوا وہی جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے وقت موعودہ کو نہ کوئی پہلے ٹال سکا تھا نہ آج کوئی ٹال سکتا ہے۔ بے بسی کی موت جس طرح پہلے ہوا کرتی تھی اور موت کا فرشتہ جس طرح پہلے مسلط ہو جایا کرتا تھا اسی طرح آج بھی اور وہ بھی ڈاکٹروں کے جمگھٹے میں فرشتہ موت مسلط ہو رہا ہے اور موت اسی طرح بے تکلف واقع ہو رہی ہے۔ عارف ہندی اکبر الہ آبادی نے سچ لکھا ہے۔

برسوں فلاسفہ چناں اور چنیں رہی

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

جو اللہ روح کا مالک کل تھا وہ آج بھی ہے بندے اسکے محتاج اور بے بس جس طرح کل تھے آج بھی ہیں اس کی حکومت و فرمانروائی جس طرح کل شدادؔ، نمرودؔ، فرعونؔ، ہامانؔ، پر چل رہی تھی آج بھی اسی طرح ہٹلرؔ، اور مسولینیؔ، اسٹالنؔ اور روزویلٹ، پر چل رہی ہے یہ سب سائنس والے زیادہ سے زیادہ یہی تحقیق کر ڈالتے ہیں کہ موت کیوں واقع ہوئی؟ اس کے اسباب و حوادث کیا تھے؟ لیکن ظاہر ہے کہ بعد کی یہ عقل آرائی نہایت ہی مضحکہ خیز حرکت ہے عارفِ ہندی اکبر الہ آبادی نے سچ فرمایا ہے اور سائنٹفک آلات اور مشینی ایجادات والوں کے حق میں کتنا صادق ہے ارشاد ہے:

حادثے اپنے طریقوں سے گزرتے ہی رہے

کیوں ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے

مختصر یہ کہ علم و عقل کا یہ ثبات علم و سائنس کا ادعاء آج بھی روح یا حیاتِ انسانی پر اپنا کوئی بس اور قابو نہیں پا سکا اور نہ پا سکے گا پس یہ امساک و ارسالِ "روح" ہستی پر خدا بین ثبوت ہے۔

روح کا گیس نہ بنا سکنا ہستی خدا پر دلیلِ ناطق ہے

حضرات! میں تو کہا کرتا ہوں کہ اللہ وہ ہے جس کے قبضہ میں نفسِ انسانی یعنی روح ہے قل الروح من امر ربی۔ یہ امر رب۔ رب کی پہچان کی سب سے بڑی دلیل ہے حضرت ابراہیمؑ نے نمرودؔ کے سامنے یہی دلیل پیش کی تھی۔ یحی و یمیت روح کا یہ قبض و بسط اللہ کی سچائی پر خود حضرت ابراہیمؑ کی پیش کردہ ہے آج زمانہ حال میں بھی سب سے بڑی دلیل یہی ہے عارفِ ہندی اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں۔

خدا کے باب میں کیا آپ مجھ سے بحث کرتے ہیں

خدا وہ ہے جسکے حکم سے صاحب بھی مرتے ہیں

آج اچھے اچھے بڑے بڑے لارڈ، جارج، ایڈورڈ گذرتے جارہے ہیں اگر اہلِ سائنس کچھ کمال رکھتے ہیں تو ان کو نہ مرنے دیں محکمہ سائنس میں بڑے بڑے دماغ والے ہیں اور سنتے ہیں بڑی بڑی ایجادات کر بیٹھتے ہیں۔ پس ہم کچھ ان اربابِ کمال سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آج آپ حضرات کا علم و عقل شباب پر ہے۔ تمام مزعومہ اربابٌ متفرّقون کو بلا کر ایک بڑی سی کمیٹی کر ڈالئے اور دنیا کے تمام گوشوں سے اہلِ فکر اہلِ نظر کو دعوتِ عامہ دے ڈالئے اور مل جل کر درود موت، ہلاکت روح، کو روکئے ایسے ہی تجویز کر عملی جامہ پہنایئے آج گورنمنٹ کو میدانِ جنگ میں آدمیوں کی ضرورت ہے ہم کہتے ہیں کہ اربابِ سائنس اہل دنیا کو اور صاحبانِ سلطنت کو ان تمام پریشانیوں میں کیوں ڈالے ہوئے ہیں۔ میدانِ جنگ ہلاکت خیز سامانوں سے جس طرح بھر رہا ہے اسی طرح ابقائے روح کے لئے بھی کوئی آلہ کیوں نہیں بنا ڈالتے۔ ان کو چاہیئے کہ بدن زخم سے آسودہ اور گردن شہ رگ سے علیحدہ ہو جانے پر بھی روح کو برابر قبضہ میں رکھ کر جسم کا خدمت گار حسبِ معمول بنائے رکھیں۔

جادو کا ڈھول

سنتے ہیں کہ آلہا وول کے زمانہ میں کسی لڑائی میں مخالف راجہ کے پاس کوئی جادو کا ڈھول تھا کہ اس کے مردہ اور زخمی نیم مردہ سپاہی اس کے ڈھول کی آواز پر جی جاتے اور میدانِ جنگ میں پھر کام کرتے۔ تو ہم ان تمام اہلِ سائنس سے صرف ایک مطالبہ کرتے ہیں کہ اے صاحبان! اگر واقعی روح پر اللہ کی گرفت نہیں ہے بلکہ آپ کے بس کی چیز ہے تو اللہ للہ ساری دنیا پر کرم کیجئے۔ کوئی جادو کا ڈھول یا حیات کی گیس آپ بھی بنا ڈالئے کہ نیم مردہ فوجیوں کی جانیں واپس کیجئے۔ اور اس طرح حکومت کو بڑے مصارف سے اور اس کی آباد کو تمام مصائب سے بچا کر ایک بھرتی کی فوج کو بار بار زندہ کر کے دشمن کے مقابل میں بھیجتے رہیئے جب آپ نے دنیا کے معمورہ کو تباہ کن اور ہلاکت خیز آلات سے بھر دیا ہے تو للہ روح کی واپسی کے لئے بھی کوئی ایسا آلہ اور حیاتِ تازہ کا کوئی گیس بنا ڈالئے۔ جس طرح زہریلی گیس وغیرہ میں آپ کا قدم آگے ہے اسی طرح کچھ یہاں بھی کر ڈالئے میں کہتا ہوں عقل کی دنیا اس شباب پر بھی عاجز ہے اور روح پر آج بھی کسی کا بس نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج حکومت کو اوران مدعیانِ علم وسائنس کو مجبور کر دیجئے جو اللہ کے بھی قائل نہیں ہیں کہ تم مطلق کچھ ایجاد نہ کرو۔ صرف ابقائے روح کا کام کرو۔ لیکن یہ ایک ذرہ سی مٹی نہ بنا سکنے والے روح کو قبضہ میں کیا رکھ سکیں گے۔ یہ دجّالی تہذیب اپنے تیروں سے چھد کر خود ہی ختم ہو جائے گی۔ اس کا علم و سائنس اسکے لئے وبال جان ہے۔ یہ جماعت احیائے انفس کا کام کرنے سے پہلے ہی اپنی بداعمالیوں، بداندیشیوں سے خود ہی تباہ وبرباد ہو کر رہ جائے گی۔ پس روح کا یہ قبضہ اللہ کی ہستی کا اعلیٰ ثبوت ہے۔

سورج اور سیاّروں کی ضخامت اور روشنی ہستی خدا پر دلیل ہے

سورج وسیاّروں کے متعلق دور بینوں سے دیکھ کر ماہرین سائنس نے اعلان کیا ہے کہ سورج موجودہ زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے اور ستارے جو چار کھرب دیکھے جا چکے ہیں ان میں سے کچھ ہمارے آفتاب سے چھوٹے اور کچھ اس آفتاب سے کئی گنا بڑے ہیں۔ آفتاب کی روشنی زمین تک پہنچنے میں آٹھ منٹ لگتے ہیں اور یہ اسی حالت میں جبکہ بقول ماہرین سائنس اس کی روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی زبردست رفتار سے چلتی ہے ملاحظہ ہو۔(ڈاکٹر جسٹس سر شاہ محمد سلیمان صاحب ماہر ریاضی و سائنس کا مضمون طلوع اسلام ماہ ستمبر 1941ء ایضاً۔ جواہر العلوم ص 120 للشیخ الطنطاوی)۔ حضرات! یہ آفتاب، یہ ستارے، یہ چاند، اللہ کی ہستی کے لئے سب سے بڑی حجت ہیں۔ آج تمام دنیا کم و بیش 12 گھنٹے آفتاب کی روشنی سے

محروم رہتی ہے۔ رات بھر تین چار گھنٹے روزانہ لوگ کاروبار جاری رکھتے ہیں سائنس وحکمت کی اس البیلی دنیا کو اہلِ دنیا کی حالت وضرورت معلوم ہے لیکن کیا ان کی مجال ہے کہ ٹھیک آفتاب جیسا منور کوئی ایک کرہ رات کے لئے بنا کر اہلِ عالم کے لئے مفت یا بہ قیمت تیار کرلیں جو تمام عالم کو پھر منور کر دے۔ ٹارچ، گیس، بجلی کا ہنڈا مختلف چیزیں ایک کمرہ میں یا دس بیس گز تک روشنی کرنے والی چیزیں تو انہوں نے بنالیں لیکن ایسی مفت اور تمام عالم کو جگمگا دینے والی چیز سورج کے مثل کوئی آج تک نہ بنا سکا، نہ قیامت تک بنا سکے گا پس علم وسائنس کا یہ عجز اللہ کی ہستی پر دلیل ناطق ہے۔

شمس وقمر کے مخلوقِ الہیٰ ہونے پر ایک اعتراض۔

اگر کوئی ملحد دعوی کرے کہ سورج، چاند، ستارے خود بخود نہیں بن لیکن انھیں اللہ نے بھی نہیں بنایا ہے بلکہ جس طرح عجائبات سائنس واختراعاتِ عالم میں ہزاروں چیزیں اربابِ ہنر واصحابِ کمال بناتے ہیں۔ اور سلطنتوں کی پشت پناہی وامدادسے یہ چیزیں تیار ہوتی رہتی ہیں جیسے برقی لہر، ریڈیو، وائر لیس وغیرہ۔ اسی طرح اہلِ دنیا کے نفع کے لئے کسی وقت میں ان چیزوں کو اربابِ کمال سلاطینِ ذی شان نے بنایا اور بنوایا اور وہ انسانی آبادی کے لئے اپنے نظام سے کام کر رہی ہیں۔ آخر اس پر کیا دلیل عقلی ہے کہ سورج، چاند، ستارے، ایک یا چند سلطنتوں نے مل کر دنیا کے لئے کبھی کسی وقت میں نہیں بنائے تھے یا یہ کہ وہ نہیں بنا سکتے تھے بلکہ اسے صرف ایک ایسی برتر ہستی نے بنایا ہے جس کی طاقت تمام سلطنتوں کی مجموعی طاقت سے بھی زائد ہے اور اسی کا نام اللہ ہے۔ الجواب

اعتراض کی لغویت اور ہستی خدا کا ثبوت۔

بے سروپا گفتگو کرنے والے ملحدین سے پہلے یہ طے کرلینا چاہیئے کہ احتمال کی دو قسمیں ہیں۔ احتمال ناشی عن الدلیل اور احتمال ناشی بغیر الدلیل۔ وہ احتمال جو کسی دلیل کی بنا پر ہو وہ لائق اعتبار ہوتا ہے اور وہ احتمال جو بغیر کسی دلیل کے ہو وہ لائق اعتبار نہیں ہوتا ہے جیسے ملحد صاحب کو کوئی یہ کہنے لگے کہ ہوسکتا ہے کہ آپ انسان نہیں ہوں گدھے ہوں اور ہوسکتا ہے کہ آپ یہ گفتگو ہوش وحواس میں رہ کر نہیں کر رہے ہوں بلکہ خبطگی اور جنون میں کر رہے ہوں لہذا جب تک آپ کی ذات سے خبطگی اور جنون کا احتمال نہ اٹھ جائے گا اس وقت تک آپ سے گفتگو نہ کروں گا۔ پہلے اس احتمال کو اٹھایئے اگر وہ کہیں کہ اس طرح کا احتمال پوچ ہے کیونکہ ناشی بغیر دلیل ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ یہ احتمال بھی پوچ ہے اور بغیر دلیل کے ہے کہ پہلے زمانہ کے موجدین نے سورج تارے وغیرہ بنائے ہوں۔ جبکہ یہ مسلّم ہے کہ فلسفہ اور سائنس آج شباب کو پہنچا ہوا ہے اور اس کی حالت یہ ہے کہ ہنوز وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ستاروں کے معمورہ کا معمولی تعارف کرا سکے چہ جائیکہ اس زمانے میں جبکہ سائنس عہدِ طفولیت میں تھی۔ کیونکہ جو چیز خود بخود ہوتی ہے اس میں توافق اور تنظیم نہیں ہوتی اور دنیا کی ساری چیزیں منظم ہیں اور اس میں توافق جلوہ گر ہے خصوصاً شمس وقمر میں کس قدر ضابطہ اور کتنی پابندی ہے جو سب کے مشاہدہ کی چیز ہے اور دلیل ہے کہ کسی باتدبیر صاحبِ انتظام کے ہاتھوں انکا وجود ہوا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ پر ایک فلسفیانہ دلیل

دنیا کی کوئی چیز اپنے آپ پیدا نہیں ہوتی۔ اک ذرا سی سوئی اور یہ دھاگا اپنے آپ نہیں پیدا ہوا۔ سوئی کا بنانے والا بھی کوئی ہے۔ دھاگہ بنانے والا بھی کوئی ہے۔ لوگوں نے مختلف محنتوں اور حکمتوں سے انھیں تیار کیا ہے۔ بغیر کسی بنانے والے کے یہ معمولی چیزیں بھی نہیں بن سکیں۔ یہ میز کرسی اور یہ لاؤڈ اسپیکر بھی اپنے آپ نہیں بنے ہیں۔ جب یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی اپنے آپ نہیں بنیں ہیں تو یہ چاند، ستارے، یہ کہکشاں، اپنے آپ کیسے بن جائیں گے۔ ضرور انکا بھی کوئی بنانے والا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں اتنی بڑی ضخامت کی ہیں کہ کسی انسانی کارخانہ میں ڈھالی نہیں جاسکتیں۔

میں نے اپنی کتاب ''سائنس اور اسلام'' میں اہل سائنس کا بیان نقل کیا ہے کہ یہ سورج جو ہماری انسانی نظروں کو اک تھالی یا بڑی روٹی کے برابر نظر آتا ہے اس کا حجم موجودہ دنیا سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ یعنی یہ پوری زمین جس میں ہمالیہ جیسے بڑے بڑے پہاڑ ہیں اور براعظم ایشیا، براعظم افریقہ، براعظم اسٹریلیا اور براعظم یورپ وغیرہ جیسے براعظموں پر جو زمین مشتمل ہے اور ان کا جو طول وارض ہے ہمارا سورج اس سے بھی بڑا ہے۔ بلکہ تیرہ لاکھ مرتبہ یہ زمین تیار کی جائے تو ان سب کا جو عظیم ترین طول وارض ہو گا تو وہ سورج کے طول وارض اور حجم کے برابر ہو گا۔ اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس قدر عظیم ضخامت والا سورج جو پوری دنیا سے تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے وہ دنیا کے کسی کارخانے اور کسی فیکٹری کے بس کا نہیں کہ اس میں ڈھالا جاسکے لامحالہ اس عظیم ترین سورج کا خالق اللہ ہے۔

حجتِ ابراہیمی پر ایک اعتراض

سورج کے اس موجودہ نظم کو ہستی خدا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور دلیل پیش کیا تھا۔ اس پر میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے مقابلہ میں اللہ کی پہچان بتائی تھی کہ اللہ وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو اللہ ہے تو سورج کو مغرب سے نکال دے۔ بعض مفسرین نے اسکو ہستی خدا پر دلیل یا حجت نہیں قرار دیا ہے بلکہ یہ لکھا ہے کہ یہ تمویہ ہے اور وجہ تمویہ قرار دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مطالبہ کے جواب میں نمرود یہ کہہ سکتا تھا کہ مشرق سے تو میں ہی لاتا ہوں اگر کوئی اور اللہ ہے تو وہ مغرب سے لادے۔ اس کا جواب کیا ہوسکتا تھا۔

اعتراض کی لغویت اور ہستی خدا کا ثبوت

مولانا عبدالصمد صاحب رحمانیؒ نے اس کے متعلق لکھا کہ یہ مسئلہ اگرچہ دقیق اور علمی ہے لیکن ہم اس سے ہٹ کر عام فہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارشاد میں ''روح'' یہ ہے کہ جواب ہو گا وہ قادر مطلق ہو گا کیونکہ ربوبیت عامہ کے لئے قدرتِ مطلقہ ہونا لازم ہے ورنہ ربوبیت ناقص رہے گی۔ اسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے ''یُحْیِ وَیُمِیْتُ'' کی کلی شکل میں پیش کیا کہ رب وہ ہے جو سارے عالم کے احیاء اور امانت یعنی اس کی بقاو فنا پر قدرتِ کاملہ رکھتا ہو اور دنیا کی ہر چیز کی (چاہے وہ انسان ہو یا حیوان، نبات ہو یا جماد، علوی ہو یا سفلی) سب چیز کی حیات و فنا اسکے ہاتھ میں ہو۔ لیکن نمرودؔ نے ایک شخص کو رہا کر کے اور ایک شخص کو قتل کر کے یہ کہا کہ '' اَنَا اُحْیِ وَ اُمِیْتُ '' تو حضرت ابراہیم علیہ

السلام سمجھ گئے کہ اس کے دماغ اور اس کے فہم کا امالہ اس کلّی قدرتِ کاملہ کی طرف نہیں ہوا جو جملہ فعلیہ ''**یُحۡیِیۡ وَ یُمِیۡتُ**'' کا منشاء ہے اور اللہ کی صفت خاصہ ہے بلکہ اس کا دماغ جزئی ضرر رسانی اور نفع رسانی میں گھر کر رہ گیا اور مغالطہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کی فہم کے مطابق اللہ کی قدرت کاملہ اور اس کے قادر مطلق ہونے کو دوسری شکل میں پیش کیا اور کلّی شکل سے نیچے اتر کر نظامِ عالم میں سے صرف ایک نظامِ شمسی کے دروبست کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کیا۔ کہ رب وہ ہے کہ جس کا استیلاء (غلبہ) شمسی نظام پر ہے اور جس کے استیلاء کا ہاتھ تمہارے وجود سے پہلے روزانہ آفتاب کو مجبور کر کے مشرق سے نکالتا ہے اگر تم کو رب ہونے کا دعویٰ ہے تو شمسی نظام پر استیلاء کا ثبوت پیش کر واور اپنے استیلاء کے ہاتھوں شمسی نظام کو اس طرح بدل دو کہ پہلے نظام کے خلاف سمت سے یعنی مغرب سے نکالو۔ یہاں پہنچ کر نمرود کی آنکھ کھل گئی کہ رب ہونے کے لئے قدرتِ کاملہ اور استیلاء تمام ضروری ہے اور یہ ہمارے بس سے باہر ہے اور اس خیال کے آتے ہی وہ حیران و ششدر رہ گیا۔

اب اس موقعہ پر کسی صاحب کا یہ اعتراض کرنا کہ نمرود اگر جواباً کہتا کہ مشرق سے میں نکالتا ہوں اگر خدا ہے تو اس سے یہ درخواست کر کے مغرب سے نکلوا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب کو نہیں سمجھا اس وجہ سے بالکل بے معنی اعتراض کر دیا۔

پہلا جز تو اس لئے غلط ہے کہ نمرود کے وجود سے پہلے بھی آفتاب مشرق ہی سے نکلتا تھا لہٰذا وہ جس نظام کے ماتحت پہلے سے نکل رہا ہے آج بھی اسی کے ما تحت نکل رہا ہے اس کے متعلق ایسے شخص کا جو کل کا پیدا ہوا ہو یہ دعویٰ کرنا کہ اس کو مشرق سے میں نکالتا ہوں بداہت کے خلاف ہوتا جو زبان پر لانے کے بھی قابل نہ تھا۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے رب کی تعریف میں شمسی نظام کے استیلاء کو پیش کیا تھا اور بالمقابل یہ صورت پیش کی تھی کہ اپنے استیلاء کے ثبوت میں شمسی نظام کو اس طرح بدل دو کہ پہلے نظام کے خلاف کسی دوسری سمت سے آفتاب نکالو خواہ مغرب سے ہو پس مقصود بالذات شمسی پر استیلاء تھا۔ اس مطالبہ ابراہیمی میں آفتاب کو مغرب سے نکالنے کی کوئی خصوصی اہمیت نہیں تھی وہ تو ظہور استیلاء کی صرف ایک وقوعی شکل تھی۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیئے کہ کسی کے پڑھے لکھے ہونے کے جھوٹے ادعا پر کوئی یہ کہے کہ سچے ہو تو اردو کی پہلی کتاب پڑھ دو۔ مقصد اس مطالبہ کا صرف پڑھنا ہوتا ہے اردو کی پہلی کتاب کو مطالبہ سے خصوصی تعلق نہیں ہوتا ہے بلکہ اس مطالبہ کے ظہور کے لئے اردو کی پہلی کتاب صرف ایک وقوعی شکل کی تعین ہوتی ہے۔ مقصود بالذات صرف پڑھنے کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے مطالبہ میں مقصود بالذات صرف نظام شمسی پر استیلاء تھا خواہ مغرب سے ہو خواہ شمال و جنوب سے۔ اور یہی استیلاء اس کے بس سے باہر تھا۔ جس سے وہ ششدر رہ گیا اور ابراہیم علیہم السلام کی حجت غالب آکر رہی۔ یہ استیلاء اور یہ تصرف انسانی عقل و حکمت کے بس سے باہر جس طرح کل تھا اسی طرح آج (بیسویں صدی) والے سائنس و حکمت کے بس سے بھی باہر ہے۔ شمس اور شمسی نظام پر آئندہ تصرف و غلبہ کل بھی نہیں تھا اور آج بھی اس پر کوئی کنٹرول نہیں ہو سکا نہ ہو سکے گا۔

ایک خدشہ مع جواب بخت واتفاق کی تردید سے ہستی خدا کا ثبوت

کتبِ منطق میں بخت و اتفاق والوں کی ہستی خدا یا علت کے خلاف ایک دلیل مذکور ہے۔ **العالم مستغن عن الموثر و کل ماھو مستغن عن الموثر فھو قدیم فالعالم قدیمٌ** یعنی عالم موثر کا محتاج نہیں اور جو موثر کا محتاج نہیں ہے وہ قدیم ہے پس عالم قدیم ہے۔ موثر کا استغناء

اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ موثر جس پر اثر ڈال رہا ہے وہ شے موجود تھی یا نہیں۔ اگر نہیں تھی تو نیست محض پر اثر ڈالنا کیا معنی رکھتا ہے؟ محسوسات و مشاہدات عالم سے اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی کہ گھڑی پرزے، کیل، کانٹے کچھ نہ ہوں اور گھڑی ساز اثر ہوا پر ڈال کر گھڑی تیار کر دے۔ پس نیست محض پر نہ کوئی اثر ہے اور نہ وہ ہست ہو سکتا ہے اور اگر وہ چیز موجود تھی تو اثر کا ڈالنا وجودِ شے کے لئے تھا اور وہ شے موجود ہے پس تحصیل حاصل لازم آئے گا۔ اور وہ محال ہے پس موثر سے استغناء ہر دو شق پر ظاہر ہے۔

سبب وعلّت کا انکار بداہۃً باطل ہے

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے صدق 2 جون 1945ء میں جواباً لکھا ہے کہ اصل استدلال کا مغالطہ بالکل واضح ہے اور ذرا کھول کر بیان کر دیا جائے تو ہر سننے والے کو بجائے یقین کے ہنسی آجائے۔ یونانی بے چارہ دلیل وجودِ باری ہی کے خلاف نہیں، بلکہ وجوہِ اسباب کے خلاف لا رہا ہے وہ موثر یا علت فاعلی کی نفی عالم یا مجموعہ کائنات سے نہیں بلکہ مانی العالم یعنی کائنات کے ہر ہر جز اور ہر ہر جزئیہ سے کر رہا ہے وہ تو یہ کہہ رہا ہے کوئی چیز کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتی اسلئے کہ معلول یا تو نیست ہو گا یا ہست۔ اور علّت کا تحقّق ان دونوں شقوں میں باطل ہے کیونکہ یا تو اجتماع النقیضین لازم آئے گا یا تحصیل حاصل۔ گویا عالم میں نہ کوئی سبب ہے نہ کوئی نتیجہ، نہ کوئی باپ ہے نہ کوئی بیٹا، نہ کوئی تخم نہ کوئی درخت، نہ کوئی آفتاب نہ اس کی روشنی، نہ کوئی رات اور اس کی تاریکی سلسلہ، اسباب کا وجود ہی سرے سے باطل ہے باطل پر ایسی جسارت بجز ایک یونانی کے کون کر سکتا ہے؟

یونانی کی اصل دلیل کا مغز یا ماحصل اسی قدر ہے قانون علیت یا سببیت سے اس کا انطباق جب کائنات اور اس کے خالق پر کیا جائے گا تو سامنا دوہرے مغالطہ کا کرنا ہو گا۔ حادثات کے تجربات و مشاہدات کا آخر کس قاعدہ سے قدیم پر اطلاق ہو گا۔ یہاں گفتگو قدیم ہی کی صفت اور فعلیت پر ہے۔ پس قدیم وحادث میں کوئی مناسبت ہی نہیں کہ حادث میں وہ قوت وہ صفت نہ پا کر قدیم میں بھی اس کا انکار کر دیا جائے۔

علّتِ فاعلی کا اثر شئے کی حالتِ عدم میں ہوتا ہے

بخت و اتفاق کے مسلک اور اس دلیل خاص کی تردید پر مولانا محمد شفیع صاحب فرنگی محلی لکھنوی نے "صدق" 10 جولائی 1945ء میں ایک طویل جواب لکھا اس کا اقتباس اس جگہ مندرج کر دیا جاتا ہے اس سے دلیل کا کھوکھلا پن صاف ظاہر ہے آپ لکھتے ہیں کہ معترض نے غلط لکھا کہ نیست پر اثر ڈالنا اور اس کا ہست کرنا بے معنی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب گھڑی کے اجزاء کیل کانٹے کمانی سب موجود ہوں تو کیا گھڑی کا وجود بلا گھڑی ساز کے ہو سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ کیونکہ یہ اجزاء خاص ترتیب وخاص بناوٹ کے محتاج ہوتے ہیں جب تک وہ خاص ترتیب وخاص ہیئت گھڑی ساز نہ دے دے گھڑی نہیں ہو سکتی ہے گھڑی ساز (جو کہ گھڑی کی صورت کی علت ہے) کا اثر (یعنی گھڑی کا وجود) اس حالت میں ہوتا ہے جبکہ گھڑی عدم کی حالت میں ہوتی ہے۔ ورنہ تحصیل حاصل لازم آتی ہے یہ صاف نیست سے ہست ہے۔ اب یہ دوسرا امر ہے کہ یہاں معلول ایک ہیت و ترکیب ہے جس کا وجود محل کے بغیر ممکن نہیں۔ اسلئے گھڑی ساز کی علیت اور گھڑی کی معلولیت کے لئے یہ شرط ہے کہ وجود اثر کے پہلے کوئی چیز خارج میں موجود ہو جو حالت وہیئت کا محل بن سکے۔ اگر معلول ہیئت وحالت نہ ہوتی تو محل کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ پس گھڑی جس ہیئت ترکیبی کا نام ہے ان کے اجزاء ترکیبی کا پہلے سے موجود ہونا ضروری ہے۔ یہ اجزاء تو علّتِ یعنی گھڑی ساز کے معلول نہیں۔ کیونکہ گھڑی ساز گھڑی کی علّت ہے نہ کہ گھڑی کے اجزاء کی۔ گھڑی کے

اجزاء کے بنانے ڈھالنے والے اور لوگ ہوتے ہیں۔ پس ظاہر ہے گھڑی ساز نے گھڑی کو اسکے معدوم ہونے کے بعد موجود کیا ہے۔ عالمِ محسوس میں تو ہر شئے کی حالتِ عدم میں ہوتی ہے چنانچہ گھڑی ساز کے اثر کا وجود گھڑی کی حالتِ عدم میں ہوتا ہے۔

اجتماع النقیضین کی دو قسمیں

اگر حالتِ عدم میں اثر مانا جائے تو اجتماع النقیضین لازم نہیں آتا۔ ہر اجتماع النّقیضین محال نہیں اور جو اجتماع النقیضین محال ہے وہ یہاں پایا نہیں جاتا کیونکہ اجتماع محل واحد میں نہیں ہے بخت واتفاق والے اس امر کو پیش نظر نہ رکھ سکے کہ عدم اور وجود اگر متناقضین تسلیم بھی کر لئے جائیں تو بھی کوئی حرج نہ ہوگا۔ کیونکہ عدم کا کوئی محل نہیں ہوتا اور وجود شئے سے کوئی علیحدہ چیز نہیں ہے۔ پس وجود وعدم کا اجتماع محلِ واحد میں ہے ہی نہیں تو اجتماع النقیضین محل واحد میں کہاں لازم آیا؟ بہر حال حالتِ عدم میں علّت کا اثر ہوتا ہے یعنی اثرِ علّت کا وجود اس عالمِ محسوس میں اس شئے کی حالتِ عدم میں ہوتا ہے جو اس اثر کے بعد میں ہوتی ہے پس گھڑی کی ہیئت ترکیبی گھڑی ساز کے اس حالت میں اثر ڈالنے کے بعد ہوتی ہے جبکہ وہ ہیئت ترکیبی معدوم تھی گھڑی ساز اس ہیئت وشکل کو معدوم ہونے کی حالت میں ہست کرتا ہے۔ پس نیست کا ہست ہونا صاف ظاہر ہوا۔

وجود باری تعالیٰ پر عقلِ صحیح کا فیصلہ

یہ بات عقل سے باہر ہے کہ کوئی عقل مند انسان ایسی چیز کے وجود کو جس کے اجزاء پہلے ہی موجود ہوں بغیر سبب وعلّت کا نتیجہ سمجھے (جیسے گھڑی کا وجود بغیر گھڑی ساز کے کوئی نہیں مانتا اور اتفاق اسکو نہیں سمجھتا) اور وہ شئے جس کے اجزاء بھی پہلے سے موجود نہ ہوں اس کے موجود ہونے کو محض بخت واتفاق پر محمول کر دے۔ اور اس کا وجود بغیر کسی علت وسبب کے مانے۔ جب گھڑی جیسی معمولی چیز کیل کانٹے کمانی وغیرہ کے باوجود خود بخود نہیں ہو جاتی حالانکہ ان کے اجزء بھی موجود تھے۔ کیونکہ وہ کسی ایسی ہستی کی محتاج ہوتی ہے جو اسے ترتیب دیتا اور نیست سے ہست کا درجہ عطا کرتا ہو تو عالم کہ جس کے اجزاء بھی پہلے سے موجود نہ ہوں کس طرح نیست سے ہست ہو جائے گا۔ پس نیست سے ہیست ہونے کے لئے ایک خالق وموجد کی ضرورت صاف ظاہر ہے۔

معدوم کے موجود کرنے پر عقلاً کوئی استبعاد نہیں۔

ایک مثال:۔ معمار کے ذریعہ مکان بن گیا اب ظاہر ہے کہ جو چیز بنی ہے یعنی موجود ہوئی ہے وہ پہلے سے بنی ہوئی ہی نہ تھی یعنی موجود نہ تھی ورنہ پھر بننے اور موجود ہونے کے کیا معنی؟ (تحصیل حاصل) اسلئے جو چیز بنی ہے وہ بننے اور موجود ہونے سے پہلے معدوم تھی۔ یعنی مکان کے بننے سے پہلے مکان کا وجود نہ تھا۔ اسی طریقہ سے اگر قائل ہو جائے کہ مادہ اپنے وجود سے پہلے موجود نہ تھا تو کون سی مستبعد بات ہے۔ اگر عالم محسوسات میں گھڑی یا عمارت موجود ہو سکتی ہے اپنے معدوم ہونے کے بعد تو عالمِ غیر محسوس میں مادہ کے معدوم ہونے کے بعد اگر کوئی علّتِ غیر مادی اسے موجود کر دے یعنی غیر محسوس سے محسوس کر دے تو اس میں کون سا استبعاد ہے اب یہ معدوم کو موجود کرنے والا غیر محسوس کو محسوس بنانے والا حق تعالیٰ ہی ہے۔

ایک ضروری انتباہ!

عالم محسوسات میں جو علتیں ہوتی ہیں وہ خود چونکہ مادی ہوتی ہیں اسلئے ان کا اثر خود مادہ پر نہیں ہو سکتا۔ (یعنی کسی مادہ یا کسی تخم کا خلق نہیں کر سکتے۔) بلکہ مادہ کی ایک حالت اور ایک ہیئت پر ہوتا ہے اور کسی حالت اور ہیئت کا وجود و بغیر محل کے نہیں ہو سکتا اسلئے مادی چیز کے اثر کرنے کی یہ شرط ہوتی ہے کہ اس اثر سے پہلے کسی دوسری غیر مادی علّت کی وجہ سے "محل اثر" موجود ہو چکا ہو یعنی عالم محسوسات میں خلق نہیں ہوتا بلکہ تغیر من حالۃٍ مادۃ الی حالۃ مادۃ ہوتا ہے تو جب محسوسات میں خلق ہوتا ہی نہیں صرف صنعت گیری ہوتی ہے تو مسئلہ خلق کی نظیر عالم محسوس میں تلاش کرنا خود بے عقلی ہے۔ مختصر یہ کہ حادث و مادی انسان ہستی "صور" کی کرتا ہے محل اثر یعنی "مادہ" کا نہیں بر خلاف اس کے باری تعالیٰ نیست سے ہستی تمام اشیاء کی کرتا ہے حتی کہ "محل اثر" یعنی مادہ کا بھی مبدع ہے کیونکہ اگر محلِ اثر کا خالق خود باری تعالیٰ بھی نہ ہو تو محل اثر یعنی مادہ کا بغیر کسی علّت و سبب کے خود بخود نیست سے ہست ہونا لازم آئے گا جو بداہۃً باطل ہے۔ بہر حال واجب الوجود قدیم بالذات کو ممکن کی طرح عاجز و بے بس تسلیم کرنا اور اس کی صفات کمالیہ تخلیق و تکوین کو اپنے پر قیاس کرنا خود عقلِ سلیم کی نگاہ میں نہایت بے وزن و قیاس مع الفارق امر ہے۔

تحصیل حاصل کے شبہ کا دفعیہ اور ہستی خدا کا ثبوت

اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی جائل اور مؤثر کسی متأثر کو موجود کریگا تو یہ تاثیر اگر بوقت موجود ہو تو تحصیل حاصل لازم آئے گا اور اگر یہ تأثیر و فیضان بوقت عدم ہے تو اجتماع النقیضین لازم آئے گا کیونکہ عدم کے وقت وجود کا ہونا صراحۃً اجتماع النقیضین ہے۔ جواب اس کا الزامی و تحقیقی دونوں طرح سے ہے، الزامی یہ ہے کہ ہم کہیں گے کہ جب ممکن بعد العدم کسی کے تاثیر و تحصیل شئے موجود ہو گی بلکہ بقول شما حاصل ہو گی (کیونکہ ممکن کا وجود تو مشاہد ہے) تو لا محالہ یہ حصول جو بعد عدم حصول ہوا ہے یا حال حصول میں ہوا ہو گا۔ تو لازم آئیگا تحصیل حاصل۔ اور اگر یہ حصول حاصل حال عدم میں ہو، تو لازم آئے گا۔

اجتماع النقیضین علی قیاس ما قلتم من غیر فرقٍ۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ تأثیر مؤثر متأثر کے وجود کے زمانہ میں ہے اور تأثیر مؤثر بشرط وجود نہیں ہے اور محال یہی ہے تحصیل حاصل تو لازم آئے گا لیکن تحصیل حاصل کی دو قسمیں ایک محال ایک جائز تحصیل حاصل جو حاصل ہے، تحصیل سابق سے وہ محال ہے بہ تقدیر شرطیت۔ کیونکہ شرط میں تقدم لازم اور ظرف میں تقدم لازم نہیں۔ و بالجملہ تاثیر اور وجود معاً ماہیئت کو حاصل ہو کر عدم زائل ہو جاتا ہے۔

بعض مخلوقات کے پیدا ہونے کی کیفیت معلوم کرنا اللہ تعالیٰ کے عدم وجود پر دلیل نہیں بن سکتی

بڑے تعجب کی بات ہے کہ دہری و کیمونسٹ لوگ محض اس بناء پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بعض مخلوقات کی تخلیق کی کیفیت کو معلوم کر چکے ہیں اور بعض موجودات کے ایجاد کی کیفیت کو جان لیتے ہیں تو اس پر خوش ہوتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی عدم وجود کے لیئے دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ جب ہم نے خلاء

میں بادلوں کے اکٹھے ہونے اور دریا سے بخارات کے اٹھ جانے اور بادلوں کی شکل میں متشکل ہو کر بارش برسنے کی کیفیت کو معلوم کر لیا اور اسی طرح انڈے سے چوزے کے نکلنے کی کیفیت کو جان لیا تو اب اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان لانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیونکہ ہمیں اب یہ پتہ چل گیا ہے کہ مخلوقات کی تخلیق اور موجودات کی ایجاد اس طرح کے اسباب سے ہوتی ہے اسلئے مخلوقات کی تخلیق وایجاد کیلئے کسی خالق وموجد کی ضرورت ہی نہیں۔ دیکھو ان پاگلوں کا پاگل پن اور احمقوں کی حماقت کو بھلا بعض مخلوقات کی تخلیق اور بعض موجودات کی ایجاد کی کیفیتِ تخلیق و ایجاد کو معلوم کرنا کس طرح اللہ تعالیٰ کے عدم وجود پر دلیل بن سکتا ہے بلکہ یہ تو الٹا اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کے علم وقدرت پر قاطع دلیل ہے۔ بھلا یہ تو بتایئے کہ جن اسباب کے ذریعہ آپ نے جو بعض مخلوقات وموجودات کی تخلیق وایجاد کی کیفیت کو معلوم کر لیا ان اسباب کو کس نے بنایا؟ اب ہم اس مسئلہ کی مزید وضاحت کیلئے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

ایک حیرت انگیز مثال

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہیں ان کی مثال اس شخص کیطرح ہے کہ جس کے سامنے ایک برتن کھجور سے بھرا ہوا رکھ دیا گیا تو اس نے وہ کھجوریں کھا کر پیٹ بھر لیا۔ اور پھر بعد میں پوچھا کہ یہ کھجوریں کس نے بنائی ہیں تو لوگوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان لے آیا کیونکہ اس نے اس کے وجود کا اثر کھجور میں دیکھ لیا اسلئے اس پر ایمان لایا کہ واقعی اس کھجور کا صانع اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مگر پھر بعد میں اتفاق ایسا ہوا کہ یہ شخص کھجوروں کے باغات میں داخل ہوا اور پھر کھجور کے بیج کے بونے، اسے پانی سے سیر اب کرنے اور مادہ کھجور کے تازہ تنوں کے اندر نر کھجور کا تنہ ڈالنے وغیرہ والی کیفیات کو معلوم کر لیا۔ جب یہ سب چیزیں اسے معلوم ہو گئیں تو اس نے اس بات سے انکار کر دیا کہ کھجور کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کیونکہ اس نے کھجور کے بیج بونے سے لیکر پکنے تک کی ساری کیفیات معلوم کر لیں مگر اس بات کو بھلا دیا کہ کھجور کو اس اللہ تعالیٰ نے بنایا جس نے سب سے پہلے کھجور کے بیج کو بنایا اور پھر مٹی، پانی وہوا کو بنایا۔ اور اس کسان وفلاح کو بنایا اس کو وہ علم وقدرت عطا کیا کہ جس سے اس نے زمین میں ہل چلایا، بیج بویا، اسکو پانی دیا اور اسکی دیکھ بال کی تا آنکہ وہ پک کر کھانے کے قابل ہو گیا۔

مادہ کی اتفاقی حرکت سے کائنات کے وجود میں آنے کا عقیدہ باطل ہے

اس کائنات کے وجود کے بارے میں اقوام عالم دو صورتوں میں سے کسی ایک پر ضرور یقین رکھتے ہیں۔ ا۔ ایک یہ کہ اس کائنات کا وجود ایک قادر ومختار، علیم وخبیر، حی وقیوم اور مدبر وحکیم ذات کے قصد وارادہ سے ظہور میں آیا۔

۲۔ دوسری یہ کہ یہ سارا عالم مادہ اور اس کی حرکتوں سے وجود میں آیا ہے۔ اور اس دوسری قسم کی پھر دو قسمیں فرض کی جاتی ہیں۔ الف۔ پہلی یہ کہ یہ سارا عالم مادہ اور اس کی اتفاقی حرکت سے وجود میں آیا۔ ب۔ یا پھر مادہ کی ارادی حرکت سے ظاہر ہوا۔ یہ آخری صورت تو قطعاً باطل ہے کیونکہ سارے عقلاء حتیٰ کہ مادہ پرست بھی اس پر متفق ہیں کہ مادہ قصد وارادہ سے خالی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ مادہ اور اس کی اتفاقی حرکت سے شاید یہ دنیا بنی ہے۔ تو یہ صورت بھی قطعاً غلط اور باطل ہے کیونکہ عالم کائنات میں حکیمانہ ترتیب اور ایسا مدبّرانہ نظام ہے جس کا ایک ایک ذرہ اس بات کی شھادت دے رہا ہے کہ اسے کمال درجہ حکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے۔ اس کی ہر ایک چیز میں ضابطہ اور قانون کار فرما ہے۔ اور اس کی ہر شے بامقصد ہے جو ایک بے

شعور، بے علم، بے ارادہ اندھے اور بہرے مادے اور اس کی حرکت اتفاقیہ کا نتیجہ کسی صورت میں بھی نہیں بن سکتی جب یہ صورت بھی باطل ہوئی تو کائنات کے وجود کے متعلق صرف وہی ایک ہی صورت متعین اور ثابت ہوگئی کہ وہ ایک حکیم، قادر، مختار اور حیّ و قیوم ذات کے قصد وارادہ کے ماتحت ظہور میں آئی ہے۔ اور یہی درست اور عقل کے عین مطابق ہے۔ **ایک دلچسپ مثال** اگر شیخ سعدی رحمہ اللہ یا حافظ شیرازی رحمہ اللہ کی ایک نظم کے متفرق مفردات اور الفاظ کاغذ کی پرچیوں پر لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیئے جائیں اور ایک نابینا بچے کے ذریعہ ایک ایک پرچی نکلوائی جائے تو ہزار ہا مرتبہ ایسا کرنے پر وہ نظم مرتب شکل میں وجود میں نہ آسکے گی۔ جب اتنی چھوٹی سی نظم اس طرح کرنے سے اتفاقاً وجود میں نہیں آسکتی تو بھلا یہ ساری کائنات کا یہ حکیمانہ مرتب سلسلہ اور بامقصد نظام ایک مُردے، اندھے اور بہرے مادے سے کس طرح وجود میں آسکتا ہے؟

نہ دیکھنا عدم وجود کی دلیل نہیں

دہری و کیمونسٹ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہیں ان کے پاس اس انکار پر کوئی علمی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جاسکتا۔ حالانکہ کسی چیز کو بالمشاہدہ نہ دیکھ سکنا اس چیز کے عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں دنیا میں موجود ہیں جو کہ دیکھی نہیں جاسکتیں مگر ہر فردِ بشر انکے وجود پر ایمان لاچکا ہے اور آج تک ان کے وجود کا کسی نے بھی انکار نہیں کیا۔ مثلاً نَفَس یا روح جس سے ہر ذی نَفَس سانس لیتا ہے۔ کیا آج تک کسی نے یہ دعوی کیا ہے کہ اس نے نَفَس کو دیکھا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ مگر اسکے باوجود سب نَفَس کے وجود پر ایمان لائے ہیں۔ اور اسی طرح عقل جو کہ نَفَس کی طرح چوبیس گھنٹے ہر ذی عقل کے پاس موجود ہے مگر کوئی بھی اس کو دیکھ نہیں سکتا حتی کہ صاحب عقل خود اپنی ہی عقل کو دیکھنے سے محروم ہے مگر اس کے باوجود سب اس کے وجود پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ نہ دیکھنا عدم وجود یعنی کسی چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

محلِ ایمان قلب ہے

ایمان اس اعتقاد جازم کا نام ہے جو قلب میں راسخ و مضبوط ہو کر اقرار باللسان اور عمل بالارکان والجوارح کے ساتھ ثابت و وابستہ ہو۔ اور ساتھ ہی یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ایمان کا محل و مرکز قلب ہے، عقل یا کوئی اور جگہ نہیں ہے۔ چنانچہ جب اعرابِ بنو تمیم مدینہ منورہ میں اسلام لانے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ایمان واسلام لانے کا احسان جتلانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ایمان کی نفی کر کے ان کو یوں تنبیہ فرمائی:

﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ [1]

دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ایمان اب تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:۔

﴿ مَن كَفَرَ بِاللّٰهِ مِن بَعْدِ إِيْمٰنِهِ إِلاّمَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمٰنِ وَلٰكِن مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِصَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُم عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾[2]

جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس سے کفر کرے مگر یہ کہ اس پر جبر کیاجائے اوروہ محض زبان سے کفر کی بات کہدے اوراس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو اسپر کوئی مؤاخذہ نہیں، لیکن جو کوئی ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے دل کی رضامندی کے ساتھ تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہو گا، اور ان کو بڑا عذاب ہو گا۔ اور ایک تیسری جگہ پر فرمایا:۔

﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيْمٰنَ وَزَيَّنَهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾[3]

اور لیکن اللہ نے ایمان تمہارے لیئے محبوب بنادیا اور اسے تمہارے دِلوں میں مزین کر دیا۔

مذکورہ بالا آیات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ ایمان کا محل ومرکز قلب ہے۔

اسی طرح روایت میں آتا ہے کہ شروع اسلام میں جب مشرکین مکہ نے حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑ کر مارا پیٹا اور اسلام کے خلاف کچھ نازیبا الفاظ ان کی زبان سے کہلوائے اور پھر

[1]سورۃ الحجرات : ۱۴ [2] سورۃ النحل :۱۰۶ [3] سورۃ الحجرات : ۷

انہیں چھوڑدیا تو حضرت عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ اے اللہ کے رسول میں ہلاک وبرباد ہو چکا ہوں تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ہوا؟ عمّار رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول جو کچھ مشرکین نے مجھ سے کہلوایا میں نے کہدیا تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قلب کو کیسے پایا۔ عمّار رضی اللہ عنہ نے کہا میرا دل ناپسند کر رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مشرکین نے تجھے پھر اسی طرح مجبور کیا تو تم بھی ان کو پہلے کی طرح کہدینا۔ اب اصل روایت ملاحظہ فرمایئے:

عن ابی عبیدة بن محمد بن عمّار بن یاسر قال أخذ المشرکون عمّار بن یاسر فعذبوه حتی باراهم فی بعض ماأرادوا فشکا ذلک الی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کیف تجد قلبک قال مطمئناً بالإیمان قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فإن عادوا فعد[1]

ترجمہ: ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر سے مروی ہے انہوں نے کہا: مشرکوں نے عمار یاسر کو پکڑ کر (اسلام پر) ایذائیں دیں یہاں تک کہ اس نے (مشرکین کی) کچھ بری باتوں (گالی گلوچ) پر ان کی موافقت بھی کی پھر اس نے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس کی شکایت کی تو

آپ انے فرمایا: دل کو کیسا پایا؟ اس نے کہا ایمان کیساتھ مطمئن۔ پھر آپ انے فرمایا: اگر انہوں نے پھر بھی تجھے مجبور کیا تو تو بھی ان کی موافقت کر لے۔ مذکورہ روایت سے بھی یہ ثابت ہوا کہ ایمان کا محل قلب ہے۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایمان کے متعلق یہی منقول ہے:۔

وقال الحسن البصری: لیس الإیمان بالتمنی ولا بالتحلی ولکن ھو ما وقر

ایمان، آرزو اور ظاہری تزیین نہیں بلکہ وہ تو دل میں جم جاتا ہے اور عمل اُسکی

[1] رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ کتاب المرتد۔ باب المکرہ علی الردۃ واللفظ لہ/ابن جریر ج۱۴ ص: ۱۲۲/المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ النحل وقال صحیح الاسناد وقال الذہبی فی التلخیص :صحیح۔

فی القلب وصدقتہ الاعمال) [1]

تصدیق کرتا ہے۔

اور ایک روایت میں اسطرح آتا ہے:۔

(........وذلک أول ما وقر الإیمان فی قلبی) [2]

اور یہ پہلا موقع تھا کہ ایمان میرے دِل میں پختہ ہو گیا۔

[1] الجامع لشعب الإیمان باب القول فی زیادۃ الإیمان ونقصانہ الرقم: ۶۵ [2] رواہ البخاری، کتاب المغازی باب: ۱۲

حرفِ آخر

ناظرینِ کرام کے سامنے دلائل کا ایک ذخیرہ ہر نوع سے فراہم کر دیا گیا ہے بسیط و مختصر بھی سادہ بھی منطقی بھی۔ امید ہے کہ بعض دلائل خاطر مبارک میں ضرور بے تکلف اتر جائیں گے۔ مگر بہر حال یہ شعر نظر میں رہے۔

دور بینان بارگاہ الست

جز ایں پے نبردہ اند کہ ہست

کرامات اولیاء کے بارے میں

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ

اہل سنت وجماعت اولیاء کرام کی کرامتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

کرامت: اس خلاف عادت امر کو کہتے ہیں' جس میں دعوائے نبوت شامل نہ ہو' اگر دعوائے نبوت شامل ہو تو وہ معجزہ کہلاتا ہے۔

خلاف عادت امر اسی بندہ کے حق میں کرامت ہو سکتا ہے' جو ظاہر میں نیک ہو نیز صحیح عقیدہ اور صالح عمل کا حامل ہو۔ چنانچہ اگر منحرف لوگوں کے ہاتھوں پر خلاف عادت امر ظاہر ہو تو وہ شیطانی احوال (شعبدوں) کے قبیل سے ہے، اسی طرح اگر کسی ایسے انسان کے ہاتھ پر خلاف عادت امر ظاہر ہو جس کی حالت مجہول اور نامعلوم ہے تو اُس کی حالت کو کتاب وسنت پر پیش کیا جائے گا' جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا:

''إذا رأيتم الرجل يسير على الماء ويطير في الهواء فلا تصدقوه حتى تعرضوا حاله على الكتاب والسنة۔''

کسی آدمی کو پانی پر چلتے ہوئے یا ہوا میں پرواز کرتے ہوئے دیکھ کر اسے کرامت نہ سمجھ لو' یہاں تک کہ اس کی حالت کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھ لو۔ اہل سنت اولیاء کرام کی کرامتوں اور ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہونے والے علوم' مکاشفات' اور قسم قسم کے قدرت وتاثیر جیسے خلاف عادت امور پر پختہ ایمان واعتقاد رکھتے ہیں۔ اسی قبیل سے اصحاب کہف اور اُن کی لمبی نیند کا قصہ ہے' جسے اللہ نے ان پر ڈالا تھا، اسی طرح مریم بن عمران علیہا السلام کے پاس محراب میں ہوتے ہوئے روزی پہنچنے کا واقعہ ہے جسے اللہ نے انہیں بطور کرامت عطا فرمایا تھا۔

نیز اسی قبیل سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا منبر سے "یاساریۃ الجبل" اے ساریہ! پہاڑ کی پناہ لو' کہنا اور نہاوند میں رہتے ہوئے ساریہ کے لشکر کو دیکھنا' اور اتنی لمبی مسافت سے ساریہ کا اُن کی بات کو سننا وغیرہ بھی ہے، اور اس طرح دیگر بے شمار واقعات ہیں۔ اس قسم کے بے شمار واقعات میں نے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "الفرقان بین أولیاء الرحمن وأولیاء الشیطان" میں دیکھے ہیں۔

اہل سنت وجماعت کا طریقہ کار "اتباع سنت" ہے

اہل سنت وجماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' افعال اور تقریرات کی اتباع کرتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم کی پیروی کا مقصود بھی یہی ہے' رہا آپ کے حسی آثار کی پیروی کرنا جو دین کا حصہ نہیں ہیں' جیسے آپ کے پیشاب' نیند اور چلنے وغیرہ کی جگہیں' تو ان کی تلاش کرنا جائز نہیں' کیونکہ یہ شرک تک پہنچے کا ذریعہ ہیں۔ اہل سنت کا طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے

پوشیدہ (نامعلوم) ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی پیروی کرتے ہیں ' البتہ جب کتاب اللہ یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نص مل جائے تو اسے دنیا کے ہر شخص کی رائے پر مقدم رکھنا واجب ہے، ارشاد باری ہے:

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾[1]

پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرلو تو اُسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دو' اگر تمہیں اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

نیز اہل سنت وجماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی بابت وصیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں ' اور اس پر خوب مضبوطی سے گامزن رہتے ہیں ' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجاآوری میں انہیں حرز جان سمجھتے ہیں،[2] اور اہل سنت وجماعت چونکہ کلام اللہ کو مقدم رکھتے ہیں پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتے ہیں اسی لئے انہیں "اہل سنت وجماعت" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

[1] سورۃ النساء: ۵۹۔ [2] دیکھئے: حدیث عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ: سنن ترمذی وسنن ابو داود مع عون المعبود ۱۲/ ۳۵۸، وابن ماجہ۱۵/۱، ومسند احمد۱۲۶/۴، نیز دیکھئے: الاجوبۃ الاصولیۃص۱۴۰، وشرح الطحاویہ بتحقیق ارنؤوط ، ص۴۹۵۔

اہل سنت وجماعت کے وہ اصول جن پر وہ لوگوں کے تمام عقائد واعمال کو پرکھتے ہیں

اہل سنت وجماعت کے تین بنیادی اصول ہیں جن پر وہ لوگوں کے دین سے متعلقہ تمام ظاہری وباطنی اعمال وافعال کو پرکھتے ہیں ' وہ اصول یہ ہیں:

۱۔ اللہ عزوجل کی کتاب

"قرآن کریم" جو سب سے عمدہ کلام ہے ' چنانچہ جو اس کی روشنی میں بولتا ہے سچ بولتا ہے ' جو اس سے فیصلہ کرتا ہے انصاف کرتا ہے ' جو اس پر شدت سے قائم رہتا ہے صراط مستقیم کی راہ پاتا ہے ' اور جو اس سے اعراض کرتا ہے ' دنیا وآخرت میں ضلالت وگمراہی اور بدبختی وبدنصیبی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ اہل سنت اللہ کے کلام پر دنیا کے کسی بھی شخص کی بات کو مقدم نہیں کرتے۔

۲۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

چنانچہ اہل سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنتوں پر اللہ کی مخلوق میں سے کسی کی بات کو بھی ترجیح نہیں دیتے۔

۳۔افتراق وانتشار اور بدعات وخرافات کے دور دورہ سے پہلے:

اس امت کے صدر اول(اوائل)کا جن باتوں پر اجماع ہو چکا ہے۔چنانچہ اس کے بعد جو بھی چیزیں وجود پذیر ہوتی ہیں اہل سنت انہیں ان تینوں اصولوں پر پرکھتے ہیں' اگر وہ چیز ان اصولوں کے موافق ہوتی ہے تو قبول کر لیتے ہیں اور اگر مخالف ہوتی ہے تو اسے بلا تامل رد کر دیتے ہیں' خواہ اس کا کہنے والا کوئی بھی ہو،اور یہی صحیح ودرست منہج اور حق کی پائیدار راہ ہے۔

اہل سنت وجماعت کے اخلاق واوصاف

،چنانچہ اہل سنت وجماعت کی بعض خوبیاں اور اخلاق حسنہ یہ ہیں: بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا' اور بھلائی وہ ہے جو شرعاً وعقلاً اچھی اور درست ہو' اور برائی وہ ہے جو شرعاً وعقلاً قبیح اور بری ہو،اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[1]

تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو خیر کی دعوت دے'(یعنی)

[1]سورۃ آل عمران: ۱۰۴۔

بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے' اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه ؛ وذلك أضعف الإيمان۔''[1]

تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے' اُسے اپنے ہاتھ سے بدل دے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اصلاح کر دے' اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل میں اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔یہ تینوں باتیں امر بالمعروف اور نہی عن المعروف کے مراتب ہیں،یعنی پہلے ہاتھ' پھر زبان اور پھر دل۔اہل سنت کی ایک عمدہ خصلت اللہ کیلئے' اس کی کتاب کے لئے'اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے' مسلمانوں کے ائمہ کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے

[1]صحیح مسلم۱/۶۹۔

خیر خواہی بھی ہے،[1] نیز یہ کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہے۔[2] اسی طرح اہل سنت اپنے مسلمان بھائیوں پر رحم کرتے ہیں،[3] انہیں اچھے اخلاق اور عمدہ اعمال کی ترغیب دیتے ہیں' اپنے حالات کے مطابق صبر وضبط' اللہ بندوں کے ساتھ احسان

اور اعزاء واقارب نیز یتیموں اور فقیروں کے واجبی حقوق کا حکم دیتے ہیں اور فخر وغرور اور تکبر سے منع کرتے ہیں۔ اور اہل سنت جو کچھ بھی کرتے ہیں ' ہر کام میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ ہمیں بھی اس گروہ میں شامل فرمائے جو ہمیشہ حق پر قائم اور نصرت الٰہی سے سرفراز رہے گا ' جن کے مخالفین اور مدد نہ کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے ' یہاں تک کہ قیامت قائم

[1]صحیح مسلم ۴/۱۔ [2] صحیح بخاری مع فتح الباری ۵/۹۹ وصحیح مسلم ۴/۱۹۹۹۔ [3] صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۰/۲۴۸، وصحیح مسلم ۴/۱۹۹۹۔

ہو جائے گی،[1] بیشک یہ اُسی کے بس میں ہے اور وہی اس پر قادر ہے۔

ان کتابوں کے غیر منسوخہ احکام پر عمل کرنا

اللہ تعالیٰ کی ان تمام کتابوں کے غیر منسوخہ احکام پر سر تسلیم خم کرکے ان پر عمل کرنا فرض وضروری ہے خواہ ان کی حکمت کو ہم سمجھے ہوں یا نہیں۔ مسلمانو! یہ بات اچھی طرح سے یاد رکھو کہ نزول قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ کی جتنی کتابیں ہیں وہ سب کی سب قرآن کریم کیوجہ سے منسوخ ہیں اور قرآن کریم ان کا ناسخ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

﴿ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجاً ﴾[1]

اور ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ بھی ہے۔ اس لئے آپ ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ فیصلہ کیجئے۔ اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ جایئے تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے۔

''لما بین یدیہ من الکتاب'' میں جو کتاب ہے اس سے جنس کتاب مراد ہے۔ اور اس سے ساری کتب سماویہ مقصود ہیں، چنانچہ مفسرین حضرات اسی طرح لکھتے ہیں:

اسم جنس بمعنى الكتب السابقة قبله كالتوراة و الانجيل[1]

یہ اسم جنس ہے یعنی گزشتہ کتب جو قرآن سے پہلے تھیں جیسے تورات وانجیل۔

اور ''لما بین یدیہ من الکتاب'' کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ حضرت قتادۃ رحمہ اللہ کا قول بھی اسی طرح نقل کرتے ہیں:

عن قتادۃ ص قولہ 'وأنزلناالیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب 'یقول : الکتب التی خلت قبلہ۔[2]

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمان باری تعالیٰ ''وأنزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتٰب'' کی تشریح میں فرمایا کہ وہ کتابیں جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکی ہیں' مراد ہیں۔

اور ''مھیمناًعلیہ'' کا معنی ہے اَمیناً، شاھداً، اور حاکماً۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم ساری کتب سماویہ کیلئے امین وشاھد ہے کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری صداقت وامانت داری کے ساتھ اتری ہیں۔ اور امین وشاھد ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن کریم ان کیلئے حاکم وناسخ بھی ہے۔ چنانچہ کلمہ ''مھیمناً'' کی تفسیر اکثر مفسرین نے حاکماًاور عالیاً سے کی ہے جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما و مھیمناً أی حاکماً علی

ابن عباس رضی اللہ عنہمانے (ومھیمناً) کا مطلب

[1]أیسر التفاسیر: ج ۱ ص ۶۳۸، واللفظ لہ/تفسیر القرطبی: ج۶ص۲۱۰/التفسیر الواضح: ج۶ص۶۲۔۶۳ صفوۃ التفاسیر: ج۱ص۳۴۶/تفسیر ابن کثیر : ج ۲ ص ۶۵ [2] تفسیر الطبری ج ۶ ص ۱۷۲۔

ما قبلہ من الکتب[1]

بتایا کہ اپنے سے پہلی کتب کا فیصلہ کرنے والی ہے۔

اور صاحب 'التفسیر الواضح' قرآن کریم کی 'حاکمیت وھیمنیت' پر تفصیلی بحث کے بعد یوں لکھتے ہیں:۔

و اذا کان ھذا شأن القرآن

و منزلتہ فاحکم یا محمد

و کذا کل حاکم احکم

بینھم بما أنزل اللّٰہ فھو

واحد لم یتغیر فی القرآن

و الانجیل و التوراۃ علی أن ما فی القرآن کان ناسخاً للکل متمماً شاملاً و ما قبلہ کان کالمقدمۃ [2]

اور جب قرآن مجید کی شان اور مرتبہ یہ ہے کہ تو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اور ہر حاکم کو چاہیئے کہ وہ اہل کتاب کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے' وہ حق ایک ہی ہے' قرآن' انجیل اور تورات میں وہ تبدیل نہیں ہوا۔ اس کے باوجود کہ قرآنی احکام اپنے سے پہلے تمام احکام کیلئے ناسخ ہیں اور پہلے احکام اس کیلئے بطور مقدمہ تھے۔

اور اسی طرح مذکورہ آیت کے کلمات "شرعۃً ومنہاجاً" کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ حضرت مجاھد رحمہ اللہ کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

وقال مجاهد : الشرعة

و المنهاج دين محمد

عليه السلام و قد نسخ به

كل ما سواه [3]

اور مجاہد کہتے ہیں کہ شرعۃ اور منہاج سے مراد دین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور اس نے اپنے سوا سب کو منسوخ کر دیا۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ سابقہ کتب سماویہ کے کسی بھی حکم پر عمل کرنا جائز نہیں مگر وہ حکم جو ہمارے ہاں دلیل قطعی سے ثابت ہو اور پھر قرآن وحدیث نے اس کو برقرار رکھا ہو جیسے۔

ا۔ حدود وقصاص:

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[1]

اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے' پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے' اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق حکم نہ کریں' وہی لوگ ظالم ہیں۔

۲۔ صوم رمضان:

اور اسی طرح صوم رمضان جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [2]

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے' تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

۳۔ حدِ زنیٰ:

اور اسی طرح حدِ زنیٰ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو یہودیوں نے زنا کیا تھا تو یہودی یہ مقدمہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوئے کہ ان کا فیصلہ کریں تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کیا تورات میں زانی وزانیہ کے بارے میں رجم کا حکم نہیں ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں اس پر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن سلام نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ان یہود سے کہیں کہ تورات لے کر آئیں۔ چنانچہ یہودی تورات لے کر آئے اور ان کا ایک بڑا عالم رجم والی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے سے پڑھنے لگا۔ اور بار بار کہہ رہا تھا حضرت !رجم کا ذکر تورات میں نہیں ہے۔ تو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ آیت رجم سے اٹھا کر کہا کہ یہ آیت رجم نہیں؟ تو وہ شرمندہ ہوا۔ تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم صادر فرمایا اور وہ دونوں رجم کیے گئے۔ اب سن لیں اصل روایت:

عن أبن عمر رضی اللّٰہ عنهماقال أتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بیهودی و یهودیة قد احدثا جمیعاً فقال لهم ما تجدون فی کتابکم قالوا ان أحبارنا أحدثوا تحمیم الوجه و التهجیة، قال عبداللّٰہ بن سلام رضی اللّٰہ عنه ادعهم یا رسول اللّٰہ بالتوراة فأتی بها فوضع أحدهم یده علی آیة الرجم وجعل یقرأ ما قبلها و ما بعدها فقال له ابن سلام رضی اللّٰہ عنه ارفع یدک فاذاآیة الرجم تحته فأمر بهما رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فرجما عقد البلاط فرأیتالیهودی أخبأ علیها [1]

ابن عمر رضی اللہ عنہمانے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت لائے گئے جن دونوں نے زنا کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم اپنی کتاب میں اس کی سزا کیا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارے علماء نے اس کی سزا چہرہ کو سیاہ کرنا اور گدھے پر الٹا سوار کرنا ایجاد کی ہے۔ عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول ان سے تورات منگوائیں جب تورات لائی گئی تو ان میں سے ایک نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا۔ تو عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ' جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو آیت رجم اس کے نیچے تھی چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)

[1] رواہ البخاری: کتاب الحدود باب الرجم فی البلاط۔

نے ان دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ پس انہیں رجم کر دیا گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ انہیں بلاط (ایک مقام) میں رجم کیا گیا میں نے دیکھا کے یہودی عورت پر جھک جھک پڑ تا تھا۔ یہ احکام چونکہ کتب سابقہ میں موجود اور غیر منسوخ تھے اور ہمارے ہاں دلائل قطعیہ سے ثابت ہوئے ہیں اور ساتھ ہی قرآن وحدیث نے ان کو ثابت وبر قرار رکھا ہے اسلئے ان پر عمل کرنا فرض وضروری ہے۔ **اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان لانا** انبیاء ورسل علیہم السلام کے متعلق بطور تمہید سب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ وہ انسان وبشر ہیں۔ اسی لئے دوسرے انسانوں کی طرح ان کو بھی عوارض بشریت لاحق ہوتی ہیں مثلاً وہ کھاتے، پیتے، شادی بیاہ کرتے، فرحت وخوشی اور غم واندوہ محسوس کرتے، تھکتے، بیمار ہوتے اور اپنے مقررہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے) وقت پر وفات پاجاتے ہیں وغیرہ۔ چنانچہ انہی عوارض بشریت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ جنابِ ابراہیم علیہ السلام کا قول یوں نقل فرماتا ہے:۔

﴿ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ إِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ، وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ، وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ،وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴾[1]

پس وہ (بت) میرے دشمن ہیں سوائے ربّ العالمین کے، جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی مجھے ہدایت دیگا اور مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفاء بخشتا ہے اور جو مجھے موت دیگا پھر زندہ کریگا۔ ہاں البتہ یہ الگ بات ہے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام درجہ ومقام اور رتبہ میں عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ مخلوق میں جو بھی کمالات ممکن ہوسکتے ہیں تو وہ کامل طریقہ سے انبیاء ورسل علیہم السلام میں ہی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے سارے انسانوں سے انہیں منتخب کرتا ہے اور ہر کس وناکس کو نبی ورسول نہیں بناتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔
﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلاً

اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے

[1]سورۃ الشعراء: ۷۷....۸۱

وَّمِنَ النَّاسِ﴾[1]

پیغمبر منتخب فرماتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:۔

﴿ وَاذْكُرْ عِبَادَنَآ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ أُوْلِي الْأَيْدِيْ وَالْأَبْصَارِ إِنَّآ أَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ،وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ،وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَاالْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ﴾[2]

اور اے پیغمبر ہمارے بندوں ابراھیم اور اسحق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے ہم نے انکو ایک خاص وصف کے ساتھ مخصوص کیا تھا کہ وہ آخرت کا یاد کرنا تھا اور وہ یقینا ہمارے ہاں برگزیدہ اور بہتر لوگوں میں سے ہیں اور آپ اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو بھی یاد کیجئے اور یہ سب بہترین لوگوں میں سے تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

﴿ فَلَمَّا أَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی إِنِّیْ أَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ إِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی وأَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ﴾ [3]

پس جب موسی وہاں آئے تو انہیں پکارا گیا! اے موسی میں ہوں تمہارا رب پس تم اپنے جوتے اتار دو بے شک تم طوی کی مقدس وادی میں ہو اور میں نے تمہیں چن لیا ہے پس جو وحی کی جائے وہ غور سے سنو

[1]سورۃ الحج: ۷۵ [2] سورۃ ص ۴۵....۴۸ [3] سورۃ طه :۱۱۔۱۲۔۱۳

مقصد یہ ہے کہ رسالت کا مسئلہ ایک بہت بڑا بوجھ اور بھاری ذمہ داری ہے تو اس کیلئے مناسب شخص چاہیئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں کو جانچ کر دیکھتا ہے کہ کس میں رسالت کی اہلیت ہے؟ جس میں یہ اہلیت پاتا ہے اسکو یہ نعمت عظمی عطاء فرمادیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

﴿ وَإِذَا جَآئَ تْهُمْ آیَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَا أُوتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ اللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ أَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا کَانُوْا یَمْکُرُوْنَ ﴾ [1]

اور جب انکو کوئی نشانی پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائینگے جب تک خود ہم کو ویسی چیز نہ دی جائے جیسی اللہ کے رسولوں کو دی جاچکی ہے اللہ ہی اپنے پیغام بھیجنے کے محل اور موقع کو خوب جانتا ہے عنقریب ان مجرموں کو خدا کے ہاں ان حیلہ سازیوں کی پاداش میں جن کے یہ مرتکب ہوا کرتے تھے، بڑی ذلت اور سخت عذاب سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔ ما قبل کے بیان سے صاف معلوم ہوا کہ انبیاء ورسل علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصطفی، مختار، پسندیدہ اور منتخب ہوتے ہیں۔ مگر مسلمانو! یہ یاد رکھو کہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے اتنے درجہ ومقام اور منازل وکمالات کے باوجود ان میں ربوبیت والوہیت کی خصوصیت نہیں پائی جاتی بلکہ بشریت کا اعلی وارفع مقام پاکر انبیاء ورسل علیہم السلام انسان، عبد اور بندے ہی رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اعلی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے ان کو عبد ہی سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1]سورۃ الأنعام : ۱۲۴

﴿ إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَیْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلاً لِّبَنِیْ إِسْرَائِیْلَ ﴾[1]

وہ (عیسی بن مریم) محض ایک بندہ ہے جس پر ہم نے اپنا فضل کیا تھا اور بنی اسرائیل کیلئے اسکو ایک نمونہ قدرت بنایا تھا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔

﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴾[2]

اولاد ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا بے شک نوح بہت شکر گزار بندہ تھا۔ اور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:۔

﴿ تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ﴾[3]

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا

﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾[4]

بڑی بابرکت ذات ہے وہ جس نے اپنے خاص بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب یعنی قرآن کو نازل کیا تاکہ وہ تمام اہل عالم کیلئے ڈرانے والا ہو۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا، جسکے ارد گرد کو ہم نے بابرکت بنایا ہے تاکہ ہم اسکو اپنی نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

[1]سورۃ الزخرف: ۵۹ [2] سورۃ الأسراء: ۳ [3] سورۃ الفرقان: ۱ [4] سورۃ الأسراء: ۱

اس تمہید کے بعد ہم انبیاء ورسل علیہم السلام پر ایمان لانے کی نوعیت بیان کرتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ انبیاء ورسل علیہم السلام پر ایمان لانا چار چیزوں پر مشتمل ہے۔

الف: اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی رسالت پر ایمان لانا۔

ب: رسولوں کے اسماء پر ایمان لانا۔

ج: رسولوں کی اخبار کی تصدیق کرنا۔

د: رسولوں میں جو ہمارے طرف مبعوث ہوئے ہیں ان کی شریعت پر عمل کرنا۔ اس اجمال کی تفصیل میں جاتے ہوئے ہم اس باب کو چار فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

ایسے وقت میں عالم کتمانِ علم کے سبب ملعون ٹھہرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم سے اس بات کا عہد وپیان لیا ہے کہ وہ اس کے بندوں کے سامنے آیاتِ کتاب اور احادیثِ مستطاب کی تبلیغ و تبیین کر دیں۔

وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

وصلى الله على نبينا محمد و على آله وأصحابه ومن تبعهم بإحسانٍ إلى يوم الدين۔

[1]صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۳/۲۴۹، وصحیح مسلم ۳/۱۵۲۳، نیز دیکھئے: شرح العقیدۃ الواسطیہ از محمد خلیل ہراس ، ص ۱۸۱، والاسئلۃ والاجوبۃ الاصولیۃ ، ص ۱۴۶۔

راجی الدعاء العبد ابو عطاء المنعم رضاء الله بن الحاج خان بادشاہ حفظہ الله

تمت 18 شوال المکرم 1446۔ بمطابق 2025-16 اپریل یوم الاربعاء

☆☆☆

مصادرومراجع

الف: القرآن الکریم

ب: کتب التفسیر

(۱) جامع البیان عن تأویل آی القرآن۔للإمام أبي جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری (۲۲۴۔۳۱۰ھ)

(۲) تفسیر القرآن العظیم۔للإمام عبد الرحمن بن أبي حاتم الرازی (۳۲۷ھ)

(۳) الجامع لأحکام القرآن۔للإمام أبي عبداللہ محمد بن أحمد القرطبی (۶۷۱ھ)

(۴) تفسیر القرآن العظیم۔ للإمام أبي الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی۔ (۷۰۱۔۷۷۴ھ)

(۵) تفسیر معالم التنزیل۔للإمام ابی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی۔ (۵۱۶ھ)

(۶) أضواء البیان فی ایضاح القرآن بالقرآن للإمام محمد الأمین بن محمد المختار الشنقیطی (۱۳۹۳ھ)

(۷) تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان للإمام عبد الرحمن ابن ناصر السعدی۔ (۱۳۰۷۔۱۳۷۶ھ)

(۸) التفسیر الواضح۔للشیخ محمد محمود حجازی۔

(۹) أیسر التفاسیر۔للشیخ أبي بکر الجزائری۔ معاصر

(۱۰) صفوۃ التفاسیر۔ للشیخ محمد علی الصابونی۔معاصر

ج: کتب الحدیث

(۱۱) صحیح البخاری۔ للإمام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم البخاری۔(۱۹۴۔۲۵۶ھ)

(۱۲) صحیح مسلم۔للإمام أبي الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری (۲۶۱ھ)

(۱۳) سنن أبی داؤد۔ للإمام أبی داؤد سلیمان بن الأشعث السجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ)

(۱۴) سنن الترمذی۔ للإمام ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی۔ (۲۱۵۔۳۰۳ھ)

(۱۵) سنن النسائی۔ للامام أبی عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی النسائی۔(۲۱۵۔۳۰۳ھ)

(۱۶) سنن ابن ماجۃ۔ للإمام أبی عبداللّٰہ محمد بن یزید القزوینی۔ (۲۰۹۔۲۷۳ھ)

(۱۷) صحیح ابن خزیمۃ۔للإمام أبی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمۃ۔ السلمی۔ (۲۲۳۔۳۱۱ھ)

(۱۸) صحیح ابن حبان۔للامام ابی حاتم محمد بن حبان بن احمد التمیمی۔(۲۸۰۔۳۵۴ھ)

(۱۹) مسند احمد۔للإمام أبی عبداللّٰہ أحمد بن محمد بن حنبل الشیبانی۔ (۱۶۴۔۲۴۱ھ)

(۲۰) المصنف۔للإمام أبی بکر عبد الرزاق بن ھمام الصنعانی۔ (۱۲۶۔۲۱۱ھ)

(۲۱) مصنف ابن أبی شیبۃ۔ للإمام عبداللّٰہ بن محمد بن أبی شیبۃ العبسی۔(۲۳۵ھ)

(۲۲) الموطأ للإمام دار الھجرۃ مالک بن أنس الإصبحی۔(۹۳۔۱۷۹ھ)

(۲۳) المعجم الکبیر۔ للإمام الحافظ أبی القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی۔ (۲۶۰۔۳۶۰ھ))

(۲۴) السنن الکبریٰ۔للإمام أبی بکر أحمد بن الحیسن البیھقی(۴۵۸ھ)

(۲۵) شرح السنۃ۔ للإمام أبی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی۔(۴۳۶۔۵۱۶ھ)

(۲۶) سنن الدارمی۔للإمام أبی محمد عبداللّٰہ بن عبدالرحمن الدارمی۔(۲۵۵ھ)

(۲۷) الفردوس للدیلمی۔ للإمام أبی الشجاع شیرویہ بن شھردار الدیلمی۔(۵۰۹ھ)

(۲۸) جامع الأصول فی أحادیث الرسول۔للإمام أبی السادات المبارک بن محمد بن الأثیر الجزری۔(۶۰۶ھ)

(۲۹) المستدرک علی الصحیحین۔ للإمام أبی عبداللّٰہ محمد بن عبداللّٰہ الحاکم النیسابوری۔(۴۰۵ھ)

د: كتب العقيدة

(٣٠) أصول عقائد أهل السنة والجماعة۔للإمام أبي القاسم هبة الله بن الحسن اللالكائى (٤١٨ھ)

(٣١) كتاب العظمة۔ للإمام أبي الشيخ عبدالله بن محمد بن جعفر الاصفهانى (٣٦٩ھ)

(٣٢) الفقه الأكبر۔ للإمام أبي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفى۔(٨٠۔١٥٠ھ)

(٣٣) الجامع لشعب الايمان۔ للإمام أبي بكر أحمد بن الحسين البيهقى۔(٤٥٨ھ)

(٣٤)فتوى الحموية الكبرىٰ۔للإمام أبي العباس أحمد بن عبد الحليم ابن تيميه۔(٦٦١۔٧٢٨ھ)

(٣٥) الرسالة التدمرية۔للإمام أبي العباس أحمد بن عبد الحليم ابن تيميه۔(٦٦١۔٧٢٨ھ)

(٣٦) اغاثة اللفهان من مصايد الشيطان۔للإمام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزية۔(٧٥١ھ)

(٣٧) إجتماع الجيوش الإسلامية على الجهمية والمعطلة۔للامام شمس الدين أبي عبدالله محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزية۔(٧٥١ھ)

(٣٨) الرد على الجهمية۔ للإمام أبي سعيد عثمان بن سعيد الدارمى۔(٢٨٢ھ)

(٣٩) مختصر العلو للعلى الغفار۔للإمام شمس الدين محمد بن أحمد الذهبى۔(٦٧٣۔٧٤٨ھ) تحقيق الألبانى۔

(٤٠) شرح العقيدة الواسطية۔للإمام خليل هراس۔

(٤١) الكواشف الجلية عن معانى الواسطية۔للشيخ عبد العزيز المحمد السلمان۔معاصر

(٤٢) الأسئلة والأجوبة الأصولية۔للشيخ عبد العزيز المحمد السلمان۔

(٤٣) النبوة والأنبياء۔ للشيخ محمد على الصابونى۔معاصر۔

ھ: کتب التاریخ

(۴۴) المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم۔ للإمام أبی الفرج عبد الرحمن ابن علی ابن الجوزی۔(۵۹۷ھ)

(۴۵) البدایة والنهایة۔ للإمام أبی الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی۔ (۷۰۱۔ ۷۷۴ھ)

(۴۶) بدائع الزهور فی وقائع الدهور۔ للعلامة محمد بن احمد إیاس۔

ی: کتب اللغة

(۴۷) لسان العرب۔للإمام أبی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی۔(۶۳۰۔۷۱۱ھ)

(۴۸) معجم مقاییس اللغة۔للإمام أبی الحسین أحمد بن فارس(۳۹۵ھ)

(۴۹) المختار من صحاح اللغة۔للإمامان محمد محی الدین عبدالحمید ومحمد عبد اللطیف السبکی۔

(۵۰) المنجد۔ للمستشرق لویس معلوف۔

(۵۱)عقیدہ فرقہ ناجیہ ۔

(۵۲)توحید اسماء و صفات ۔

(۵۳)مجموعہ رسائل عقیدہ۔

(۵۳)آسان توحید ۔

(۵۴)عقیدہ ایمان اور منہج اسلام ۔

(۵۵)عقیدہ و آداب کی کتاب الشرح والابانہ ۔

(۵۶)عقیدہ توحید، دین خانقاہی(صوفی ازم)۔

(۵۷)شرح لمعة الاعتقاد دائمی عقیدہ۔

(۵۸)دلائل ہستی باری تعالیٰ۔

(۵۹)نور توحید۔

(۶۰)شرح عقیدہ واسطیہ(عنایت اللہ)۔

(۶۱)الابانہ عن اصول الدیانہ۔

(۶۲)عقائد وبدعات۔

(۶۳)توحید کا نور اور شرک کی تاریکیاں۔

(۶۴)توحید باری تعالیٰ سے متعلقہ شکوک وشبہات کا ازالہ۔

(۶۵)عقیدہ توحید۔

(۶۶)شرح عقیدہ واسطیہ(جاراللہ)۔

(۶۷)شرح أُصول ثلاثہ۔

★★★

وصلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ وأصحابہ ومن تبعھم بإحسانٍ إلی یوم الدین۔

[1]صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۳/۲۴۹، وصحیح مسلم ۳/۱۵۲۳، نیز دیکھئے: شرح العقیدۃ الواسطیہ از محمد خلیل ہراس، ص ۱۸۱، والاسئلۃ والاجوبۃ الاصولیۃ، ص ۱۴۶۔

فہرست

شمار نمبر	عنوانات	صفحہ
1	مقدمہ	2
2	توحید کی تعریف	3
3	اہم ترین فوائد	5
4	اہمیت توحید و فضائل	6
5	۷۔جنات اور انسانوں کے پیدا کرنے کی حکمت توحید:	8
6	لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا معنی ومفہوم	9
7	لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شروط	11
8	شہادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	17
9	اس کی شرائط وتقاضے: ۔۔۔۔۔۔۔شرک کی تاریخ	18
10	شرک کا معنی اور اس کی اقسام	19
11	شرک اکبر اور شرک اصغر کی مثالیں	23
12	شرک کا خطرہ اور سزا	24
13	نواقض اسلام	25
14	دو اہم نوٹ:	29
15	طاغوت کے سرغنے :۔۔۔۔ تین اصول	31
16	اہل السنۃ کون ہیں؟	33

17	اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان	35
18	۳۔ احاطة علمه بجميع مخلوقاته	37
19	۴۔ اثبات السمع والبصر اللہ سبحانہ	40
20	باب: اس امت کے بعض افراد بت پرستی میں مبتلا ہوں گے	42
21	اس باب کے مسائل	44
22	باب: اس امت کے بعض افراد بت پرستی میں مبتلا ہوں گے۔۔ بابُ: مَا جَآءَ فِي السِّحر	46
23	جادو کی چند اقسام کا بیان[1]	49
24	ان دو ابواب کی شرح: ۔۔۔۔۔کاہنوں اور دیگر لوگوں کا بیان☆	51

25	جادو سے جادو کے علاج کی ممانعت[1]	54
26	بد فالی کے بیان میں	56
27	علم نجوم کے بیان میں	61
28	ستاروں کے اثر سے بارش برسنے کے عقیدہ کا بیان[1]	63
29	اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت ومغفرت کا اثبات	67
30	اللہ تعالیٰ کیلئے سمع (سننا) وبصر (دیکھنا) کا اثبات	75
31	اللہ تعالیٰ کیلئے مکر وکید جیسا اس کی شایانِ شان ہے کا اثبات	78
32	اللہ تعالیٰ کا صفاتِ عفو، مغفرت، رحمت، غلبہ اور قدرت سے متصف ہونا	81

33	قواعد فی ادلة الأسماء والصفات	83
34	قرآن وسنت کے نصوص کے سلسلہ میں ایک ضروری اور اہم قاعدہ یہ ہے کہ انہیں ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے اور کسی قسم کی تحریف کا ارتکاب نہ کیا جائے	87
35	نصوصِ صفات کے ظاہر کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت ہمیں معلوم ہے، جبکہ دوسری حیثیت مجہول ہے۔	88
36	استقامت اور ثابت قدمی	91

37	(۲)عزت نفس اور خودی کا تحفظ	92
38	مساوات اور عدل اجتماعی	93
39	عقیدۂ شرک بنی نوعِ انسان کے لئے سب سے بڑی لعنت	94
40	اسلامی انقلاب اور عقیدۂ توحید	95

41	شرک کے بارے میں چند اہم مباحث	101
42	قرآن مجید کی اصطلاح مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہ[1] کیا مراد ہے؟	103
43	مشرکین کے دلائل اور ان کا تجزیہ	106
44	دین خانقاہی	117
45	ایمان کیا ہے؟	119
46	اہل سنت والجماعت کا قول:	127
47	ایمان بالغیب کا بیان	130
48	علامات متوسطہ:	139

49	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے حقوق کا بیان(۱)	144
50	اللہ کے تصور پر تمام اہل مذاہب کا اتفاق	150
51	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل۔۔۔امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل	151
52	امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل۔۔۔۔۔امام احمد بن حنبل کی دلیل۔۔۔امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی دلیل	152
53	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک وجدانی دلیل۔۔۔۔ارسطو کا استدلال۔۔۔ وجودِ باری پر متکلمین کا استدلال	153
54	مولانا رومی رحمہ اللہ کا استدلال۔۔۔۔ ہستی خدا پر امام غزالی رحمہ اللہ کا استدلال	154
55	وجودِ باری پر شکل کے حدوث سے استدلال۔۔۔ تخلیق مادّہ سے وجود باری کا استدلال۔۔وجودِ باری پر اختلافِ اشکال سے ایک اور استدلال	155
56	نیستی سے ہستی دیکھ کر وجودِ باری کا استدلال	

57	نیستی سے ہستی پر دلیل اوّل۔۔۔ نیستی سے ہستی پر دلیل ثانی	156
58	نیسی سے ہستی پر دلیل ثالث۔۔۔۔ نیستی کے بعد ہستی کے امثلہ	157
59	نباتات کا تنوع، ہستی باری پر دلیل ہے	158
60	ایجاداتِ عالم اللہ کی ہستی پر دلیل ناطق ہیں	160
61	ہوا کی طاقت۔۔۔۔ پانی کی طاقت۔۔۔ درختوں وجانوروں کی طاقت	161
62	پہاڑ کی طاقت۔۔۔۔ چاندوستاروں کی طاقت۔۔۔۔ سورج کی طاقت	162
63	موجوداتِ عالم کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے	163
64	انتباہ۔۔۔ موجوداتِ عالم کا نظم وترتیب ہستی خدا پر شاہد عادل ہے۔۔ اللہ کی ہستی کا انکار اس لئے نہیں ہو سکتا کہ وہ دکھائی نہیں دیتا	164

65	عقل، حافظہ، روح، نہ مدرک بالبصر ہے نہ مدرک بالحواس۔۔۔ اشیاء کا خود بخود نہ ہو سکنا وجودِ باری پر دلیل ہے۔	165
66	ہستی خدا پر استدلال	166
67	مظاہر فطرت کا انضباط وانقیاد اللہ کی ہستی پر دلیل ہے	167
68	نباتات الارض ہستی خدا پر دلیل ناطق ہیں	168
69	اِمساکِ روح ہستی اللہ پر دلیل ناطق ہے	169
70	روح کا گیس نہ بنا سکنا ہستی خدا پر دلیلِ ناطق ہے	171
71	جادو کا ڈھول	172
72	شمس وقمر کے مخلوقِ الہیٰ ہونے پر ایک اعتراض۔	173

73	ہستی باری تعالیٰ پر ایک فلسفیانہ دلیل	174
74	علّتِ فاعلی کا اثر شئے کی حالتِ عدم میں ہوتا ہے	176
75	اجتماع النقیضین کی دو قسمیں	177

76	ایک ضروری انتباہ!	178
77	ایک حیرت انگیز مثال	179
78	نہ دیکھنا عدم وجود کی دلیل نہیں	180
79	کرامات اولیاء کے بارے میں اہل سنت وجماعت کا عقیدہ	183
80	اہل سنت وجماعت کے اخلاق واوصاف	185

81	ان کتابوں کے غیر منسوخہ احکام پر عمل کرنا	186
82	حدود وقصاص:	188
83	صوم رمضان:	189
84	مصادر ومراجع	194